

عقیدہ اور عقیدہ

تألیف

حضرت علامہ سید مفتی محمد آفریقہ صاحب کرامت
 خلیفہ بارگاہ اہل سنت اوسٹریلیا، نئی دہلی، انڈیا
 رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ برہم پور پبلشرز

۱۴- ایڈلائیڈ لارڈ لائیڈ

فون : ۲۷۸۹۴۱ - ۲۷۸۴۲

www.noorehidayat.org

عقیدہ اور عقیدہ

تألیف

حضرت مولانا سید مفتی محمد آرا الدین صاحب کتابت کربونہ شریف
خلیفہ اعجاز برکات لکھنوی شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب برنی
نور اللہ مرقدہ

www.noorehidayat.org



مکتبہ مائتہ

۱۴- اردو بازار لاہور

فون: ۲۲۸۹۴۴-۲۲۵۲۰

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۵	معجزہ اور جادو میں فرق	۱	باب اول، شرک کی حقیقت اور انواع
"	دائرہ اسباب کی اقسام	۲	مقدمہ
۳۷	عوام الناس معجزہ و کرامت اور جادو وغیرہ	۴	شرک کی حقیقت
۳۷	میں فرق کیسے کریں گے۔	۶	انبیاء علیہم السلام کی تعلیم
۴۰	اصل حقیقت	"	شرک کی ابتدا۔
"	مشرکین کے عقائد	۸	شرک کیا ہے
۴۲	شرک فی العبادات پر تفصیلی بحث	"	اللہ تبارک و تعالیٰ کا علم
۴۴	غیر اللہ کو سجدہ حرام ہے	۱۰	عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے
۴۵	سجدہ لغیظی والتیمہ کے بارے میں علماء کی آرا	"	غیب کے اقسام
۴۷	سجدہ تغیظ کی دوسری صورت	"	اللہ تعالیٰ کی صفات کے اجراء میں کسی کو
۴۸	دین اسلام کی شرک سے حفاظت	۲۶	خود مختار ماننا شرک ہے۔
۵۱	سجدہ بیت اللہ	۲۷	شرک جلی اور ایک شبہ کا ازالہ
"	زیارت قبور	"	معجزات و کرامات صرف اللہ تعالیٰ کے
۵۲	غیر اللہ کے لئے نذر	۲۸	اختیار میں ہیں۔
۵۳	غیر اللہ کے نام ذبیحہ	۲۹	معجزہ کی حقیقت
۵۴	ناجائز یا مشتبہ رسم	۳۰	معجزہ کا حکم
"	ایصال ثواب	۳۱	یقینی معجزوں کو دائرہ اسباب سے جوڑنے کی مذمت
"	نذر	۳۲	معجزہ سے انکار کی وجہ
۵۶	باب دوم: دست بوسی	۳۳	معجزہ اور کرامت کی حیثیت

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۵	معجزہ اور جادو میں فرق	۱	باب اول شرک کی حقیقت اور انواع
۶	دائرہ اسباب کی اقسام	۲	مقدمہ
۳۷	عوام الناس معجزہ و کرامت اور جادو وغیرہ	۴	شرک کی حقیقت
۳۷	میں فرق کیسے کریں گے	۶	انبیاء علیہم السلام کی تعلیم
۴۰	اصل حقیقت	۷	شرک کی ابتداء
۶	مشرکین کے عقائد	۸	شرک کیا ہے
۴۲	شرک فی العبادات پر تفصیلی بحث	۹	اللہ تبارک و تعالیٰ کا علم
۴۳	غیر اللہ کو سجدہ حرام ہے	۱۰	عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے
۴۵	سجدہ تغلیبی والحق کے بارے میں علماء کی آرا	۱۱	غیب کے اقسام
۴۷	سجدہ تغلیم کی دوسری صورت	۱۲	اللہ تعالیٰ کی صفات کے اجراء میں کسی کو
۴۸	دین اسلام کی شرک سے حفاظت	۲۶	خود مختار ماننا شرک ہے
۵۱	سجدہ بیت اللہ	۲۷	شرک جلی اور ایک شبہ کا ازالہ
۶	زیارت قبور	۲۸	معجزات و کرامات صرف اللہ تعالیٰ کے
۵۲	غیر اللہ کے لئے نذر	۲۹	اختیار میں ہیں
۵۳	غیر اللہ کے نام ذبیحہ	۳۰	معجزہ کی حقیقت
۵۴	ناجائز یا مشتبہ رسم	۳۱	معجزہ کا حکم
۶	ایصال ثواب	۳۲	یقینی معجزوں کو دائرہ اسباب سے جوڑنے کی مذمت
۶	نذر	۳۳	معجزہ سے انکار کی وجہ
۵۶	باب دوم: دست بوسی	۳۴	معجزہ اور کرامت کی حیثیت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲۶	دو شدید غلطیاں	۱۸۵	شرک کی مذمت
۲۲۸	مگرہ فرقوں کی ابتداء	۱۸۶	مشرکین کی ایک عام صفت
۲۳۰	اسلاف کی فضیلت	۱۸۸	شرک کا انجام
۲۳۶	باب ہشتم: توحید	۱۹۰	حدیث شریف میں شرک کی مذمت
۲۳۷	توحید	۱۹۱	مشرک کا عقائد کے اثرات
۲۳۹	فطرتی عقیدہ	۱۹۲	صحیح راستہ
۲۴۰	مومن کا حال	۱۹۳	شرک خفی
۲۴۱	صحابہ کی توحید اور جذبہ جہاد	۱۹۷	شرک خفی اور ربی کی مذمت
۲۴۱	توحید کے ثمرات	۲۰۳	باب ہفتم: محبت مطلوبہ
	÷	۲۰۴	محبت
		۲۰۹	محبت کے اسباب
		۲۱۱	حضور سے اختیاری محبت
		۲۱۱	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہؓ کی محبت
		۲۱۵	حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی اہمیت اور اس کے ثمرات
		۲۲۲	صحابہؓ سے محبت
		۲۲۳	صحابہؓ کے بارے میں حضور کی تاکید
		۲۲۳	مقام صحابہ رضی اللہ عنہم
		۲۲۴	اللہ حضور، صحابہ اور اسلاف سے محبت

باب اول

شکر کی حقیقت
اور
الواع

مقدمہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ
وَعَلَىٰ بَادِيَ الدِّينِ أَصْطَفَى، آمَنَّا بَعْدُ۔

توحید و شرک اور محبت و تعظیم کے موضوع پر اردو زبان میں پہلے سے
کتابیں موجود ہیں، جن میں بعض حضرات کی زبان اور قلم جب توحید کے بارے
میں چلنا شروع ہوتے ہیں تو قرنِ اول سے لے کر آج تک بڑے سے بڑا
عالم، محدث، فقیہ یا صوفی بھی انہیں شرک سے خالی نظر نہیں آتا اور عہدِ رسالت
سے آج تک کا تقریباً ہر مسلمان مشرک معلوم ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح جب
محبت کو تحریر و تقریر میں لایا جاتا ہے تو فروعی مسائل جیسے توسل وغیرہ کے انکار
کرنے والوں کو بے ادب اور گستاخ باور کرایا جاتا ہے۔ اگر ہمارے اہل قلم خصوصاً
علماء کرام دہن پر امت کی اصلاح و تربیت کی ذمہ داری ہے اور اہل اسلام
میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنا اور مومنین میں بھائی چارہ کو فروغ دینا ان کا فرائض
منجبی ہے، پیار و محبت سے اور نرم الفاظ استعمال کر کے و جَادِ لِدُخْرٍ بِالْحَيِّ
ہی اَحْسَنُ کو مد نظر رکھ کر ایک دوسرے کے خیالات کو سمجھنے اور سمجھانے
کی کوشش کرتے اور خالص علمی مسائل عوام اور کم استعداد لوگوں کے سامنے لانے
اور ان کو ان باریک مسائل میں الجھانے سے گریز کرتے جیسا کہ ہمارے اسلاف کا
شیوہ تھا تو بڑی حد تک اصلاح بین الناس میں کامیاب ہوتے۔ اس میں کوئی
شک نہیں کہ حضرات علماء کرام کسی کو کافر بناتے نہیں بتاتے ہیں تاہم اگر نرم الفاظ
اور شیریں سخنی سے دوسرے کو اپنا نظریہ پیش کیا جاتے اور شخص سے دل اور فرمانبرداری
سے اس کی بات پر کان دھرے جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی

کا نظارہ پیش نہ کریں۔ جن جذبات کو غلط طریقہ سے ابھار کر شیطان ہم میں نفرت و کدورت پیدا کرتا ہے انہی جذبات کو اگر صحیح نصب العین کے حاصل کرنے میں صرف کیا جائے تو وہی سادہ لوح مسلمان رحمان بنیم کا منظر پیش کر سکتے ہیں۔

فروعی مسائل میں ائمہ اہل سنت کا اختلاف کوئی دھکی چھپی بات نہیں ہے مگر ان کا آپس میں نہایت بلند ورجہ ادب و تعظیم سے پیش آنا بھی اظہر من الشمس ہے حضرت امام شافعیؒ کا حضرت امام اعظمؒ کی شان میں *الْفَقْهَاءُ يُعَالِیْ اُنْیَ خَلِیْقَہٗ جِیْسَ الْفَاظِ* سے رطب اللسان ہونا کسی فقہ کے ابتدائی طالب علم سے پوشیدہ نہیں اس قسم کی بیسیوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں غرضیکہ باوجود فروعی مسائل میں اختلاف کے ہمارے اسلاف کرام کا ایک دوسرے کا عزت و اکرام کرنا اسلامی تاریخ کا ایک سنہری باب ہے۔

اس لئے ایک عرصہ سے یہ آرزو تھی کہ توجید اور محبت کے مضامین کو یکجا کر کے قدرے تفصیل اور وضاحت سے افراط و تفریط سے پاک نقطہ نظر پیش کیا جائے اور اختلافی مسائل جیسے دست بوسی، قیام اور توسل کے متعلق ایسے انداز سے لکھا جائے کہ قائلین اور منکرین کے موٹے موٹے دلائل مختصر طور پر تقارین کے سامنے آجائیں تاکہ اوسط طریق اور مسئلہ کی نوعیت خود بخود واضح ہو جائے اور فروعی مسائل میں ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تاکہ اختلاف برائے اختلاف کو چھوڑ کر نکلے مؤمن اخوة کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلمانوں میں اتحاد و یکجانکت پیدا ہو جائے اور خواہ مخواہ کسی مسلمان کی توہین و تحقیر نہ ہو اور نہ ہی کسی مسلمان کو مبتدعین و مشرکین کی صف میں کھرا کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور مسلمانوں کے لئے اسے مفید فرمائے اور *مَّا اَرْیَدُ اِلَّا الْخَلَاصَ مَا اسْتَطَعْتُ* کا مصداق بنائے۔ *وَاَنْزِلْ عَلَیْہِ الْوَحْیَ اِنْ اَمَرَ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَرَسُلِی السَّادَّ عَلٰی خَلْقِہٖ سَیِّدًا مَّا مَوْلَا مَا مَحْمُودًا لِّہٖ وَاَلَمَ وَاَنْصَابًا وَاَشْبَاحًا اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ (آیہ)*

شُرک کی حقیقت

انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اللہ تعالیٰ و تبارک کی ہستی ایک ایسی ظاہر و بدیہی حقیقت ہے جس میں کسی شک یا انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ کسی کی فطرت بالکل ہی مسخ نہ ہو گئی ہو تو اس کے لئے اللہ رب العزت کی ذاتِ عالی کا یقین فطرتی طور پر بالکل ایسا ہی واضح اور عیاں ہے جیسے کہ خود اپنی ہستی کا وجود۔ یہاں تک کہ اگر بظاہر انکار کرنے والوں کے اندرون کو بھی ٹٹولا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں خدا کی ہستی کا اقرار پوشیدہ طور پر موجود ہے۔ لیکن اللہ جل شانہ کی وحدانیت کا مسئلہ ایسا ہے جس کے بارے میں بے شمار قومیں گمراہ ہوتی ہیں۔ اسی لئے دنیا میں جتنے انبیاء علیہم السلام تشریف لاتے ہیں، ان سب کی دعوت کا آغاز عقیدہ توحید ہی سے ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک نے شرک کے مٹانے پر اپنی پوری قوت صرف کر دی۔

شرک کی ابتدا۔ کے بارے میں عبد الشکور سالمی اپنی کتاب شرک کی ابتدا انتہیدہ میں جو کچھ فرماتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شرک کی ابتدا اور ظہور حضرت اخنوخ علیہ السلام جن کو حضرت ادریس علیہ السلام کے لقب سے تعبیر کیا جاتا ہے، کے وقت سے ہوتی۔ اس سے پہلے مخلوق نے کسی قسم کا شرک نہیں کیا تھا۔ البتہ بعض افراد انفرادی طور پر معصیت اور نافرمانی میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ جیسے آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہیں کیا تھا۔

حضرت ادریس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے جن کو علوم و ہدایت کے ساتھ بطور معجزہ نجوم اور رمل کا علم بھی دیا گیا تھا۔ ان کے بعد ان کے چند شاگرد اور خاص تلامذہ جن میں ودا، سوار، یغوث، یعوق اور نسر شامل تھے ان کی قوم کی رہنمائی کرتے رہے۔ جب حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا تو یہ پانچوں حضرات شب و روز عبادت اور لوگوں کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہے۔ جب یہ ہستیاں بھی اس عالم سے تشریف لے گئیں تو قوم پریشان ہوئی کہ اب کس سے احکام دین سیکھیں اور رہنمائی حاصل کریں۔ پھر ان میں سے بعض نے مشورہ کیا کہ ان بزرگوں کے محنت سے بنائے جاتے تاکہ ان کو دیکھ کر ان حضرات کی یاد تازہ رہے اور ان کی تعلیمات و ہدایات اور طور طریقے مجھونے نہ پائیں۔ قوم نے ایسا ہی کیا۔ اور مجھے تیار کر کے ان کے نام بھی وہی تجویز کے جو ان حضرات کے تھے۔

ابتداء میں یہ لوگ عبادت تو خدا ہی کی کرتے تھے اور ان مجسموں کو صرف یاد تازہ کرنے کے لئے دیکھ لیتے تھے، لیکن ان کی اولاد کے لئے شیطان نے شرک و بت پرستی کے لئے میدان ہموار کر دیا کیونکہ انہوں نے اپنے آباء و اجداد کے عمل کو دیکھا تھا اور جب آباء و اجداد کی نسل گزر چکی تو شیطان ان کی اولاد کے پاس آیا اور ان مجسموں میں داخل ہو گیا، اور انہی بتوں کے ذریعہ سے اس نے یہ اعلان کیا کہ اے لوگو! میں تمہارا اور تمہارے آباء و اجداد کا رب ہوں اور تمہارا آباء و اجداد میری ہی عبادت کیا کرتے تھے۔ چونکہ اولاد کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ ان کے آباء و اجداد تو ان بتوں کی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ صرف تعظیم و تکریم کرتے تھے، اس لئے شیطان ان کو گمراہ کرنے میں بآسانی کامیاب ہو گیا۔ غافل و نادان قوم نے ان بتوں کی تعظیم و تکریم کے ساتھ جب ابلیس کی نڈا کو سننا تو یہ بات پوری طرح غلط و مانع میں داخل ہو گئی کہ دراصل یہی مورتیاں ان کے معبود ہیں اور ان مجسموں کو پتیل چاندی اور سونے سے تیار کرنے لگے اور شرک و بت پرستی میں

عن ابن عباس عن الصادق عليه السلام قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وآله يقول في يوم نوح في العرب بعد أساءة بال صالحين من قوم نوح فلما أكلوا ادمي الشيطان
في قومهم ان الصبيوة الى عباسهم التي كانوا يجلسون اليها باومرأ باسائهم ففعلوا فلم يقبلوا حتى اذا بكى اذ بكى وتلخى العز عذبت.

بتلا جو گئے۔

اور بدستور ان بتوں کی عبادت کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا کہ وہ ان مشرکوں کو خالق حقیقی کی عبادت اور توحید اصلی کی طرف دعوت دیں۔ انھوں نے اپنی قوم کو دین حق کی طرف بلایا لیکن انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ:-

لَا تَذَرْنَا إِيْهِتَکُمْ وَ لَا تَذَرُوْا دَاوْلَہُمْ اَعَادَہُمْ وَاِیْضُوْثَ وَاِیْضُوْثَ وَاِیْضُوْثَ وَاِیْضُوْثَ (سورۃ نوح)

(ترجمہ) ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو، اور نہ چھوڑو دواور سواح کو، اور نہ یثوث، یثوث اور نسر کو، اور باوجودیکہ نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک سمجھاتے رہے، وہ لوگ ان کی اطاعت سے انکار کرتے رہے، یہاں تک کہ سخت افسوس و یاس کے عالم میں فرمانے لگے۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شیث علیہ السلام کے حالات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی چالیس اولاد میں یثوث ہیں، یثوث کے اور ہیں لڑکیاں، لڑکوں میں سے ابیل، قابیل، صالح، عبد الرحمن، اور ذرہ و رہے سواح، یثوث، یثوث اور نسر اسی کے بیٹے تھے۔ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۶

مفسر سید محمد دالوٹی لکھتے ہیں کہ ابن ابی حاتم نے مرثد بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ انجمن آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے، ان میں ہیں بلز اور سب سے بڑا وہ تھا، یہاں کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت میں سب سے پہلے وہ کو شریک کیا گیا اور ان کے ساتھی ہیں۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ ایک بلیغ مرقوم روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بت گزشتہ زرگوں کے تھے تھے جن کو اہل عرب نے بعد میں پوجنا شروع کر دیا تھا، ممکن ہے کہ ان میں بعض ایسے بھی ہوں لیکن زیادہ تر خیال یہ ہے کہ اصل میں یہ مختلف ستاروں کی خیالی صورتیں تھیں۔ مفسر کے متعلق تو یہ تحقیق ثابت ہے کہ وہ ایک گمراہی شکل کا ہم ہے اسی پر دوسرے بتوں کو بھی قیاس کرنا چاہیے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

میرے رب ان کافروں میں سے کوئی زمین پر بیٹھنے والا نہ ہے۔

اکیونچہ ان پر یہ بات ساف طور پر کھل چکی تھی کہ نہ صرف وہ لوگ سڑک پر ہونے
اعضائے کی طرح بالکل تباہ ہو چکے تھے بلکہ ایمان والوں کو بھی گمراہ کر دیں گے اور ان
کی آئندہ نسل بھی بدکار اور کافر ہوگی۔ مسلمانوں کی اولاد کو گمراہ کریں گے،

پس اللہ تعالیٰ نے ان پر قسمتِ شکرین کو غرق کر دیا اور کشتیِ نوح میں زندہ
سلامت پہنچنے والوں میں نوح علیہ السلام کی اولاد سام، حام اور یافث مع اپنے اہل
عیال کے باقی رہے جن سے آدم علیہ السلام کی اولاد کا سلسلہ جاری رہا اور اس کے
علاوہ وہ پانچ بہت یعنی وہ اسرارِ یفوت البوق اور نسر بھی مٹی میں دب گئے تھے
بعد میں شیطان نے انہیں دوبارہ قبیلہِ عطفان کے لوگوں کے لئے آشکارا کر دیا۔
انہوں نے بتوں کی تعداد میں آٹھ اضافہ کیا کہ وہ تین سو ساٹھ تک پہنچ گئے اور اسی طرح
مشرکین بھی مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ بعض کہتے تھے کہ فرشتے الہیاء باللہ والہ
کی بیٹیاں ہیں اور بعض کا دعویٰ تھا کہ ان کے بت خدا کی بیٹیاں ہیں اور بعض انہیں
خدا تعالیٰ کی خدائی میں شریک سمجھتے تھے۔ ان فرقوں میں سے ایک فرقہ ایسا تھا جو
نور شنوں اور نبیوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں مانتے تھے اور نہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کے
شریک مقرر کرتے تھے لیکن وہ کہتے تھے کہ یہ بت ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں
شفاعت اور سفارش کرتے ہیں اس لئے جب یہ بت ہم سے خوش ہوں گے تو
اللہ تعالیٰ بھی ہم سے راضی ہو گا۔ اور یہ لوگ اس لئے ہانپتے تھے کہ انہیں نبیوں کی عبادت کیا کرتے
تھے (التحیید لابن التکون السالمی ص ۲۰۶ تا ۲۰۸)

غرض جب لوگوں نے تعظیم و عقیدت میں اعتدال کو چھوڑ کر علو اور حد سے تجاوز
کیا تو یہیں سے مشرک و گمراہی کا آغاز ہو جاتا ہے جیسا کہ پہلی امتوں میں ایسا ہی ہوا
کہ جن بتوں کے ساتھ ان کی عقیدت تھی ان کے بت اور مورتیاں انہوں نے ان
خیال سے بنائی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں ان کے ویسے اللہ کے

و تعالیٰ کے ہاں رسائی ہوگی بگھر بڑھتے بڑھتے انہوں نے خود انہی ہستیوں کو معبود بنالیا، انہی کو مرد کے لئے پکارنے لگے، اور انہی کے متعلق یہ سمجھ لیا کہ یہ عاصی و تصرف اور خدائی اختیارات کے مالک ہیں۔ ہماری فریاد رسی و مشکل کشائی یہی کریں گے، اس فکر ہی سے نکالتے گئے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات اپنے بندوں کے ذریعہ بھیج کر طرح طرح سے ان کو سمجھانے کی کوشش کی۔

مشرک کیا ہے | شرک حصہ داری یا شراکت کو کہتے ہیں۔ اور اسلام میں شرک کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات یا اپنے بندوں پر اللہ تعالیٰ کے جو خاص حقوق ہیں، ان میں کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے اللہ کی ذات میں شرک یہ ہے کہ تخلیق کائنات اور اس کی تدبیر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو مانا جائے یا کسی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں شریک کر کے اسے اللہ تعالیٰ کا جز قرار دیا جائے۔ مثلاً مجوس دو خدا مانتے ہیں۔ ایک یزدان اور دوسرا اہرمین یا جیسے نصاریٰ کا عقیدہ تثلیث ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات میں شرک یہ ہے کہ اس کی مخصوص صفات جیسے خالق ہونا رازق ہونا، فاعل مختار ہونا، علیم، خبیر ہونا اور عالم الغیب ہونا وغیرہ غرض اللہ تعالیٰ کی کسی صفت میں کسی کو شریک کرنا شرک ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا علم | یاد رہے کہ دوسری صفات کمالیہ کی طرح علم بھی اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے جس میں کوئی اس کا شریک و شریک نہیں جس طرح تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے دوسرے صفات کمالیہ سے عاری اور کورے تھے، اسی طرح تمام مخلوق انس و جن اور فرشتے بھی اصل میں بالکل بے علم تھے۔ ان کو جو کچھ بھی علم حاصل ہوا، اللہ تعالیٰ کے دینے سے حاصل ہوا، اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام کائنات میں ایک انسان سرفہرہ جیسے پیدا ہونے پر قوت ارادی کے ساتھ علم کی استعداد و قوت بھی دوسری مخلوقات سے زیادہ اور پورے کمال کے ساتھ دی گئی ہے چنانچہ وہ ظاہری جو اس قسم کے اندھے، کان، آنک

زبان اور چھونا، سے قابل احساس چیزوں کا ادراک کر کے عقل و فکر اور وجدان کے ذریعے مخفی امور معلوم کرتا ہے۔ وہ آنکھ سے صورتوں کا علم، کان سے آوازوں کا علم، زبان سے ذائقوں، ناک سے خوشبو یا بدبو اور ہاتھ پیر تمام بدن کے چھونے سے کسی چیز کی سختی نرمی، گرمی اور ٹھنڈک کا ادراک کر کے اپنے دماغ میں جمع کر لیتا ہے۔ اور عقل و فکر جو دماغ میں رچی ہوئی ہے وہ قلب یعنی دل جو ان کا حکمران اور تمام علوم کا سرچشمہ ہے، جنبش اور اشارہ سے دماغ میں امور معقولہ کو خاص شعور کے ساتھ اخذ کر کے جمع کر لیتا ہے۔ پھر وہ نہ صرف ان محسوسات کی صورت و متغیرات کو جوں کاتوں سمجھ لیتا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ان بھی ہوتی حقیقتوں میں تصرف کر کے ان کا تفصیلی تجزیہ کرتا ہے۔ اور اس ایک علم سے متعدد علوم کے دروازے اپنے اوپر کھول لیتا ہے۔ کبھی وہ ان جزوی صورتوں کے استقرار و نتیج سے کوئی کلیہ بنا لیتا ہے۔ اور اس سے نئے جزئیات پیدا کرتا ہے، اور کبھی وہ کسی جامع علت کی بنا پر ایک چیز پر دوسری چیز کو قیاس کر کے ایک حکم دوسرے جزئیات اور چیزوں تک پہنچا دیتا ہے۔ اسی طرح اور کئی جزئیات اور چیزیں پیدا ہو کر اس کے علم میں جدید اضافہ کا باعث بنتی ہیں۔ اسی طرح وہ کبھی ایک جزئی سے علمی نکات و لطائف پیدا کر کے ایک گہرے علم کو حاصل کرتا ہے۔

غرض انسان اپنے بیرونی و اندرونی حواس اور عقل کے ذریعے وہ علوم حاصل کرتا ہے، جسے دیکھ کر حضرات ملانیکہ بھی اس کی علمی استعداد اور تجربہ علمی کے مستترف ہو جاتے ہیں۔

لیکن جس طرح انسان میں اللہ تعالیٰ کی ان دی ہوئی قوتوں اور استعداد سے انکار نہیں، اسی طرح اس سے بھی انکار نہیں کہ علم اللہ تعالیٰ کی ایک خاص صفت ہے جس کا پر تو عارضی طور پر انسان پر پڑتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جس مرحلے پر ہر انسان کو علم اور علم کی استعداد و قوت میں فرقی کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو علمی استعداد و قوت تو دیتا ہے لیکن انسان علم سے پیدا شدہ امور پر گہرا ہوتا ہے۔

کے لئے جو دروازے جس قدر کھولنا چاہے، وہ اس پر اس قدر کھول دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا تَدْوِيرًا مَعْلُومًا**۔ ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں مگر ہم ہر چیز کو ایک مقررہ مقدار سے نازل کرتے ہیں۔

عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے | اس لئے مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے کہ عالم الغیب (غیب کا علم جاننے والا) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ بعض وقت انسان کسی چھپی ہوئی چیز کو دریافت کر لیتا ہے لیکن یہ علم غیب نہیں بلکہ ایک معاملہ ہے جو عام لوگوں کو ہوا کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام لفظ غیب سے مراد لٹوئی، چھپی جاتی ہیں یعنی ہر وہ چیز جو ان کے علم و نظر سے غائب ہو۔ خواہ دوسروں کے نزدیک اس کے علم حاصل کرنے کے ذرائع موجود ہوں، وہ اس کو غیب کہنے لگتے ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں طرح طرح کے شبہات سامنے آتے ہیں۔ اس لئے ضروری یہ ہے کہ اس غیب کو سمجھ لیا جائے جسے قرآن مجید کی اصطلاح میں غیب کہا جاتا ہے۔

غیب کے اقسام | غیب کے معنی چھپی اور پوشیدہ کے ہیں اور کسی چیز کے مستور ہونے کی کئی قسمیں ہو سکتی ہیں۔

اس کی ایک قسم یہ ہے کہ وہ چیز اس مادی دنیا میں موجود ہو چاہے زمین پر ہو یا اس کے اندر ہو یا چاند یا دوسرے سیاروں وغیرہ میں۔ تو یہ چیزیں ایسی ہیں جن میں بہت سی چیزیں فرد افراد بعض انسانوں کے علم میں ہیں۔ اور بعض کے علم میں نہیں ہیں۔ ایک چیز ہمارے سامنے ہے۔ لیکن دوسرا شخص جو اس سے کچھ حاصل کرے اس سے غائب۔ ایک چیز کسی جگہ موجود ہے۔ ایک ہی جگہ پر دو شخصوں میں سے ایک اس کو اپنی تیز نگاہوں سے دیکھتا ہے اور دوسرا شخص نظر کی کمزوری کی بنا پر اسے نہیں دیکھ پاتا، یا چند اشخاص ایک ہی جگہ ہیں ان میں سے ایک شخص

اصلی قسم کے دو درہن کے ذریعے سیکڑوں میل دور کسی چیز کو دیکھ رہا ہے اور اس چیز کے بارے میں دوسروں کو خبر دے رہا ہے اور دوسرے اشخاص اس چیز کے عینی مشاہدہ سے محروم ہیں۔

اسی طرح ایک شخص خوردبین کے ذریعے ایک قطرہ پانی میں لاکھوں جراثیم اور وائرس کی نقل و حرکت اور ان میں مختلف قسم کے جراثیم کی پہچان اور امتیاز کرتا ہے اور دوسرے عام لوگ اس کی اس خبر کو افسانہ سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے۔

یہی حال زمین کے اندر مخفی اشیاء اور خزانوں کا ہے۔ چاند اور دوسرے سیاروں میں موجود چیزوں کا ہے۔ کوئی اللہ تعالیٰ کی ودیعت کی ہوئی تیز حس (خواہ ظاہری حس ہو یا باطنی) کے واسطے سے یا کسی آلے اور تجربہ یا کسی ذریعے سے کچھ چیزیں معلوم یا محسوس کرتا ہے۔ اور کوئی اس سے گورا اور بے خبر ہوتا ہے۔ اس قسم کی ساری چیزیں ایسی ہیں جن کو غیب نہیں کہا جاتا یہ چیزیں ساری کی ساری موجود ہیں جسے کوئی محسوس اور معلوم کرتا ہے، کوئی نہیں، یعنی بعض کے ادراک میں آتی ہیں اور بعض کے نہیں۔

دوسری قسم پوشیدہ چیزوں کی یہ ہے کہ جن کا ظہور تمام اب تک نہ ہوا ہو، البتہ اس چیز کا مادہ اور اس کے بعض اسباب کا ظہور ہوا ہو یا اس چیز کے دنیا میں آنے کے قرائن موجود ہوں، جن کو عام لوگ نہیں جان سکتے۔ البتہ اہل فن اس کو معلوم کر لیتے ہیں جیسے ماہر فلکیات سورج کی رفتار کا اندازہ لگا کر پہلے سے بتا دیتے ہیں کہ مثلاً فلاں دن پانچ بجے سورج طلوع ہوگا اور چھ بجے غروب۔ اور فلاں دن پانچ بجکر دس منٹ پر طلوع آفتاب ہوگا اور پانچ بجکر پینتالیس منٹ پر غروب ہوگا۔ یا کوئی حساب لگا کر کہتا ہے کہ فلاں ماہ فلاں تاریخ کو سورج گرہن یا چاند گرہن ہو گا۔ جیسا کہ جنترپوں اور اوقات کے نقشوں میں یہ معلومات بھی ملتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک محسوس اور معلوم چیز کی رفتار سے اندازہ لگانا ہوتا ہے جیسا کہ انیورپوٹ والے ہیں، جہازوں کی آمد اور اسٹیشن والے ریلوں وغیرہ کی آمد کی اطلاع دیتے ہیں۔ ان جیسی تمام اشیاء کا تعلق حساب سے ہوا کرتا ہے، اسی

طرح ماہرین موسمیات بارش وغیرہ کے متعلق پیشین گوئی کرتے ہیں۔ ماہرین طب و
 نفسیات بعض دیکھ کر یا کسی آلے کے ذریعے معائنہ کر کے مریمیں کی چھپی ہوئی حالت
 بلکہ اس پر آئندہ آنے والی کسی بیماری کی خبر دیتے ہیں۔ اور بسا اوقات یہ خبریں
 پیشین گوئی کے مطابق واقع بھی ہو جاتی ہیں۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ماہرین موسمیات
 یا ڈاکٹر وغیرہ کو ایسی خبریں دینے کا موقع اس وقت ہوتا ہے جب کہ ان واقعات
 اور حالات کا مادہ اور ان کے بعض اسباب ظاہر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ماہرین موسمیات
 مون سون کا رخ اور اس کی قوت اور رفتار کو دیکھتے ہیں تو وہ ان سے اندازہ کر کے
 کہتے ہیں کہ فلاں فلاں جگہ باد و باران یا گرج چمک کا امکان ہے اور فلاں فلاں جگہ
 موسم خشک رہے گا۔ اور یہی حال ڈاکٹر اور طبیہوں کا ہے۔ وہ کسی شخص میں کسی بیماری
 کے جراثیم دیکھ لیتے ہیں۔ یا کسی بیماری سے دوسری بیماری لگ جانے کا تجربہ ان کو ہوتا
 ہے یا اسی طرح دوسرے ذرائع سے کسی آنے والے مرض کا مادہ معلوم کر کے خبر
 دیتے ہیں۔ فرض محکم موسمیات والے ہوں یا ڈاکٹر ہوں جتنے بھی ماہرین فن ہیں وہ
 کسی چیز کے بارے میں اطلاع تب دے سکتے ہیں جب کہ ان واقعات کا مادہ
 اور اسباب ظاہر ہوں، اگرچہ اس چیز کا وجود منظر عام پر نہ آ سکا ہو۔ اور خود اس
 سے بے خبر رہتے ہوں۔ اور جب وہ مادہ قوی ہو جاتا ہے تو اس کا ظہور عام ہو جاتا
 ہے۔ تو ایسی چیزیں جن کے وجود میں آنے کا مادہ موجود ہو چکا ہو یا کسی چیز کے
 اسباب و آثار اور نشانات اہل فن کے نزدیک ظاہر ہو چکے ہوں تو وہ چیزیں پورے
 غیب میں نہ رہیں۔ بلکہ ایک گونہ ظہور ان کا ہو چکا ہوتا ہے لیکن ان کی لطافت
 یا کمزوری کی وجہ سے عام مشاہدہ میں ابھی نہیں آئیں۔ اس کے علاوہ ان سب چیزوں
 سے حاصل ہونے والی واقفیت سب کچھ ہونے کے بعد بھی تخمینہ اور اندازہ ہی کی
 حیثیت رکھتی ہے۔ علم جو یقین کا نام ہے۔ وہ ان میں کسی چیز کو حاصل نہیں۔ البتہ
 جو چیزیں حسابات سے متعلق ہیں، ان کا علم اگرچہ علم ہے مگر وہ غیب نہیں۔ کیونکہ
 اس فن سے کسی موجود اور محسوس چیز کا رخ رفتار اور اس کی قوت سے حساب لگا

کہ اس کی آمد اور منظر عام پر آنے کا وقت متعین کیا جاتا ہے جیسا کہ چاند گرہن وغیرہ کے اوقات متعین کئے جاتے ہیں۔

مستور چیزوں کی تیسری قسم وہ ہے جن کا تعلق اس مادی عالم سے نہیں بلکہ الٰہی چیزوں کا محل و مقام عالم مثال ہے۔ یہ چیزیں ایسی ہیں جن کا ادراک ظاہری حواس اور آلات سے نہیں کیا جاسکتا، لیکن یہ چیزیں بھی اس لئے غیب میں داخل نہیں کہ جو چیزیں پرودہ غیب سے عالم مثال میں آجاتی ہیں ایسی چیزیں اگرچہ ہماری فکروں سے غائب ہوتی ہیں لیکن وہ چیزیں عالم ملکوت میں ملائکہ کے سامنے ہوتی ہیں اور ہم بھی بعض اوقات کسی آنے والے واقعہ کو نورانی خواب کے ذریعہ عالم مثال میں دیکھ لیتے ہیں اور بعد میں وہ واقعہ جوں کا توں یا صحیح تعبیر کے موافق ظہور میں آجاتا ہے اسی طرح اہل کشف بیداری کی حالت میں روحانی تجل میں بعض اشیاء کا ادراک کرتے ہیں اور یہ کسی ولی اللہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اشراقی اور اہل ریاضت بھی کبھی بعض

لہ عالم مثال ایک عالم ہے جو عالم روح اور عالم اجسام کے درمیان بتایا جاتا ہے بعض علماء اس عالم کو مانتے ہیں، اگر کوئی اس کو قیام ذکر سے تو تیسری قسم سے وہ مستور چیزیں مراد ہوں گی جن کا فردی پرودہ غیب سے ہو چکا ہو لیکن اس عالم اجسام میں موجود نہ ہوں۔

۱۔ اشراقیت اور روحانیت عقل پرستی کے خلاف ایک شعبی رد عمل ہے جس کے بنیادی اصول یہ ہیں کہ حق اور یقین کے دریافت کے لئے حواس عقل، علم قیاس وغیرہ قطعاً منیہ نہیں ہیں بلکہ مغربی صداقت اور حقیقت کے یقینی حصول کے لئے مشاہدہ شرف ہے اور یہ مشاہدہ صرف نور باطن حقائق نفس اور ایک ایسے اندرونی ماس کو بیدار کر دینے سے ممکن ہے جو روحانیت اور ماوراء طبیعات کا اس طرح ادراک کرتا ہے جس طرح یہ ظاہری حواس ظاہری چیزوں کا ادراک کرتا ہے۔ یہ حواس اس وقت بیدار ہو سکتا ہے جس وقت مادیت کو فنا اور ظاہری حواس کو مردہ کر دیا جائے حقائق کی تجلی اس حکمت اشراق اور نور باطن سے ممکن ہے جو ریاضتوں نفس کشی اور مراقبہ فکر سے پیدا ہوتی ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ انسان کے پاس ایسی باطنی اور اندرونی حواس ہیں جن کو اگر وہ بیدار کر لے اور ترقی دے تو اس کا قیام کے بہت سے عجائبات اور موجودات کا ادراک کر سکتا ہے جن کا ادراک کسی حواسِ اقل حاشیہ انگلہ مغویہ پر

پہیزوں سے واقف ہو جاتے ہیں لیکن خواب، مکاشفہ وغیرہ میں قوت و ہمیشہ کی آمیزش اس علم یقین کو ظن میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اس لئے سوائے انبیاء علیہم السلام کے کشف کے جس قدر طریقے ہیں ان میں غلطی کا احتمال علیٰ مراتب باقی رہتا ہے۔ کسی میں اگر غلطی کا احتمال زیادہ ہے تو کسی کے کشف میں غلطی کا احتمال کم ہے لیکن وہ غلطی کے احتمال سے پاک نہیں۔ اس لئے اس جاننے کو علم بمعنی یقین نہیں کہہ سکتے البتہ انبیاء علیہم السلام کو جو کشف ہوا کرتا ہے اس کے آگے قبچھے ملائے گا پہرہ ہوا کرتا ہے جس کی وجہ سے شیاطین قوت و ہمیہ و خیالیہ اور عادات و طبائع وغیرہ اس پر کچھ دست اندازی نہیں کر سکتے اور وہ ہر قسم کی آمیزش سے پاک ہو کر انبیاء علیہم السلام کو دکھائی دیتے ہیں۔ اس لئے ان کے مکاشفات اور خوابیں بھی وحی کی اقسام میں سے ہوتے ہیں، جب کہ اولیاء کرام کے مکاشفات اور الہامات میں محافلت نہیں ہوتی، اس لئے ان کو قرآن و سنت پر پرکھا جاتا ہے۔ ان کے مکاشفات و الہامات غلطی اور قیور یقینی ہونے کی وجہ سے لوگوں پر حجت قاطعہ نہیں ہوتے اور نہ ان پر دوسرے مسلمانوں کو پابند کیا جاتا ہے۔

غیب کی چوتھی قسم آئندہ آنے والے ایسے واقعات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اب تک اس دنیا میں پیدا کیا ہے اور نہ ان اشیاء کے آثار و نشانات کو اس مادی عالم (بطریقہ حاشیہ سفر گذشتہ) ظاہری سے ممکن نہیں۔

یہ بالکل صحیح ہے بلکہ ممکن ہے کہ ایسے اور دوسرے حواس بھی ہیں لیکن بہر حال یہ بھی حواس ہی ہیں جو اس طرح کمزور اور محدود ہیں جن طرح دوسرے حواس ظاہرہ اور اسی طرح خطا پذیر اور متاثر ہو کر والے جس طرح انسان کی دوسری طاقتیں و رذائل کے نتائج میں تعارض اور تناقض نہ ہوتا، اس میں شک و احتمال نہ پیدا ہوتا۔ اور بڑے بڑے اہم مسائل میں خطا اور غلط روی ممکن نہ ہوتی، بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس حواس کے محسوسات اور اس علم کی تحقیقات میں اس سے کہیں زیادہ تعارض و اختلاف ہے جتنا کہ حواس ظاہری کے محسوسات میں واقع ہوتا ہے اور اہل کشف و اشراق کے علوم و تحقیقات میں اتنا تناقض اور تعارض، جن کی نظیر شاید عقلیت میں مل سکے۔

میں بھیجا ہے اور نہ ان کا اور وہ عالم مثال میں ہوا ہے۔ یہ ایسے تکوینی واقعات اور ایسے غیبی تکوینیات ہیں جن پر غیب کے معنی صادق آتے ہیں اور تکوینیات میں سے یہ ایسے غیبی امور ہیں جن کا سوا نے اللہ تعالیٰ کے کسی کو علم نہیں البتہ ایسے آئندہ رونما ہونے والے واقعات کا جزوی علم ضرورت کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندے نبی مرسل کو بذریعہ وحی بتا دیتے ہیں جیسا کہ قیامت کا آنا، حساب و کتاب کا ہونا اور زندگی و موت کے حالات اور دنیا میں آنے والے واقعات کی پیشین گوئیاں، لیکن ایسی صورت میں جب کہ اللہ تعالیٰ ان آلے والی چیزوں کی اطلاع اپنے کسی خاص بندے کو کر دیتے ہیں تو وہ چیزیں غیب نہیں رہتیں بلکہ وہ غیب کی خبریں ہو جاتی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو پیشا دیتے ہیں۔

یہاں شک تو مستور چیزیں بیان ہوئیں جن کا تعلق تکوینیات سے تھا جس کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ ان امور میں سے صرف جزئیات اور بعض واقعات و حالات کا علم اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کسی ذریعے سے ضرورت کے مطابق بتا دیتے ہیں۔ لیکن ان امور غیبیہ کی کلیات اور ان کے تمام علم تک کسی مخلوق کی رسائی ناممکن ہے خواہ ملک ہو یا نبی مرسل جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مجملی ہے۔ وَعِنْدَ الْمَنَافِعِ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبُرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٌ فِي ظُلُمَاتٍ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (الانعام: ۵۹) یعنی اس کے پاس غیب کی چابیاں ہیں (یعنی وہی غیب کے ذخیروں کا مالک ہے) انہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا جو کچھ خشکی

لے تکرینی امور و تمام حالات اور واقعات ہیں جن کا تعلق قیامت سے یا کائنات میں آنے والے واقعات سے ہے مثلاً یہ کہ کون کب پیدا ہوگا، کہاں پیدا ہوگا، کیا کیا کام کرے گا، کتنی عمر ہوگی، عمر کیسے حالات سے گزرے گا وغیرہ۔

کہ جیسے امام مہدی کا آنا، حوالہ آنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ دنیا میں تشریف لانا، دجال کی ہلاکت ان کے ہاتھوں سے ہونا، سورج کا مغرب سے نکلنا وغیرہ۔

میں اور جو سمندر دس میں ہے سب سے وہ واقف ہے، درختوں سے کوئی پتہ نہیں گزرتا مگر وہ (اللہ تعالیٰ) اسے جانتا ہے، زمین کے تاریک پردوں میں کوئی دار نہیں اور کوئی خشک و تر چیز نہیں مگر یہ کہ سب کچھ، ایک کھلی اور واضح کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِشْدُنِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِن كُنتُمْ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ (الانعام آیت ۵۰) یعنی اے پیغمبر آپ ان لوگوں سے کہہ دو میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں نہ یہ کہتا ہوں کہ غیب کا علم رکھتا ہوں نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو فقط اسی بات پر چلتا ہوں جو مجھ پر (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) وحی کی جاتی ہے (اور اس کی طرف تمہیں بھی بلاتا ہوں) پھر ان سے پوچھو کیا اندھا جس کو حقیقت کا کوئی علم و یقین نہیں، اور آنکھوں والا (جو حقیقت کی روشنی دیکھ رہا ہے) دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور نہیں کرتے۔

غیب کی پانچویں قسم وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا اور اس کی پسندنا پسند کا علم حاصل ہوتا ہے۔ احکامات کا علم جس میں عبادت، اعمال، معاملات، معاشرت اور اخلاق غرض پوری زندگی خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، میں اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور غیر مرضیات سے واقفیت حاصل کرنا ہوتی ہے۔ یہ وہ علم ہے جسے کوئی مخلوق انسان وغیرہ خواہ کتنا ہی ذہین و فہیم ہو اس کی ریاضت اور روحانیت کا پایہ کتنا بلند ہو اس کا بالکل کنساروشن ہو اسے ٹکس جان سکتا نہ اپنے حواس سے ذوق شعور سے ذہانت سے ذہنی قیاس سے عقل سے ذہن و باطن سے نہ آلات سے البتہ خداوند عالم جو عالم الغیب ہے وہ خود اسے اپنے برگزیدہ بندوں انبیاء و رسل کو عطا فرماتا ہے۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آتا ہے: قُلْ إِن أَدْرَيْتُمْ أَقْرَبُ مِمَّا تَوْعَدُونَ أَمْ لِيَجْعَلَ اللَّهُ لِي آيَةً أَمْ لِيُؤْتِيَ الْغَيْبُ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّا يُسَلِّتُ

مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رُحُودًا (الحج ۱۷۳) یعنی اسے پیغمبر آپ
 ان سے) کہہ دیجئے کہ میں نہیں جانتا کہ جن (عذاب) کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ
 نزدیک ہے یا میرا رب اس کے لئے لمبی مدت مقرر فرماتا ہے وہی عالم الغیب
 ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا مگر جس رسول کو اس کام کے لئے پسند
 فرمائے تو اس کے آگے اور پیچھے محافظ بھیج دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب
 مشرکین مکہ اور کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت اور عذاب کے معین وقت
 بتلائے پراسرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ ان
 سے یہ کہہ دیں کہ قیامت کا آنا وہاں جزا و سزا کا ہونا تو یقینی ہے لیکن قیامت اور
 عذاب کے وقوع کی متعین تاریخ اور مدت کون سی ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم
 ہے۔ اس لئے میں نہیں جانتا کہ وہ روز قیامت اور عذاب قریب آچکا ہے یا میرا رب
 اس کے لئے کوئی دور کی مدت مقرر کرے گا اور اس پر یہ دلیل پیش کی کہ قیامت اور
 عذاب کے معین وقت سے میری یہ خبری اس لئے ہے کہ میں عالم الغیب نہیں،
 بلکہ عالم الغیب ہونا صرف اللہ رب العالمین کی خصوصی صفت ہے اور وہ عالم غیب کلی
 جس سے عالم کائنات کا کوئی ذرہ پوشیدہ نہ ہو جو کہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص
 ہے، کسی کو ایسے غیب پر قبضہ اور قدرت نہیں، جس سے سارے کلیات جزئیات
 اور غیبی امور اس کے معلوم ہو جائیں البتہ جس کو اللہ تعالیٰ منصب رسالت و نبوت
 کے لئے پسند فرماتے ہیں تو اسے اجتہاد و ضرورت امور غیبیہ کی معلومات فراہم کرتے
 ہیں اور ان معلومات غیبی اور خبروں کو محفوظ ترین طریقے سے اپنے بندے کو پہنچا
 دینے کے لئے ان کے نزول کے وقت فرشتوں کا پہرہ اور چوکیاں رکھی جاتی ہیں تاکہ
 وحی الہی ہر طرح کی آمیزش سے محفوظ رہے اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کے علم
 میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی یہاں استخبار الامن التشییعیہ
 کلی اور تمام امور غیبیہ مراد نہیں بلکہ وہ امور غیبیہ اور احکامات شرعیہ مراد ہیں جن
 کا تعلق منصب رسالت اور نبوت سے ہے جیسا کہ اس سے پہلے آیت کریمہ سے یہ

واضح ہے اور اس طرح اس کی اجماع والی آیت میں اس کی وضاحت موجود ہے چونکہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔ لِيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدًّا وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِ اللَّهِ إِلَّا بِمَا مَعْلُومٌ ہو چلے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیئے اور حقیقت میں پہلے ہی ہے، اللہ تعالیٰ ان تمام احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اور اس نے ایک ایک چیز کو گن رکھا ہے۔ یہاں ایک بات یہ بھی یاد رہے کہ منصب نبوت و رسالت کا تعلق چونکہ شریعت و احکام کی تبلیغ سے ہے اس لئے اس کے کچھ کلیات کا علم بقدر ضرورت انبیاء علیہم السلام کو دیا جاتا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس علم کی انتہا کی اور نبوت کو ان پر ختم کیا۔ چنانچہ انہی کلیات سے ہر زمانے میں ان کے وارثین علماء کرام پیش آنے والے واقعات کے احکامات نکال دیتے ہیں اور یہی سلسلہ تا قیامت جاری و ساری رہے گا جس کی وجہ سے نہ کسی نئے نبی کی ضرورت ہے اور نہ اس کے آنے کا امکان۔

پوشیدہ اشیاء کی چند ضروری اقسام کے بیان سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ نحوینیات کا علم ہوا اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کی مرضیات نامرضیات کا علم ہو، سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں اور ان کا علم کلی تو اللہ تعالیٰ نے کسی کو عطا نہیں فرمایا البتہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اور جس قدر چاہتا ہے ضرورت کے مطابق جزوی طور پر اپنے بندوں کو علم عطا فرماتا ہے پھر وہ اپنے علم غیب میں سے احکام شریعیہ تو صرف انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی بتلاتا ہے اور کوئی امور غیبیہ میں سے (جیسا کہ چوتھی قسم میں بتلاتی گئیں) انہیں انہی واقعات اور آئندہ آنے والے حالات کا علم جزئی بھی انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی یا اولیاء کرام کو بذریعہ الہام جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تا ہے عطا فرماتا ہے جو منجانب اللہ تعالیٰ عطا کیا ہوا علم ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لِيَعْلَمَ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِ اللَّهِ إِلَّا

الایضا مثلاً۔ یعنی جو کچھ مخلوقات کے ساتھ ہے وہ اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ اس کے نیچے ہے وہ بھی اس کے علم میں ہے۔ مخلوقات (میں سے کوئی بھی) اس کے علم سے کسی چیز پر بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر یہ کہ جس قدر علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے (صرف آسان ہی علم ان کو ہو سکتا ہے)۔

اسی طرح جب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے رسول کی حیثیت سے پیش کیا تو کفار و مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت پر طعن طرح کے اعتراضات کرنے لگے۔ وہ کہتے تھے کہ کیا رسول ایسا ہوتا ہے جو انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا ہے غرض وہ ہر اس چیز کو دیکھ کر اعتراض کر تے تھے جو لوازمات بشریت اور انسانی زندگی کے لئے ازل سے ضروری ہے، ان کفار و مشرکین کا خیال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا رسول وہی شخص ہو سکتا ہے جو لوازمات بشریت سے مستثنیٰ اور مافوق البشری قوتوں کا مالک ہو، کائنات کا ایک ایک ذرہ اس پر روشن ہو، ماضی اور مستقبل کی کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہ ہو۔ اس لئے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے طرح طرح کی فرمائشیں بھی کرتے تھے۔ چنانچہ وہ کہتے تھے کہ ہم تب مانیں گے اگر آپ ان خشک پہاڑوں کو ہموار اور سرسبز زمین میں تبدیل کر دیں، اس میں ایسے چشمے اُبھنے لگیں جس میں سے ندیاں اُڑ نہریں جاری ہوں وغیرہ وغیرہ۔ نیز وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قسم قسم کے عجیب و غریب بتلانے پر بھی اصرار کرتے تھے تو ان سارے بے ہودہ سوالات اور بے جا فرمائشوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ قُلْ سَأَلْتُ رَبِّي عَنِ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ لِي وَلَا لِبَعْضِ الْأُمَمِ إِلَّا مَا يُؤْتِي الْهَلْ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ (الاحقاف آیت ۱۹) یعنی آپ ان سے کہہ دیجئے میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں اور میں (اپنے عقل و فہم سے) نہیں جان سکتا کہ میرے ساتھ کیا ہونا ہے اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے اور میں صرف ایک صاف صاف ڈرائے خبردار کرنے والا ہوں۔ اس آیت کرمہ کا

مطلب یہ ہے کہ آپ ان کفار و مشرکین سے کہہ دیں کہ میری رسالت و نبوت دنیا کی تاریخ میں پہلا واقعہ نہیں کہ تمہیں خدا کے رسول پہچاننے میں پریشانی ہو بلکہ مجھ سے قبل بہت سے انبیاء و رسل دنیا میں آچکے ہیں، جن میں بعض کو تو تم بھی مانتے ہو اور تم کو ان سے عقیدت بھی ہے، آخر وہ بھی تو انسان و بشر تھے اکھاتے پیتے تھے آخر ان میں سے کون سا رسول ایسا گزرا ہے جس نے اپنے اختیار سے کوئی معجزہ دکھایا ہو یا اس نے باخود اپنے ذاتی علم سے سب کچھ جانا ہو۔ اگر ایسا نہیں اور نہ ہو سکتا ہے تو پھر میری رسالت و نبوت کو پرکھنے کے لئے ایسی نرالی اور لوکھی کسوٹی تم کہاں سے لاتے ہو۔ پھر اس کے بعد مَا أَذْرٰی مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا يَكْذِبُ اللّٰہُ سے رسالت اور نبوت کی حیثیت بتلائی کہ میں اپنی عقل و شعور اور قیاس سے نہ یہ جانتا ہوں کہ آخرت میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جاتے گا اور نہ میں یہ جان سکتا ہوں کہ اس دنیا میں میرا اور مجھ پر ایمان لانے والوں کا اور میری اس دعوت کا انجام کیا ہو گا اور تمہارے ان مظالم اور زیادتیوں کی تمہیں کب اور کیسی سزا ملے گی، غرض دنیا و آخرت کے امور غیبیہ سے متعلق وحی الہی کے بغیر مجھے کوئی علم (جسے یقین کہا جاتا ہے) نہیں خواہ وہ میری ذات سے متعلق ہو یا دوسرے لوگوں، مومنین اور کفار و مشرکین، سے متعلق خواہ وہ معاملہ دنیا کا ہو یا آخرت کا، تفصیلی ہو یا جمالی اس کی مجھے کچھ خبر نہیں، اور یہ امور آخرت و برزخ، جنت و دوزخ، حساب و کتاب، مشرکین و کفار کے لئے سزا اور مومنین کے لئے جزا، سے متعلق یا دنیا میں آئندہ پیش آنے والے واقعات کے بارے میں جو کچھ بیان کرتا ہوں یہ میری عقل، فہم و ذہانت کا اثر نہیں بلکہ امور غیبیہ کے متعلق جو کچھ میں لکھتا ہوں اس کا ذریعہ وحی الہی ہے جو میری طرف بھیجی جاتی ہے۔ اور میں اس کی تبلیغ لے بیٹھتا ہوں نہ یہ دعویٰ کب کیا ہے کہ میں خود بخود سب کچھ جانتا ہوں اور نہ یہ دعویٰ کیا ہے کہ ضروری اختیارات میرے ہاتھ میں ہیں، الوجوب میں نے اس قسم کا دعویٰ نہیں کیا ہے تو آپ کے سوالات اور فرمائشیں بے جا اور بے وزن ہیں کیونکہ عالم الغیب اور تمام اختیارات کا مالک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں اس کی طرف سے جو کچھ مجھے وحی کی جاتی ہے میں اس کی پیروی اور تعمیل کرتا ہوں۔

اور پیروی کرتا ہوں۔

بلاشبک و شہدہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی وہ بتلا دیا ہے جو پوری کائنات میں نہ کسی نبی، مہرسل کو عطا فرمایا ہے اور نہ کسی مقرب فرشتے کو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ رسالت و نبوت کو ختم فرمایا اور آپ پر رسالت و نبوت کے کمالات اور آپ کی شایان شان علوم کی انتہائی۔

حضرت علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ۔
والذی اختارہ ان المہمفی علی نفعی الدر ایتہ من غیر جہۃ الوحی
سواء کانت الدر ایتہ تفہیمیۃ و اجمالیۃ و سواء کان ذالک فی الامور
الدنیویۃ و الاخریۃ و اعتقد انہ صلی اللہ علیہ وسلم لو ینقل من الیہ
حتی اوتی من العلم باللہ تعالیٰ وصفاتہ و مشققاتہ و العلم باشیاء بعد العلم
کمالاً ما لو یؤتہ احد غیرہ من العالمین و لا اعتقد فوات کمال بعدہ
العلم بحوادث و ینویئہ جزئیۃ کعدم العلم بما یصنع زید مثلاً فی بیتہ
و ما یجری علیہ فی یومہ و غلہ و لا اری حسناً قول القائل انہ علیہ الصلوٰۃ
و السلام یعلم الغیب، و استحسن ان یقال بدلہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم
اطلع اللہ تعالیٰ علی الغیب و علمہ سبحانہ ایاہ و نحو ذالک، و فی الآیۃ و
علی من ینسب لبعض الاولیاء علم کل شیء من انکیلیات و الجزئیات
و قد سمعت خطیباً علی منبر المسجد الجامع المنسوب للشیخ عبدالقادر
الکیلی فی قدس سورۃ یوم الجمعۃ، قال با علی صوت یا بازا انت اعلم فی
من نفسی، و قال لی بعض انی لا اعتقد ان الشیخ قدس منسوسہ یعلم کل شیء
منی حتی ماتت مشعرمی، و مثل ذالک ہما لا ینبغی ان ینسب الی رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکیف ینسب الی من سواہ؟ فلیتق العبد ولادہ

ردون الغافی ص ۲۶۸۱ - ۱۰۱ - ۱۰۲ - ۱۰۳ - ۱۰۴ - ۱۰۵ - ۱۰۶ - ۱۰۷ - ۱۰۸ - ۱۰۹ - ۱۱۰ - ۱۱۱ - ۱۱۲ - ۱۱۳ - ۱۱۴ - ۱۱۵ - ۱۱۶ - ۱۱۷ - ۱۱۸ - ۱۱۹ - ۱۲۰ - ۱۲۱ - ۱۲۲ - ۱۲۳ - ۱۲۴ - ۱۲۵ - ۱۲۶ - ۱۲۷ - ۱۲۸ - ۱۲۹ - ۱۳۰ - ۱۳۱ - ۱۳۲ - ۱۳۳ - ۱۳۴ - ۱۳۵ - ۱۳۶ - ۱۳۷ - ۱۳۸ - ۱۳۹ - ۱۴۰ - ۱۴۱ - ۱۴۲ - ۱۴۳ - ۱۴۴ - ۱۴۵ - ۱۴۶ - ۱۴۷ - ۱۴۸ - ۱۴۹ - ۱۵۰ - ۱۵۱ - ۱۵۲ - ۱۵۳ - ۱۵۴ - ۱۵۵ - ۱۵۶ - ۱۵۷ - ۱۵۸ - ۱۵۹ - ۱۶۰ - ۱۶۱ - ۱۶۲ - ۱۶۳ - ۱۶۴ - ۱۶۵ - ۱۶۶ - ۱۶۷ - ۱۶۸ - ۱۶۹ - ۱۷۰ - ۱۷۱ - ۱۷۲ - ۱۷۳ - ۱۷۴ - ۱۷۵ - ۱۷۶ - ۱۷۷ - ۱۷۸ - ۱۷۹ - ۱۸۰ - ۱۸۱ - ۱۸۲ - ۱۸۳ - ۱۸۴ - ۱۸۵ - ۱۸۶ - ۱۸۷ - ۱۸۸ - ۱۸۹ - ۱۹۰ - ۱۹۱ - ۱۹۲ - ۱۹۳ - ۱۹۴ - ۱۹۵ - ۱۹۶ - ۱۹۷ - ۱۹۸ - ۱۹۹ - ۲۰۰ - ۲۰۱ - ۲۰۲ - ۲۰۳ - ۲۰۴ - ۲۰۵ - ۲۰۶ - ۲۰۷ - ۲۰۸ - ۲۰۹ - ۲۱۰ - ۲۱۱ - ۲۱۲ - ۲۱۳ - ۲۱۴ - ۲۱۵ - ۲۱۶ - ۲۱۷ - ۲۱۸ - ۲۱۹ - ۲۲۰ - ۲۲۱ - ۲۲۲ - ۲۲۳ - ۲۲۴ - ۲۲۵ - ۲۲۶ - ۲۲۷ - ۲۲۸ - ۲۲۹ - ۲۳۰ - ۲۳۱ - ۲۳۲ - ۲۳۳ - ۲۳۴ - ۲۳۵ - ۲۳۶ - ۲۳۷ - ۲۳۸ - ۲۳۹ - ۲۴۰ - ۲۴۱ - ۲۴۲ - ۲۴۳ - ۲۴۴ - ۲۴۵ - ۲۴۶ - ۲۴۷ - ۲۴۸ - ۲۴۹ - ۲۵۰ - ۲۵۱ - ۲۵۲ - ۲۵۳ - ۲۵۴ - ۲۵۵ - ۲۵۶ - ۲۵۷ - ۲۵۸ - ۲۵۹ - ۲۶۰ - ۲۶۱ - ۲۶۲ - ۲۶۳ - ۲۶۴ - ۲۶۵ - ۲۶۶ - ۲۶۷ - ۲۶۸ - ۲۶۹ - ۲۷۰ - ۲۷۱ - ۲۷۲ - ۲۷۳ - ۲۷۴ - ۲۷۵ - ۲۷۶ - ۲۷۷ - ۲۷۸ - ۲۷۹ - ۲۸۰ - ۲۸۱ - ۲۸۲ - ۲۸۳ - ۲۸۴ - ۲۸۵ - ۲۸۶ - ۲۸۷ - ۲۸۸ - ۲۸۹ - ۲۹۰ - ۲۹۱ - ۲۹۲ - ۲۹۳ - ۲۹۴ - ۲۹۵ - ۲۹۶ - ۲۹۷ - ۲۹۸ - ۲۹۹ - ۳۰۰ - ۳۰۱ - ۳۰۲ - ۳۰۳ - ۳۰۴ - ۳۰۵ - ۳۰۶ - ۳۰۷ - ۳۰۸ - ۳۰۹ - ۳۱۰ - ۳۱۱ - ۳۱۲ - ۳۱۳ - ۳۱۴ - ۳۱۵ - ۳۱۶ - ۳۱۷ - ۳۱۸ - ۳۱۹ - ۳۲۰ - ۳۲۱ - ۳۲۲ - ۳۲۳ - ۳۲۴ - ۳۲۵ - ۳۲۶ - ۳۲۷ - ۳۲۸ - ۳۲۹ - ۳۳۰ - ۳۳۱ - ۳۳۲ - ۳۳۳ - ۳۳۴ - ۳۳۵ - ۳۳۶ - ۳۳۷ - ۳۳۸ - ۳۳۹ - ۳۴۰ - ۳۴۱ - ۳۴۲ - ۳۴۳ - ۳۴۴ - ۳۴۵ - ۳۴۶ - ۳۴۷ - ۳۴۸ - ۳۴۹ - ۳۵۰ - ۳۵۱ - ۳۵۲ - ۳۵۳ - ۳۵۴ - ۳۵۵ - ۳۵۶ - ۳۵۷ - ۳۵۸ - ۳۵۹ - ۳۶۰ - ۳۶۱ - ۳۶۲ - ۳۶۳ - ۳۶۴ - ۳۶۵ - ۳۶۶ - ۳۶۷ - ۳۶۸ - ۳۶۹ - ۳۷۰ - ۳۷۱ - ۳۷۲ - ۳۷۳ - ۳۷۴ - ۳۷۵ - ۳۷۶ - ۳۷۷ - ۳۷۸ - ۳۷۹ - ۳۸۰ - ۳۸۱ - ۳۸۲ - ۳۸۳ - ۳۸۴ - ۳۸۵ - ۳۸۶ - ۳۸۷ - ۳۸۸ - ۳۸۹ - ۳۹۰ - ۳۹۱ - ۳۹۲ - ۳۹۳ - ۳۹۴ - ۳۹۵ - ۳۹۶ - ۳۹۷ - ۳۹۸ - ۳۹۹ - ۴۰۰ - ۴۰۱ - ۴۰۲ - ۴۰۳ - ۴۰۴ - ۴۰۵ - ۴۰۶ - ۴۰۷ - ۴۰۸ - ۴۰۹ - ۴۱۰ - ۴۱۱ - ۴۱۲ - ۴۱۳ - ۴۱۴ - ۴۱۵ - ۴۱۶ - ۴۱۷ - ۴۱۸ - ۴۱۹ - ۴۲۰ - ۴۲۱ - ۴۲۲ - ۴۲۳ - ۴۲۴ - ۴۲۵ - ۴۲۶ - ۴۲۷ - ۴۲۸ - ۴۲۹ - ۴۳۰ - ۴۳۱ - ۴۳۲ - ۴۳۳ - ۴۳۴ - ۴۳۵ - ۴۳۶ - ۴۳۷ - ۴۳۸ - ۴۳۹ - ۴۴۰ - ۴۴۱ - ۴۴۲ - ۴۴۳ - ۴۴۴ - ۴۴۵ - ۴۴۶ - ۴۴۷ - ۴۴۸ - ۴۴۹ - ۴۵۰ - ۴۵۱ - ۴۵۲ - ۴۵۳ - ۴۵۴ - ۴۵۵ - ۴۵۶ - ۴۵۷ - ۴۵۸ - ۴۵۹ - ۴۶۰ - ۴۶۱ - ۴۶۲ - ۴۶۳ - ۴۶۴ - ۴۶۵ - ۴۶۶ - ۴۶۷ - ۴۶۸ - ۴۶۹ - ۴۷۰ - ۴۷۱ - ۴۷۲ - ۴۷۳ - ۴۷۴ - ۴۷۵ - ۴۷۶ - ۴۷۷ - ۴۷۸ - ۴۷۹ - ۴۸۰ - ۴۸۱ - ۴۸۲ - ۴۸۳ - ۴۸۴ - ۴۸۵ - ۴۸۶ - ۴۸۷ - ۴۸۸ - ۴۸۹ - ۴۹۰ - ۴۹۱ - ۴۹۲ - ۴۹۳ - ۴۹۴ - ۴۹۵ - ۴۹۶ - ۴۹۷ - ۴۹۸ - ۴۹۹ - ۵۰۰ - ۵۰۱ - ۵۰۲ - ۵۰۳ - ۵۰۴ - ۵۰۵ - ۵۰۶ - ۵۰۷ - ۵۰۸ - ۵۰۹ - ۵۱۰ - ۵۱۱ - ۵۱۲ - ۵۱۳ - ۵۱۴ - ۵۱۵ - ۵۱۶ - ۵۱۷ - ۵۱۸ - ۵۱۹ - ۵۲۰ - ۵۲۱ - ۵۲۲ - ۵۲۳ - ۵۲۴ - ۵۲۵ - ۵۲۶ - ۵۲۷ - ۵۲۸ - ۵۲۹ - ۵۳۰ - ۵۳۱ - ۵۳۲ - ۵۳۳ - ۵۳۴ - ۵۳۵ - ۵۳۶ - ۵۳۷ - ۵۳۸ - ۵۳۹ - ۵۴۰ - ۵۴۱ - ۵۴۲ - ۵۴۳ - ۵۴۴ - ۵۴۵ - ۵۴۶ - ۵۴۷ - ۵۴۸ - ۵۴۹ - ۵۵۰ - ۵۵۱ - ۵۵۲ - ۵۵۳ - ۵۵۴ - ۵۵۵ - ۵۵۶ - ۵۵۷ - ۵۵۸ - ۵۵۹ - ۵۶۰ - ۵۶۱ - ۵۶۲ - ۵۶۳ - ۵۶۴ - ۵۶۵ - ۵۶۶ - ۵۶۷ - ۵۶۸ - ۵۶۹ - ۵۷۰ - ۵۷۱ - ۵۷۲ - ۵۷۳ - ۵۷۴ - ۵۷۵ - ۵۷۶ - ۵۷۷ - ۵۷۸ - ۵۷۹ - ۵۸۰ - ۵۸۱ - ۵۸۲ - ۵۸۳ - ۵۸۴ - ۵۸۵ - ۵۸۶ - ۵۸۷ - ۵۸۸ - ۵۸۹ - ۵۹۰ - ۵۹۱ - ۵۹۲ - ۵۹۳ - ۵۹۴ - ۵۹۵ - ۵۹۶ - ۵۹۷ - ۵۹۸ - ۵۹۹ - ۶۰۰ - ۶۰۱ - ۶۰۲ - ۶۰۳ - ۶۰۴ - ۶۰۵ - ۶۰۶ - ۶۰۷ - ۶۰۸ - ۶۰۹ - ۶۱۰ - ۶۱۱ - ۶۱۲ - ۶۱۳ - ۶۱۴ - ۶۱۵ - ۶۱۶ - ۶۱۷ - ۶۱۸ - ۶۱۹ - ۶۲۰ - ۶۲۱ - ۶۲۲ - ۶۲۳ - ۶۲۴ - ۶۲۵ - ۶۲۶ - ۶۲۷ - ۶۲۸ - ۶۲۹ - ۶۳۰ - ۶۳۱ - ۶۳۲ - ۶۳۳ - ۶۳۴ - ۶۳۵ - ۶۳۶ - ۶۳۷ - ۶۳۸ - ۶۳۹ - ۶۴۰ - ۶۴۱ - ۶۴۲ - ۶۴۳ - ۶۴۴ - ۶۴۵ - ۶۴۶ - ۶۴۷ - ۶۴۸ - ۶۴۹ - ۶۵۰ - ۶۵۱ - ۶۵۲ - ۶۵۳ - ۶۵۴ - ۶۵۵ - ۶۵۶ - ۶۵۷ - ۶۵۸ - ۶۵۹ - ۶۶۰ - ۶۶۱ - ۶۶۲ - ۶۶۳ - ۶۶۴ - ۶۶۵ - ۶۶۶ - ۶۶۷ - ۶۶۸ - ۶۶۹ - ۶۷۰ - ۶۷۱ - ۶۷۲ - ۶۷۳ - ۶۷۴ - ۶۷۵ - ۶۷۶ - ۶۷۷ - ۶۷۸ - ۶۷۹ - ۶۸۰ - ۶۸۱ - ۶۸۲ - ۶۸۳ - ۶۸۴ - ۶۸۵ - ۶۸۶ - ۶۸۷ - ۶۸۸ - ۶۸۹ - ۶۹۰ - ۶۹۱ - ۶۹۲ - ۶۹۳ - ۶۹۴ - ۶۹۵ - ۶۹۶ - ۶۹۷ - ۶۹۸ - ۶۹۹ - ۷۰۰ - ۷۰۱ - ۷۰۲ - ۷۰۳ - ۷۰۴ - ۷۰۵ - ۷۰۶ - ۷۰۷ - ۷۰۸ - ۷۰۹ - ۷۱۰ - ۷۱۱ - ۷۱۲ - ۷۱۳ - ۷۱۴ - ۷۱۵ - ۷۱۶ - ۷۱۷ - ۷۱۸ - ۷۱۹ - ۷۲۰ - ۷۲۱ - ۷۲۲ - ۷۲۳ - ۷۲۴ - ۷۲۵ - ۷۲۶ - ۷۲۷ - ۷۲۸ - ۷۲۹ - ۷۳۰ - ۷۳۱ - ۷۳۲ - ۷۳۳ - ۷۳۴ - ۷۳۵ - ۷۳۶ - ۷۳۷ - ۷۳۸ - ۷۳۹ - ۷۴۰ - ۷۴۱ - ۷۴۲ - ۷۴۳ - ۷۴۴ - ۷۴۵ - ۷۴۶ - ۷۴۷ - ۷۴۸ - ۷۴۹ - ۷۵۰ - ۷۵۱ - ۷۵۲ - ۷۵۳ - ۷۵۴ - ۷۵۵ - ۷۵۶ - ۷۵۷ - ۷۵۸ - ۷۵۹ - ۷۶۰ - ۷۶۱ - ۷۶۲ - ۷۶۳ - ۷۶۴ - ۷۶۵ - ۷۶۶ - ۷۶۷ - ۷۶۸ - ۷۶۹ - ۷۷۰ - ۷۷۱ - ۷۷۲ - ۷۷۳ - ۷۷۴ - ۷۷۵ - ۷۷۶ - ۷۷۷ - ۷۷۸ - ۷۷۹ - ۷۸۰ - ۷۸۱ - ۷۸۲ - ۷۸۳ - ۷۸۴ - ۷۸۵ - ۷۸۶ - ۷۸۷ - ۷۸۸ - ۷۸۹ - ۷۹۰ - ۷۹۱ - ۷۹۲ - ۷۹۳ - ۷۹۴ - ۷۹۵ - ۷۹۶ - ۷۹۷ - ۷۹۸ - ۷۹۹ - ۸۰۰ - ۸۰۱ - ۸۰۲ - ۸۰۳ - ۸۰۴ - ۸۰۵ - ۸۰۶ - ۸۰۷ - ۸۰۸ - ۸۰۹ - ۸۱۰ - ۸۱۱ - ۸۱۲ - ۸۱۳ - ۸۱۴ - ۸۱۵ - ۸۱۶ - ۸۱۷ - ۸۱۸ - ۸۱۹ - ۸۲۰ - ۸۲۱ - ۸۲۲ - ۸۲۳ - ۸۲۴ - ۸۲۵ - ۸۲۶ - ۸۲۷ - ۸۲۸ - ۸۲۹ - ۸۳۰ - ۸۳۱ - ۸۳۲ - ۸۳۳ - ۸۳۴ - ۸۳۵ - ۸۳۶ - ۸۳۷ - ۸۳۸ - ۸۳۹ - ۸۴۰ - ۸۴۱ - ۸۴۲ - ۸۴۳ - ۸۴۴ - ۸۴۵ - ۸۴۶ - ۸۴۷ - ۸۴۸ - ۸۴۹ - ۸۵۰ - ۸۵۱ - ۸۵۲ - ۸۵۳ - ۸۵۴ - ۸۵۵ - ۸۵۶ - ۸۵۷ - ۸۵۸ - ۸۵۹ - ۸۶۰ - ۸۶۱ - ۸۶۲ - ۸۶۳ - ۸۶۴ - ۸۶۵ - ۸۶۶ - ۸۶۷ - ۸۶۸ - ۸۶۹ - ۸۷۰ - ۸۷۱ - ۸۷۲ - ۸۷۳ - ۸۷۴ - ۸۷۵ - ۸۷۶ - ۸۷۷ - ۸۷۸ - ۸۷۹ - ۸۸۰ - ۸۸۱ - ۸۸۲ - ۸۸۳ - ۸۸۴ - ۸۸۵ - ۸۸۶ - ۸۸۷ - ۸۸۸ - ۸۸۹ - ۸۹۰ - ۸۹۱ - ۸۹۲ - ۸۹۳ - ۸۹۴ - ۸۹۵ - ۸۹۶ - ۸۹۷ - ۸۹۸ - ۸۹۹ - ۹۰۰ - ۹۰۱ - ۹۰۲ - ۹۰۳ - ۹۰۴ - ۹۰۵ - ۹۰۶ - ۹۰۷ - ۹۰۸ - ۹۰۹ - ۹۱۰ - ۹۱۱ - ۹۱۲ - ۹۱۳ - ۹۱۴ - ۹۱۵ - ۹۱۶ - ۹۱۷ - ۹۱۸ - ۹۱۹ - ۹۲۰ - ۹۲۱ - ۹۲۲ - ۹۲۳ - ۹۲۴ - ۹۲۵ - ۹۲۶ - ۹۲۷ - ۹۲۸ - ۹۲۹ - ۹۳۰ - ۹۳۱ - ۹۳۲ - ۹۳۳ - ۹۳۴ - ۹۳۵ - ۹۳۶ - ۹۳۷ - ۹۳۸ - ۹۳۹ - ۹۴۰ - ۹۴۱ - ۹۴۲ - ۹۴۳ - ۹۴۴ - ۹۴۵ - ۹۴۶ - ۹۴۷ - ۹۴۸ - ۹۴۹ - ۹۵۰ - ۹۵۱ - ۹۵۲ - ۹۵۳ - ۹۵۴ - ۹۵۵ - ۹۵۶ - ۹۵۷ - ۹۵۸ - ۹۵۹ - ۹۶۰ - ۹۶۱ - ۹۶۲ - ۹۶۳ - ۹۶۴ - ۹۶۵ - ۹۶۶ - ۹۶۷ - ۹۶۸ - ۹۶۹ - ۹۷۰ - ۹۷۱ - ۹۷۲ - ۹۷۳ - ۹۷۴ - ۹۷۵ - ۹۷۶ - ۹۷۷ - ۹۷۸ - ۹۷۹ - ۹۸۰ - ۹۸۱ - ۹۸۲ - ۹۸۳ - ۹۸۴ - ۹۸۵ - ۹۸۶ - ۹۸۷ - ۹۸۸ - ۹۸۹ - ۹۹۰ - ۹۹۱ - ۹۹۲ - ۹۹۳ - ۹۹۴ - ۹۹۵ - ۹۹۶ - ۹۹۷ - ۹۹۸ - ۹۹۹ - ۱۰۰۰

یعنی میرے نزدیک پسندیدہ قول یہ ہے کہ یہاں ایسی درایت اور جان لینے کی

نفی ہے جو بغیر کسی وحی کے خود بخود ہو، خواہ تفصیلی ہو یا اجمالی، خواہ وہ دنیا کے واقعات سے متعلق ہو یا اس کا تعلق آخرت کے حالات سے ہو اس کے بعد علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ میرا اعتقاد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک دنیا سے انتقال نہیں فرمایا جب تک اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے شئون کا علم نہ دے دیا گیا ہو اور ان اہم اشیاء یعنی دنیا و آخرت میں آئندہ پیش آنے والے اہم واقعات کا علم بھی، جن کا علم کمال سمجھا جاتا ہے، جو پوری کائنات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی دوسرے کو عطا نہیں کیا گیا اور میرا یہ اعتقاد نہیں کہ جزوی واقعات اور حادثات جیسے مثلاً زید اپنے گھر میں کیا کام کرتا ہے اور اس پر آج اور کل کیسے گزرے گی، علم نہ ہونے کی وجہ سے کمال نبوت میں فرق آتا ہے کیونکہ اسی طرح غیبیہ امور کا علم نہ کوئی کمال ہے اور نہ اس کے نہ ہونے سے کمال نبوت میں فرق آتا ہے، (وہ فرماتے ہیں کہ) میں کسی شخص کے اس قول کو اچھا نہیں سمجھتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے اور تقاضائے ادب کی وجہ سے بلا ہرگز ایسا کہنا بھی مناسب نہیں کہ آپ غیب نہیں جانتے تھے، بلکہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی چیزوں پر مطلع کیا تھا یا اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبی امور بتلائے تھے یا اسی طرح کسی دوسرے الفاظ میں کہیں کہ میں بتو بے ادبی کی شان پاتی جاتے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ اختیارات کا مالک ٹھہرا کر ان کے اس فرمانِ عالی کی مخالفت کی جائے کہ لا تتحدونی كما احدث النصارى عيسى بن مريم اقولوا عبد الله، ورسوله وخبیران مجھے حد سے نہ بڑھاؤ جس طرح عیسائیوں نے (حضرت) عیسیٰ کو ربشریت سے خارج کر کے خدا کہہ کر، حد سے بڑھایا تھا (میں لو) مجھے تم اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہنا پھر اس کے بعد علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ان لوگوں کے نظریہ کی تردید ہے جو بعض اولیاء کی طرف تمام کلیات و جزئیات کے علم کو منسوب کرتے ہیں۔ میں نے جامع مسجد جسے شیخ عبدالقادر گیلانی قدس سرہ کی مسجد سے موسوم کیا

جانتا ہے۔ جمہور کے دن اسی مسجد کے منبر پر بیٹھے ہوئے خطیب سے سنا وہ بلند
 آواز سے پکار کر کہہ رہے تھے۔ اسے ہاں آپ (شیخ عبدالقادر جیلانی) میری جان
 پر مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں اور بعض نے مجھ سے کہا کہ میرا اعتقاد یہ ہے کہ شیخ
 عبدالقادر گیلانی، قدس سرہ میرے جسم کی ہر ہر چیز پر علم رکھتے ہیں حتیٰ کہ میرے بال
 کی جڑوں سے بھی ان کو واقفیت ہے تو علامہ اوسنی فرماتے ہیں کہ اس طرح کا
 علم تو ایسا ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منسوب نہیں کرنا چاہیے چہ جائیکہ
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی دوسرے کو۔ تو ایسے کہنے والے ہندسے کو دانتیے
 کہ اس طرح کہنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔

حاصل یہ کہ تمام شعبہ امور کا علم اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیا ہے اور وہی عالم الغیب
 ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض جاہل عوام جب یہ سنتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا
 کوئی عالم الغیب نہیں تو وہ ان کے ساتھ یہ بھی سمجھنے لگتے ہیں کہ معاذ اللہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی غیب کی چیز کی خبر بھی نہیں ہوگی یہ تو نبوت اور رسالت کی نفی
 و انکار ہے حالانکہ غیبی خبر اور غیب میں فرق واضح ہے۔ مگر کوئی آپ کے کان میں
 کوئی راز کی بات کہہ دے تو کیا اس سے آپ عالم الغیب بن گئے بلکہ یہ تو چھپی ہوئی
 خبر ہے جو آپ کو بتلائی گئی۔ اسی طرح کسی بھی نبی مرسل کو اللہ تعالیٰ کا لاکھوں غیب کی
 چیزوں کا بذریعہ وحی بتلادینا ان کو عالم الغیب نہیں بنا دیتا۔

مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ جن چیزوں کا علم لوگوں کو بعض اسباب اور ذرائع
 سے عادتہ حاصل ہو جاتا ہے غیب نہیں۔ اسی طرح کسی رسول و نبی کو بذریعہ وحی یا
 کسی ولی کو بذریعہ کشف و الہام جو غیب کی کچھ چیزوں کا علم دے دیا گیا وہ علم غیب کی
 حدود سے نکل جاتا ہے اسی طرح جو شخص اسباب و ذرائع، آلات و تجربات و
 مشاہدات اور دلائل سے کوئی علم حاصل کرتا ہے، اس شخص کو عالم الغیب نہیں کہتے
 جیسے ریاضی کے قواعد سے کوئی حساب و مقدار معلوم کرے یا طب، حکمت انبیات
 منطق، فلسفہ، مائوسی ایجادات، ریڈیو، وائرلیس وغیرہ کے ذریعے کوئی چیز معلوم کرے

تو وہ غیب کا جاننے والا نہیں، اسی طرح کشف والہام یا وحی کے ذریعے کسی کو بعض چیزوں کا علم ہو جاتا ہے تو اس علم کو قرآن مجید میں انباء الغیب (یعنی غیب کی خبریں) کہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **يَذْكُرُ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِمْ إِلَيْكَ** یعنی یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جن کو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ عالم الغیب تو وہی ہوتا ہے جس کا علم ہر واسطہ، وسیلہ، سبب، آلات اور دلیل وغیرہ سے بے نیاز ہو اور وہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ پوری کائنات میں ہر مادہ کے رحم میں جو حمل ہو ہر ایک کو بیک وقت جانتا ہے کہ نیک ہو گا یا بد، نیک ہو گا یا بد صورت، نیک بخت ہو گا یا بد بخت، عمر اس کی کتنی ہوگی، غرض مستقبل میں اس پر جو حالات اور عوارضات وارد ہونے والے ہوتے ہیں وہ تفصیل کے ساتھ ان سب کو جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو ان تمام اشیاء کے احوال اور حقائق کا جاننے والا ہے جو کائنات میں کبھی یا اب ہیں یا مستقبل میں ہوں گے غرض اللہ تعالیٰ کو تمام کائنات کا ازل سے اب تک بلا واسطہ ہر چیز کا مکمل علم ہے، جملہ کائنات میں جتنے ذرات ہیں ان تمام کی کل تعداد اور وزن سے اس کو واقفیت ہے، ساری دنیا کے سمندروں، دریاؤں وغیرہ میں جتنے قطرے ہیں ان کا شمار اس کے علم میں ہے، ہر بارش کے قطروں اور تمام دنیا کے درختوں کے پتوں کی تعداد اور ان میں ہر ایک لکیروں میں سے کوئی لکیر اس سے کسی وقت مخفی نہیں رہ سکتی، ہر درخت کا ہر پتہ اگرنے سے پہلے اور گرنے کے بعد اور ہر درخت پر لگا ہوا پتہ کتنی مرتبہ اُلٹ پلٹ ہو گا، کب اور کہاں گرے گا اسی طرح ہمیشہ ہمیشہ ہر چیز کو اس کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے حین حیات میں اور اس کے مرنے کے بعد اپنے علم تفصیل سے جانتا ہے۔

لہذا اللہ تعالیٰ کا علم اور دیکھنا ایسا نہیں کہ ایک آن میں ایک یا چند کام ساتھ کر لے یا دیکھ لے اور دیکھ لے، بلکہ دوسری اشیاء پر نظر اور توجہ دے جس طرح انسانوں اور دوسری مخلوقات کا حال ہے۔ مگر ازل سے اب تک کی تمام چیزیں ساری کی ساری اس کے ساتھ ایسی دائمی مستضر ہیں کہ کسی وقت بھی کوئی ذرہ یا کسی مخلوق کا خیال وغیرہ اس سے چھپ نہیں سکتا۔

اس کا علم اور مشاہدہ ہر آن کائنات کے ایک ایک ذرے کو محیط ہے اور کوئی ذرہ اس سے کسی وقت بھی پوشیدہ نہیں ہو سکتا۔ وہ ہر شے کی صفات خواہ کیفیات و زین، مقدار، تعداد، شمار، بلاد واسطہ جانتا ہے۔ وہ ان چیزوں کے جاننے میں کسی واسطے اور آلے کا محتاج نہیں، اور اس کا یہ علم اپنا ذاتی ہے کسی نے اس کو سکھایا نہیں، نیز اللہ کا علم لامحدود اور بے نہایت ہے۔ تمام مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے جو علم دیا ہے وہ مقدر اور محدود ہے، اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ عالم تھے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے وہ علوم عطا فرمائے جو کسی مقدس نبی، مقرب فرشتے بلکہ تمام مخلوقات میں سے کسی کو عطا نہیں کئے گئے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اس کے حقوق اور قانون کا علم، ماضی، مستقبل کے لاکھوں واقعات، برزخ و قبر کے حالات، جنت، دوزخ اور آخرت کا علم غرض وہ تمام علوم جو آپ کی شایان شان تھے عطا کئے گئے لیکن پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم، تمام انبیاء علیہم السلام فرشتے، جن وانس اور تمام اولین، آخرین کو جتنا علم عطا کیا گیا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے علم محیط سے کوئی نسبت نہیں۔ صحیح بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک چڑیا کو دریا کے کنارے پانی پیتے ہوئے دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ما علمی و علمک من علمہ اللہ الا مثل ما انقص ہذا انقص من ہذا البخیر (کتاب التفسیر بخاری باب اکثرت ج ۲ ص ۴۸) اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں میرے اور آپ کے علم کی مثال اس قطرے کی ہے جو اس چڑیا نے اس دریا سے کم کیا ہے۔

یہ مثال محض سمجھانے کے لئے ہے ورنہ مخلوق کے محدود علم کو اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم کے ساتھ کوئی نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی صفت علم پر اس کے دوسرے صفات کمالیہ کو بھی قیاس کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کمالیہ اس کی ذاتی اور لامحدود ہیں، مخلوق میں جو بھی کوئی خوبی و صفت نظر آتی ہے وہ محدود اور صرف اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کی صفات میں سے کسی صفت کا منظر ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کے اجراء میں جس طرح اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات میں کسی کو کسی درجہ میں شریک کرنا شرک ہے۔ اسی طرح یہ بھی شرک ہے کہ اللہ

تعالیٰ کی صفات کے اجراء اور نفاذ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو صاحب اختیار مانا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا ہے اور وہی قادر مطلق متصرف مطلق اور تمام صفات کمالیہ میں بیگانہ ہے۔ لیکن اگر مخلوق جیسے ملائکہ یا ارواح یا کسی انسان یا جن کے بارے میں یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مستقل طور پر کچھ انتظامی امور سپرد کر دیئے ہیں جیسے بارش برسانا یا حقوق الفطرت طریقہ سے نفع و ضرر پہنچانا یا دعا میں قبول کرنا وغیرہ۔ اور یہ ان چیزوں کے نفاذ میں اس طرح خود مختار ہیں جس طرح دنیا کے بادشاہ اپنے ماتحت حکام اور افسران کو کچھ انتظامی اختیارات دے دیتے ہیں اور اس کے بعد وہ حکام ان اختیارات کے اجراء اور استعمال میں خود مختار ہوتے ہیں اور پھر بادشاہ سے پوچھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور نہ اسے خبر ہوتی ہے اس لئے لوگ ماتحت حکام کو خوش کرنے کے لئے ان کو ہدایا دیتے ہیں اور ان کی چال پوئی کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے اختیارات اس کے بارے میں نافذ کریں۔ اس طرح کسی بھی مخلوق کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ اللہ کی صفت کے اجراء و نفاذ میں خود مختار ہیں تو یہ بھی شرک ہے۔

لے مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے انتظامات مثلاً بارش برسانا، مارنا وغیرہ ملائکہ کے سپرد کئے ہیں یہ شرک ہرگز نہیں کیونکہ مسلمان اللہ رب العزت کے سوا کسی اور کے لئے کسی باب میں بھی ذرہ برابر مستقل اختیار ثابت نہیں کرتے ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور حکم کے بغیر کوئی مخلوق کچھ نہیں کر سکتی سچی کہ چٹا بھی اگر کسی کتاب کے علم کے اور اس کے علم کے مطابق کرتا ہے۔ اور یہاں ملائکہ وغیرہ کی حیثیت صرف غلامانہ ہے بیت کوئی شخص اپنے مختلف غلاموں میں کام بانٹ دے کہ جب میں کسی کے لئے پانی دیتے گا تم کروں اس حکم کی تعمیل فلاں غلام کو کہنا ہوگی اور وہ یہ کہانے کے بارے میں آواز دوں تو فلاں غلام اس کام کو مرا بخام دے

اور حقوق میں شرک یہ سب کو خدا ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر جو خاص حقوق عائد ہوتے ہیں ان میں سے کوئی حق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے لئے مانا جاتے۔ مثلاً کسی مخلوق کی محبت اور تحکیم کو اللہ تعالیٰ و تبارک کے برابر سمجھنا یا اس کی اطاعت میں کسی اور کو شریک کرنا جیسے کسی کے لئے ایسا مستقل اختیار ثابت کرنا کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دے سکتا ہے اس کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ صفحات میں آئے گی اسی طرح کسی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک کرنا جیسے سجدہ، رکوع، اندر و نیاز اور قربانی وغیرہ یا کسی مخلوق کو عالم اسباب کی چیزوں سے بالاتر اور اللہ تعالیٰ کا ہم پلہ سمجھ کر اس سے خشکات اور مصائب میں مدد مانگنا یہ سب شرک کی مختلف صورتیں ہیں۔

شرک علی اور ایک شبہ کا ازالہ | مذکورہ بالا بحث سے یہ الجھی بھی دو چیزیں باقی رہ گئی ہیں کہ ہم دنیا میں بہت سی چیزوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مثلاً پانی سے پیاس بجھاتے ہیں اور روٹی سے بھوک دُمچ ہوتے دیکھتے ہیں۔ آگ سے گرمی اور دواؤں سے صحت کا حاصل ہونا نظر آتا ہے۔ علاج کے لئے حکماء اور ڈاکٹروں سے اور کام کاج میں نوکروں یا کارگیروں سے مدد لیتے ہیں۔ اسی طرح غریب و محتاج لوگ امراء اور حکام سے مدد طلب کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کچھ شرک کیوں نہیں؟

البتہ حاشیہ صحت کو دیکھتے ہوئے غرض تعمیل حکم کے لئے مختلف امور پر مختلف مخلوقوں کو لگا دیتے ہیں تاکہ اگر انسانی قوا و نظام باقائدہ چلے تو جب یہ شخص کو زیادہ سب کو فلاں کو اتنی مقدار پانی پہنچا دیا جائے تو پانی والا خادم اور کو فوراً تعمیل کرتا ہے۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کسی ملک کے بار سے یہ یعنی مقدار بارش کا حکم فرماتے ہیں تو بارش کا فرشتہ حکم پہنچاتا ہے۔ اگر حکم کر دے کہ فلاں شخص کی موت فلاں وقت فلاں جگہ واقع ہو تو موت کا فرشتہ اس کا انتظام کرتا ہے۔ اسی طرح کائنات کے دار و نظام و جملہ امور میں اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ ہوتا ہے۔ اس لئے مسلمان بارش پر ملنے سے موت سے بچنے وغیرہ میں صرف اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کرتا ہے کہ بارش برسانے پر امور فرشتہ وغیرہ کو پہنچا دے۔

اس لئے کہ عالم اسباب کی ان اشیاء میں اللہ پاک نے خاصیتیں اور تاثیریں رکھ دی ہیں۔ پانی میں پیاس بجھانے کی تاثیر، آگ میں گرمی اور روشنی کی خاصیت اور دواؤں میں امراض دور کرنے کی قوت۔ ان محاسن اور تاثیروں میں خود ان اشیاء کا کوئی اختیار نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمارے لئے مستقر کر دیا ہے۔ ان چیزوں کی حیثیت ہمارے لوگوں کی سی ہے اور ان سے کام لینا ایسا ہی ہے جیسے ہم اپنے جانوروں یا اوزار و مصنوعات سے کام لیتے ہیں۔ ان سے کام لینے میں شرک کی کوئی وجہ نہیں۔

پھر جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی قابلیت دے رکھی ہے جس کے ذریعے وہ دوسرے انسانوں کو کوئی فائدہ یا امداد پہنچا سکتے ہیں مثلاً حکیم یا ڈاکٹر، امیر یا حاکم یا کاریگر وغیرہ ان کے بارے میں ہر سلیم العقل آدمی جانتا ہے کہ ان میں کوئی غیبی طاقت نہیں ہوتی، اور ان کے قبضہ میں کچھ نہیں ہوتا۔ اور یہ کہ وہ بھی ہماری ہی طرح اللہ کے محتاج بندے ہیں۔ بس بات اتنی سی ہے کہ اللہ نے اس عالم اسباب میں انہیں اس قابل بنا دیا ہے کہ ہم ان سے کسی ضروری کام میں مدد لے سکتے ہیں۔ پس ان سے مدد حاصل کرنے یا کام لینے میں شرک کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ شرک تو تب ہوتا ہے جب کسی کو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ظاہری اسباب کے سلسلہ سے بالاتر یعنی غیبی طور پر اپنے ارادہ اور اختیار سے کار فرما اور متصرف سمجھا جائے۔ پھر اسی عقیدہ کی بناء پر اس سے اپنی حاجتوں میں مدد مانگی جائے اور اسے راضی کرنے کے لئے اس کی عبادت کی جائے اور ایسے شرک عظیم کو شرک جلی کہتے ہیں۔

معجزات و کرامات صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں | بلاشبہ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے ایسے

کام عالم وجود میں آتے ہیں جو عام انسانوں کی قدرت سے باہر ہوتے ہیں جنہیں معجزات کہا جاتا ہے، اسی طرح اولیاء اللہ سے بھی بعض اوقات ایسے بہت سے کام صادر ہوتے ہیں جو خلاف عادت ہوتے ہیں۔ ان کو کرامات کہتے ہیں جس سے سرسری نظر

تے دیکھنے والوں کو یہ ملاحظہ لگ جاتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کاموں کی قدرت و اختیار انہیں سپرد نہ کرتا تو ان کے باطنوں سے کیسے یہ کام وجود میں آتے جس سے وہ ان انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کے لئے ایک درجے میں مختار ہونے کا عقیدہ بنا لیتے ہیں اس لئے مناسب یہ ہے کہ معجزہ و کرامت کی حقیقت بیان کی جائے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ معجزات و کرامات بھی صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت و اختیار سے وجود میں آتے ہیں۔

معجزہ کی حقیقت | معجزہ لغت میں عاجز کر دینے والی چیز کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح میں معجزہ ایسے عمل کو کہتے ہیں جو کسی پیغمبر سے بغیر کسی سبب طبعی کے عالم وجود میں آئے اور اگر ایسا کوئی کام ولی اللہ کے ذریعے وجود میں آئے تو اسے کرامت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو معجزے دے کر لوگوں کو اپنے احکامات کی طرف بلائے پر مامور فرماتے اور ان معجزات سے مقصود ان کی رسالت و نبوت کی تصدیق کرنا ہوتا ہے کہ جو کام عام آدمی نہ کر سکے وہ انبیاء علیہم السلام سے ظاہر ہوتا کہ عوام سمجھ لیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہے اس کو اللہ تعالیٰ کا رسول ماننا اور اس کے بتلاتے ہوئے عقیدے کے مطابق اور اس کی لائی ہوئی تعلیمات پر عمل کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے حکم کی تعمیل ہے اور جو منکر حق اسے نہ مانتے ہوں ان پر حجت تمام ہو اور وہ مستحقین عتاب بن جائیں۔

پچھلے انبیاء علیہم السلام کو عموماً وہ معجزے دیتے گئے جو عملی اور مشاہدہ نظر آنے والے یعنی عملی اور مشاہدہ کی صورت میں ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ختم ہو جاتے ہیں اور یہ ظاہر علی معجزہ ایسا ہے جو قیامت تک ہر وقت میں ہر شخص پر حجت تمام ہے مثلاً عصا اور یہ بیضا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت و نبوت کی دلیل تھے لیکن ان کے تشریف لے جانے کے بعد وہ موجود نہیں لیکن قرآن مجید ہر وقت پکارا کہ اعلان فرماتا ہے کہ جو یہاں کلام پیش کر دو ورنہ تجھ پر ایمان لاؤ اس کی مذہب تفصیل کے لئے کتاب دسبریت سے اسلام تک باب خفایت اسلام کو ملاحظہ کیجئے۔

والے تھے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دہکتی ہوتی آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی غیر مضر ہو جانا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور یہ بیضا، وغیرہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مادر زاد نابینا اور کورہوں کو تندرست کر دینا، مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام انسانوں کے لئے ہے، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں ایک طرف ہزاروں عملی اور مشاہد معجزات دیئے گئے، جس کی وجہ سے عہد مبارکہ میں مسلمانوں کا ایمان و یقین پختہ اور غیر متزلزل ہو کر قدسیوں کی ایک ایسی عظیم جماعت تیار ہوئی جن کے ایمان میں شک کرنا بلکہ ان پر تنقید کرنا چاند پر تھوکنے کے مترادف ہے تو دوسری طرف رہتی دنیا تک تمام انسانوں کے لئے ایک ایسا کلام علمی معجزہ (قرآن مجید) عطا فرمایا جو لاکھوں علمی اور مشاہد معجزوں سے بڑھ کر ہے جو بیک وقت عقل اور دل دونوں پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس کی حقانیت پر دلائل پیش کرنے کی مثال سورج کے روشن ہونے پر دلائل قائم کرنا ہے اور یہ ایک ایسا کلام ہے جس کی نظیر پیش کرنا انسانی قدرت سے باہر ہے اور قیامت تک کے انسانوں کے لئے پورے قرآن مجید کی نظیر پیش کرنے کی بجائے صرف قرآن مجید کی چھوٹی سی سورت کی مثال پیش کرنے کا چیلنج ہے اور تمام انسانوں کو کٹھن ہو کر بھی اس کی مثال لانے سے قاصر و عاجز ہیں۔

معجزہ کا حکم | ہر خاص، عام کے لئے یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ انبیاء و رسل سے جو معجزات یقینی طور پر ثابت ہیں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کا ٹھنڈا اور غیر مضر ہونا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا اور یہ بیضا، وغیرہ کے معجزے جن کا ثبوت اور دلالت دونوں قطعی اور یقینی ہیں وہ حق ہیں اور ایسے ثبوت کا یقینی ہونا یہ ہے کہ اس امر کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہو یا اس کا علم میں متواتر حدیث شریفہ سے حاصل ہو چکا ہو اور اس کی دلالت کا یقینی ہونا یہ ہے کہ اس کے معنی میں کبھی کوئی ایسا نہ ہو اور نہ اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال ہو پس جو لوگ فی الجملہ معجزات کو مانتے ہیں مگر کسی ایسے واقعہ کا انہو جس سے ان کا معجزہ ہونا یقینی طور پر ثابت نہیں بلکہ اس میں معجزہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

معجزات پر ایمان لانا ان کے وجود اور ان کی حقیقت کا اعتراف کرنا چاہتے ہیں۔
 میں سے کسی ایک کا انکار بھی حقیقت میں اسلام اور قرآن سے انکار ہے۔

یقینی معجزوں کو دائرہ اسباب سے جوڑنے کی مذمت | بعض نام نہاد مسلمان جن کے دماغ پر مغربی دنیا

کی مادہ پرستی اور مادی ترقی اور سائنسی برتری کا بڑا مسلط ہو چکا ہے، وہ قرآن مجید میں مذکور ایسے واقعات جن کا نامور دنیا میں یقیناً بغیر کسی مدجی سبب کے ہوا ہے یعنی ایسے یقینی معجزات کو کسی نہ کسی طرح ایسے واقعات بنانے کی کوشش کرتے ہیں جن کا وقوع اسباب طبعیہ کے تحت ممکن ہو یہ حضرات ایسے واقعات کو عادی واقعات بنانے میں کسی بھی تحریف، تبدیلی سے نہیں چوکتے۔ خواہ ان کو صحیح احادیث کا رد کرنا پڑے یا قرآن کے سیاق و سباق کو چھوڑنا پڑے۔ خواہ قرآن مجید کی دوسری محکم آیات کریمہ کو نظر انداز کرنا پڑے کیونکہ ان حضرات کا رویہ یہ ہے کہ وہ اپنے نظریات کو قرآن، سنت کے مطابق بنانے کی بجائے قرآن، سنت کو اپنے نظریات کے تابع بنانے میں کوشاں رہتے ہیں۔ یہ سب یا تو اس لئے کرتے ہیں کہ ان کو یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ کہیں کوئی روشن خیال انہیں قدامت پسندی کا طعنہ نہ دے دے یا ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح مغربی نظریات سے قرآن، سنت کو ہم آہنگ کیا جائے تاکہ ان سے داد اور دنیاوی مفادات حاصل کریں یا اگر ہم ان سے حسن ظن رکھ کر ان کے بارے میں یہ گمان رکھیں کہ ان کا اس طرز عمل سے مراد یہ ہے کہ اس سے نام نہاد عقلیت پسند اور مستشرقین کے بے ہودہ اعتراضات کا جواب ہو جائے گا تو پھر یہ یقیناً قرآن اور اسلام کے ایسے نادان دوست اور ہمدرد ہیں کہ ان کی دوستی اور ہمدردی دشمنان اسلام کے تعصب، حد اوت سے لاکھوں گنا بڑھ کر خطرناک ہے کیونکہ غیر مسلم کی کھلی مخالفت اور فریب دہی سے عوام کا بچنا اتنا مشکل نہیں جتنا کہ اس ایک شخص سے اور شاید کچھ گروہ سے، اور غیر مجزوم دونوں کا قوی احتمال موجود ہے اس کو وہ دائرہ اسباب سے جوڑ دے تو ایسے شخص کو خواہ مخواہ منکر معجزات و کرامت کہنا بھی صحیح نہیں ہے۔

جو اسلام کا ببادہ اور کھ کر اسلامی عقائد اور اعمال کو مسخ کر دیتا ہو۔

مہجرہ سے انکار کی وجہ | جو لوگ معجزات کے سرے سے قائل نہیں، ان میں

بعض لوگ اگرچہ خدا کو تو مانتے ہیں لیکن ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا فرما کر اس کے نظام کو ایک قانون پر چلا دیا۔ اس کے بعد کائنات کے نظم و تدبیر میں اس کا کوئی دخل نہ رہا۔ وہ الگ تھلک بیٹھ کر ایک بے بس ناشرانہ کی طرح کائنات کو خاموشی سے دیکھ رہا ہے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ اس لئے ایسے لوگ جب کسی خرق عادت واقعہ جو دائرہ اسباب سے ماوراء ہو، کے متعلق سنتے ہیں تو اس کو ایک افسانہ باور کر کے رد کر دیتے ہیں اور اگر کہیں وہ ایسے واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں تو اسے دائرہ اسباب سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں، غرض یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے تفضل کے قائل ہو کر برائے نام ایسے بے اختیار اور بے قدرت خدا کو مانتے ہیں، جو کمزور ترین انسان سے بھی زیادہ لاپرواہ ہے، اختیار ہو، جو درحقیقت خدا کے نہ مانتے کے مترادف ہے۔

اس کے برعکس مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کی تخلیق کی اور ہی قادر مطلق ہے، تمام اختیارات کا مالک صرف وہی ذات ہے وہ کائنات کی تدبیر و انتظام خود کرتا ہے، پوری کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اسی کی مشیت کے تحت ہوتا ہے حتیٰ کہ کسی درخت کا پتہ بھی اس کے اذن کے بغیر جنبش تک نہیں کر سکتا اور اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے تمام اشیاء کو پیدا فرمایا اور ان میں خاصیتیں رکھ دیں، تو جس طرح یہ اشیاء خود اپنے وجود اور بقا میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اسی طرح ان کے خواص بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اپنے نفع و ضرر پہنچانے میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں، اگرچہ ان خاصیتوں کے لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے عام قانون اور معمول یہی رکھا ہے کہ وہ اپنی خاصیتوں پر قائم رہیں مثلاً آگ میں جلا دینے کی خاصیت ہے

یہ مزید تفصیل کتاب دہریت سے اسلام بک میں حاصل فرمائیں۔

اور ایک بکرہ سابقین انبیاء علیہم السلام کے ساتھ پیش آنے والے حالات کو بیان کر کے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وَمَا كَانَ لِرَسُولِكَ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُخْلِفُونَ (المومن آیت ۷۷) یعنی اور کسی رسول کی بھی یہ طاقت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر خود کو کوئی نشانی (معجزہ) لاسکے، پھر جس وقت اللہ کا حکم (نزول عذاب) آچکا ہو حق کے مطابق فیصلہ کر دیا گیا اور اس وقت اللہ کے پیغمبروں کے جھٹلانے والے خسارہ میں پڑ گئے۔

غزوہ بدر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و مشرکین کے لشکر کی طرف ایک مٹھی بھر خاک اور کنکری پھینک دی جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہر لشکر کی آنکھ میں جاگئی اس واقعہ کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ وَمَا مِثَّتْ إِذْ دُفِئَتْ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (الانفال آیت ۱۷) یعنی خاک یا کنکریوں کی مٹھی جو آپ نے پھینکی حقیقت میں آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے یہ مٹھی بھر خاک اور کنکری اگرچہ آپ کے ہاتھ سے پھینکی گئی لیکن اس مٹھی بھر کا اثر کفار و مشرکین کے تمام لشکر کی آنکھوں میں پہنچا دینا اس میں آپ کے عمل کا کوئی دخل نہیں یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا فعل تھا کہ اس نے اپنی قدرت سے ان تمام کاؤٹوں کو دور کر کے ایک لحوت مٹھی بھر خاک اور کنکریوں کو دشمن کے سارے مجمع تک پہنچا دیا اور ان میں سے ہر ایک کی آنکھ میں اس کا اثر پہنچا دیا۔

اسی طرح بہت سی آیات کریمہ اس پر شاہد ہیں کہ کوئی پیغمبر خدا یا کوئی ولی اللہ جب چاہے، جو چاہے معجزہ یا کرامت دکھادے یہ قطعاً کسی کے بس میں نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام سے کفار و مشرکین نے بہت سے متعین معجزات کی فرمائش کی مگر جس معجزہ کو اللہ سبحانه و تعالیٰ نے چاہا اس کو ظاہر کر دیا اور جس کا ظہور نہ چاہا وہ نہیں ہوا۔

فصل معجزات و کرامات اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جو وہیں آتے ہیں ان

کے ظہور میں نہ کسی ولی اللہ کو اختیار ہوتا ہے اور نہ کوئی نبی و رسول اس کے پیش کرنے میں خود مختار ہوتا ہے۔

البتہ انبیاء علیہم السلام کی عظمت و احترام ہم پر لازم ہے کیونکہ معجزات و کرامات کا صدور انبیاء و اولیاء ہی سے ہوا کرتا ہے۔ یہ ان کی صداقت و عظمت ثابت کرنے کے لئے اور ان کی تائید کے لئے ہوتے ہیں۔ انہی کے واسطے سے ان کا ظہور ہوتا ہے اور ان کی وجہ سے ہم تک اللہ تعالیٰ کی رضا کے اعمال اور اللہ تعالیٰ کے احکامات پہنچتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ انبیاء علیہم السلام معجزہ اور جادو میں فرق

واقعات مشاہدہ میں آتے ہیں جو عام عادت کے خلاف ہوا کرتے ہیں۔ بظاہر سحر و جادو سے بھی ایسے ہی آثار و اعمال ظاہر ہوتے ہیں جس کی وجہ سے جنس کم فہم لوگ دونوں میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے جادو گروں کی پیغمبروں جیسی تعظیم کرتے ہیں۔ حالانکہ سحر و جادو اور معجزات و کرامات میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ سحر و جادو، سمریزم، ہینانزم، ٹوٹے ٹوٹے وغیرہ سے جو چیزیں ظہور پذیر ہوتی ہیں وہ سب اسباب طبعیہ کے اندر ہوتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان کے اسباب مخفی ہوتے ہیں جو عام لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتے۔ اس لئے عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کام بغیر کسی طبعی سبب کے ہو گیا۔ حالانکہ ان اشیاء سے ظاہر ہونے والے مشاہدوں کے اسباب اہل فن پر مخفی نہیں ہوتے۔

دائرہ اسباب کی اقسام اس سے یہ بات سمجھ میں آگئی کہ اسباب طبعیہ کی دو قسمیں ہیں، ظاہری اسباب اور مخفی اسباب۔ ظاہری

اسباب سے جو چیزیں ظہور میں آتی ہیں، چونکہ ان کے اسباب ہر کسی پر عیاں ہوتے

لہٰذا کسی انسانی مال یا جان وغیرہ یا اس کے استعمال شدہ کپڑے وغیرہ کے ساتھ کچھ دوسری چیزیں ملا

دیکھتے ہیں اس کو ٹوٹا کر دیکھتے ہیں

ہیں اس لئے یہ چیزیں کسی کے لئے قابل حیرت نہیں ہوا کرتیں۔ مثلاً گندم کا کاشت
 سے گندم کا پودا نکل آنا اور اپنے وقت پر پھلنا، کسی تیز رفتار سواری پر سوار ہو کر
 کسی جگہ جلد پہنچنا۔ یا جہاز میں اڑنا، جو شخص بھی گندم کاشت کرتا ہے وہ گندم حاصل کر
 سکتا ہے یا جو شخص جہاز میں سوار ہوتا ہے وہ طویل مسافت مختصر وقت میں طے
 کر سکتا ہے۔ لیکن اسباب مخفیہ سے جو چیزیں مشاہدے میں آتی ہیں اس کے اسباب
 غامض لوگوں کے علاوہ دوسرے عام لوگوں پر مخفی ہوتے ہیں مثلاً انسانی ایمانات،
 سحر جادو وغیرہ۔ ریڈیو پر آپ تقریر اور خبریں کیسے سنتے ہیں۔ وائٹریس پر بغیر کسی
 تار وغیرہ کے ہزاروں میل دور کی باتوں کو کیوں سنتے ہیں۔ یا مثلاً مسمریزم، ہپناٹزم
 سے کسی کے خیال میں کوئی چیز ڈالنا یا اس کے خیال سے کسی چیز کا آپک لینا۔ تو اس
 کے اسباب اہل فن پر مخفی نہیں ہوتے اور اس سے دفاع کرنے کی تدابیر اور
 طریقے بھی وہ خوب جانتے ہیں۔ اسی طرح اگر شیاطین یا جن کے ذریعے کسی کے
 پاس دور کسی چیز کی خبر پہنچ جائے، تو یہ اس شخص کے لئے تو قابل تعجب بات ہوا
 کرتی ہے جن کو اس کے اسباب معلوم نہ ہوں۔ لیکن اس آدمی کے لئے یہ کوئی قابل
 تعجب بات نہیں جو شیاطین و جن کی حیثیت اور ان کی تیز رفتاری اور ان سے کام
 لینے کی چالیں سیکھ چکا ہو۔ یا کم از کم وہ اس سے باخبر ہو اسی طرح اگر کوئی دوائی لگا
 کر اپنے کو فائز پر فخر کرے آگ کے اندر چلا جائے یا اپنے ہاتھ وغیرہ کو آگ میں داخل
 کر کے پھیر چھ و سالم نکل آئے۔ یہ کام تو ایک عام شخص کو متاثر کر سکتا ہے لیکن
 خواص کو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آگ سے جلنے کی خاصیت نہیں ختم ہو جاتی ہے
 اور نہ اس آدمی کا نہ جلنا کوئی معجزہ یا کرامت ہے۔ بلکہ دواؤں کے اثر سے وہ
 اپنے بدن کو آگ کی تپش سے محفوظ کر لیتا ہے اور جو بھی وہ دوائی استعمال
 کرے گا ایسی چال دکھلا سکتا ہے بخلاف معجزہ و کرامت کے کہ وہ بغیر کسی اسباب
 طبعی کے ہوتا ہے۔ جیسا کہ بغیر کسی سبب کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے
 کی آگ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ٹھنڈی اور غیر معجزہ نازی اور آگ کو براہ راست حکم فرمایا

کوئی تیرا واسا نہ تھا۔ تو وہ جلنے کے باوجود گلستان میں بدل گئی۔ غرض جادو، پہنائی، مسمریزم، ٹوٹے ٹوٹے وغیرہ سے وجود میں آنے والی چیزیں دائرہ اسباب سے الگ کوئی چیز نہیں۔

بلکہ سائنسی مصنوعات کی طرح ان کے اسباب اہل فن کو معلوم ہوتے ہیں جیسے شیاہین و جن کو خوش کر کے ان سے کام لینا ہوتا ہے یا قوت نفسیہ یا حروف و کلمات لکھ کر یا ان کا ورد کر کے اس کا ظہور ہوتا ہے۔ ہر دوسرے لوگ بھی فن سیکھ کر دکھلا سکتے ہیں۔ چونکہ یہ چیزیں اصول و قوانین پر مبنی ہوتی ہیں اس لئے وہ ہر وقت ایسی شہدہ بازیاں دکھلا سکتے ہیں بخلاف نبی و پیغمبر کے کہ ان کا معجزہ کسی اصول و قوانین اور اسباب کی بنیاد پر ظہور پذیر نہیں ہوتا۔ اور نہ یہ ان کا پیشہ ہوتا ہے بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی خاص قدرت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

عوام الناس معجزہ و کرامت اور جادو وغیرہ میں فرق کیسے کریں گے

لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معجزہ و کرامت اور جادو وغیرہ کے فرق کو خواص تو سمجھ سکتے ہیں لیکن عوام جو ان مخفی اسباب سے بے خبر ہیں وہ نبی اللہ، ولی اللہ اور جادو گروں میں فرق کیسے کریں گے۔ کیونکہ معجزہ و کرامت دونوں کی ظاہری صورت تو تقریباً ایک ہی ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح حقیقت کے اعتبار سے معجزہ اور جادو میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور جادو گروں میں ایسے واضح امتیازات رکھ دیئے ہیں جن کی وجہ سے لوگ ان کے دھوکہ دینے سے بچ جاتے ہیں۔ اول یہ کہ معجزہ و کرامت کا صدور ایسے حضرات سے ہوتا ہے جن کا اخلاقی، صداقت، امانت، طہارت و پاکیزگی، اخلاق و اعمال ایسے بلند ہوتے ہیں جن کا سب لوگ مشاہدہ کرتے ہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کی تو عام زندگی اسی طرح آزمائش و امتحانوں کی کسوٹی پر پرکھی گئی تھی۔ لہٰذا حروف و کلمات میں بھی ایسا کچھ تاثرات ہوتی ہیں کسی خاص حرف یا کلمہ کو خاص تعداد میں پڑھنا یا

کھنکھ وغیرہ سے خاص تاثرات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

کو ان کا کوئی شعبہ زندگی ناقص اور قابل اعتراض نہ تھا اور ان کی تمام زندگی میں اخلاق کی بلندی گئی ہوں سے مصومیت اور صداقت و کردار کا کمال لوگوں کے ہاں ایسا مسلم تھا کہ اگر وہ کوئی معجزہ نہ بھی دکھلاتے تب بھی ان کی پیغمبرانہ زندگی جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تحت گزر رہی تھی اور ان کی تعلیمات عقلی و دلائل کی روشنی میں اسی قدر صداقت پر مبنی تھیں کہ وہ راہ حق سے ہٹنے کی ہوتی قوموں کی ہدایت کے لئے ایک نسخہ کیا اور دینی و دنیاوی فلاح کا سبب تھا۔ لیکن اس کے برعکس جادو کا اثر صرف ایسے لوگوں سے ظہور میں آتا ہے جو عام لوگوں سے زیادہ گندہ، نامایک، اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل اور اس کی عبادت سے دور رہتے ہیں اور جو جادو گر گندگی اور ناپاکی میں مبتلا زیادہ بلند جو اس کا جادو اتنا ہی زیادہ متاثر ہوتا ہے تو آخر ایسی حالت میں وہ دوسروں کے لئے کیسے زندگی گزارنے کا نمونہ پیش کر سکتا ہے جس کی اپنی زندگی دوسرے انسانوں بلکہ حیوانات سے زیادہ پست اور گندی ہو۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ معجزہ کا نوٹ لانا کسی بشر کی قدرت سے خارج ہوتا ہے بخلاف سائنسی مصنوعات اور جادو وغیرہ کے کہ اور لوگ بھی اسی طرح فن کو سیکھ کر اسے حاصل کر سکتے ہیں اور اس کا نوٹ پیش کر سکتے ہیں، کوئی ایٹم بم کو بنا سکتا ہے تو دوسرے فن سیکھ کر وہ بھی اسی طرح یا اس سے اعلیٰ بم تیار کر لیتا ہے اسی طرح ایک آدمی نے ریڈیو ایجاد کیا تو ہزاروں لوگوں نے مہارت حاصل کر کے اس سے اعلیٰ ریڈیو تیار کر لیا یہی حال جادو، جیٹ، ٹرین، مسٹریم وغیرہ کا بھی ہے کہ کوئی یہ فن سیکھ کر با اعمال انسانی

تعالیٰ نے انہی پانچ خاص ہندوں اور طبعی اسلام کی نصرت کے لئے معجزات بھی دے دیتے ہیں کہ انہی میں سے کچھ حقیقت ہے کہ سہرا سے زیادہ روشن عقلی و عقلی دلائل کے باوجود عوام کی فطرت کو ذرا بیشتر حق و صداقت کے قبول کرنے کے لئے دلائل سے زیادہ ایسے امور سے جملہ متاثر ہوتی ہے جو عقل کو حیران اور دماغ کو مہلک کر کے ان پر یہ ظاہر کر دے کہ وہ حوائج و خواہشات کے ساتھ نہی کا یہ عمل بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ایسی طاقت رکھتا ہے جس کا مقابلہ انسانی طاقت سے بلا ترہ ہے اور ان کو یہ یقین جو حوائج کے لئے خدا کو اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہے اس لئے یہ جو کچھ بھی کہتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کرتا ہے۔

کی مشق اور اس کے طریقے سیکھ کر دوسروں کی طرح یا ان سے اعلیٰ کام اور شعبہ بازیوں
 دکھلا سکتا ہے۔ کیونکہ ان تمام اشیاء کا طور اسباب طبعیہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور ان
 کے اسباب سے اہل فن کو واقفیت ہوتی ہے اور ہر ایک ماہر فن اپنے سے زیادہ بالکمال
 کو پہچانتا ہے۔ دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں فرعون نے جب اپنے ملک
 کے تمام اعلیٰ ساحروں کو جمع کر دیا تو انہوں نے اپنی لاثیمیاں و درسیاں میدان میں پھینک
 دیں وہ بڑے بڑے سانپ نظر آنے لگے لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ
 کے حکم سے اپنی عصا پھینک دی تو وہ اژدہا بن کر ان کے سارے سانپوں کو نگل گیا اور
 ان کے سحر کو توڑ دیا یہ واقعہ دیکھ کر جادو گروں کو ماہرین فن ہونے کی وجہ سے فوراً یقین آ
 گیا کہ بلاشبہ یہ ان کے فن اور اسباب طبعیہ کے تحت ظہور پذیر ہونے والی چیز نہیں بلکہ
 ناص اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ ہے تو وہ بے ساختہ سجدے میں گر گئے اور بجاتے
 اس طرح کہنے کے کہ ہم نے مان لیا کہ موسیٰ ہم سب سے زیادہ اعلیٰ اور بالکمال جادوگر ہے
 یوں پکار اٹھے کہ ہم اس رب کو مان گئے جس نے پیغمبر کی حیثیت سے موسیٰ و ہارون علیہما
 و علیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا ہے۔

مجذوبہ اور جادو میں ہمارے علماء نے ایک فرق یہ بھی بتلایا ہے کہ نبوت کے
 دعوے کے ساتھ کسی کا جادو چلتا نہیں، لیکن اگر یہ آخری وجہ نہ بھی ہوتی پھر بھی مذکورہ
 بالا دو وجوہ ایسی ہیں کہ جو ایک انسان کے لئے نبی و جادوگر میں فرق کرنے کے لئے کافی و
 شافی ہیں، لیکن یہ بات ایک مسلمہ امر ہے کہ اب تک کسی جادوگر نے پیغمبر ہونے کا دعویٰ

نہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ الیاذ اللہ سائنس اور سحر وغیرہ جیسی چیزیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت
 سے بے نیاز ہو کر از خود متولد ہیں یہ عقیدہ تو ناص کفر ہے کیونکہ تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی مشیت کے
 تحت کام کر رہی ہیں اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو کوئی چیز بھی نہ قائم ہو سکتی ہے اور نقصان بلکہ بیان
 تو مقصود یہ ہے کہ سائنس اور سحر وغیرہ جو مشاہدے سے ظہور میں آتے ہیں ان کا سبب بھی اسباب طبعیہ
 کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن فرق صرف یہ ہے کہ ان کے اسباب ایسے ہیں جو ہماری نظر سے پوشیدہ
 اور اہل فن پر ظاہر ہوتے ہیں

کہ بتاؤ کون تم کو روزی دیتا ہے، زمین و آسمان سے، یا کون کانٹوں اور آنکھوں کا مالک ہے، اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردے سے اور مردے کو زندہ سے اور کون ہے جو اس تمام کارخانہ کائنات کی تدبیر و انتظام کرتا ہے (تو آپ جب ان سے پوچھیں گے، تو وہ اوصاف بول انھیں گے کہ یہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہے سو آپ ان سے کہیے پھر دُرتے نہیں ہو؟

بلکہ مشرکین عرب کے متعلق قرآن شاہد ہے کہ جب وہ لوگ بحری سفر کرتے اور دریا میں طوفان کی صورت پیدا ہو جاتی تو وہ اپنے سب دیوتاؤں کو بھول جاتے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے اور اسی سے اپنی امیدیں لگادیتے وَإِذَا امْسَأَلُوا الصَّخْرَ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ مَلَأَ خُلُوفَ الْإِنْيَاةِ (سورۃ الاسراء آیت ۶۶) یعنی جب تم پر دریا میں فتنہ آتی ہے، جن کو تم پکارتے تھے (سب) بھول جاتے ہو سوائے اللہ کے۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَإِذَا غَشِيَ السَّيْحُ مَوْجَ كَالْظَلَالِ دَعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (سورۃ لقمان آیت ۲۲) یعنی جب ان (مشرکین) کے سر پر سمندر کے موج بادل جیسے آئے (تو پھر) خالص اللہ ہی کے لئے بندگی کو خالص کرتے ہیں۔

بہر حال مشرکین عرب اگرچہ غیر اللہ کی پرستش کرتے تھے مگر یہ بالکل واضح اور یقینی ہے کہ وہ اپنے جھوٹے معبودوں کو خدا یا مثل خدا نہیں سمجھتے تھے، اور اپنے معبودوں کو خدا کی مخلوق و مخلوک مانتے تھے، حضرت عمر ان بن حصین سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد سے پوچھا اے حصین! تم کتنے معبودوں کی پرستش کرتے ہو میرے والد نے جواب دیا سات کی بستخانی الارض و و اجداد فی السماء چھ زمین پر ہیں اور ایک آسمان میں۔ قَالَ فَأَيُّهَا تَعْبُدُ لِرَعْبَتِكَ وَ رَحْبَتِكَ؟ قَالَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ اپنی

رغبت اور خوف کے لئے تم نے کس کو چن رکھا ہے تو انہوں نے جواب دیا
آسمان والے کو۔

حدیث شریف کی کتابوں میں مشرکین کا وہ تلبیہ نقل کیا گیا ہے جو زمانہ جاہلیت
میں حج و عمرہ کے دوران پڑھا جاتا تھا۔ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ۔ لَبَّيْكَ لَا
شَرَّ يَدِكَ لَكَ إِلَّا شَرُّ مَا كَاهُو لَكَ تَعْمَلُهُ وَمَا مَلَكَكَ اللَّهُ فِي تَبَرِّي بَارِكَا
میں حاضر ہوا آپ کا کوئی شریک نہیں مگر وہ جو آپ کی ملکیت میں ہیں آپ ہی ان
کے مالک ہیں اور وہ خود کسی چیز کے مالک نہیں۔

الغرض مشرکین یہ مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کائنات اور اس کی ذات
میں کوئی دوسرا شریک نہیں محبت اور خوف کا تعلق بھی اسی خدا سے واحد لا الہ
آسمانی سے رکھتے تھے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات اور اسباب سے
بالا تر افعال و اشیاء میں دوسروں کو بھی شریک کرتے تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے
کہ اللہ کے قریب ہونے کی وجہ سے بنوں کو بھی بعض اختیارات حاصل ہیں جب
چاہیں بنا قریا بگاڑ کر سکتے ہیں اور اسی بنیاد پر ان کو خوش کرنے کے لئے ان کی
پوجا کرتے تھے عبادت والے اعمال یعنی سجدہ و طواف کرتے اور اپنے بنوں
کے نام ندریں اور غنیمتیں مانتے تھے، ان سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے تھے
انہی غلط و باطل عقائد اور اعمال نے انہیں گمراہ کر کے جہنم کے راستہ پر ڈال دیا تھا۔
پھر ان میں بعض اتنے احمق تھے کہ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھر
کے بتوں اور مورتیوں سے اپنی حاجتیں طلب کرتے اور ان کو عبادت، محبت
اور تعظیم میں اللہ کے برابر قرار دیتے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد
باری تعالیٰ ہے۔ اَتَعْبُدُونَ مَا تَدْعُوْنَ رَاٰیظًاۙ اٰیٰتِۙ ۱۵ یعنی کیا تم مورتیوں
کی پرستش کرتے ہو جن کو تم نے اپنے ہاتھوں سے تراشا اور بنایا ہے۔

بعض مشرک اتنے بے وقوف تو نہیں تھے کہ پتھر کی مورتیوں کی عبادت کرتے
لیکن وہ کچھ حقیقی یا فرضی بزرگ رحوں اور روحانی ہستیوں کو نفع و ضرر کا مالک اور

اپنا حاجت روا تسلیم کرتے تھے عبادت وہ لوگ درحقیقت ان بزرگ ہستیوں کی کرتے تھے لیکن بتوں کو ان کی جلوہ گاہ یا نشانیاں سمجھتے تھے۔ ایسے لوگوں کو آگاہ کیا گیا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَلُكُمْ (انابت ۲۲) بے شک وہ جن کو تم پوجتے ہو وہ تمہاری ہی طرح ہمارے بندے ہیں۔

دوسری جگہ فرمان ربانی ہے۔ اُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمْ اَلْوَسِيْلَةَ اَتَيْتُمُوهَا قُرْبًا وَبِرَّ جُؤُنَ رَحْمَةً وَيَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ (بنی اسرائیل آیت ۵۷) وہ لوگ جن کو یہ (مشرک) لوگ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب تک (قرب، کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ کون سا راستہ اللہ تعالیٰ تک رسائی کے لئے زیادہ نزدیک ہے اور اس کی مہربانی کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

مخلوق خدا کی کئی تعداد اسی طرح سے گمراہ ہو کر تباہ ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خاص و مقرب بندوں اور مقبول بزرگوں کی مورتیاں بنا کر ان کی عبادت میں لگ گئے۔ انسانیت کی پوری تاریخ پر اسی ہلک مرض کے بدخوار موجود ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آج تک اکثر اقوام عالم اسی طرح گمراہ ہو کر کفر کا ایندھن بن گئیں۔ افسوس کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب و منتخب بندے جو مشرک کی بیخ کنی اور توحید کی اشاعت کے لئے مبعوث ہوئے تھے، جنہوں نے دنیا کو توحید کا درس دیا۔ توحید کی تبلیغ کے لئے سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کیں، آروں سے چہرے گئے، آگ میں ڈالے گئے لیکن اُن تک نہ کی، اور ہر حال میں اپنا فرض ادا کیا۔ مخلوق خدا کو مشرک سے باز رکھنے کے لئے پوری پوری کوشش کرتے رہے۔ انہی ہدایگان خدا کو بعد میں آنے والے جابلوں نے خدا کا شریک ٹھہرایا، حضرات انبیاء علیہم السلام صدیقین، شہداء اور صالحین کے بت بنا کر ان کی عبادت کرنے لگے۔

مشرک فی العبادات پر تفصیلی بحث | عبادت کی حقیقت اللہ تعالیٰ نے بعض تعلیمی کام اپنے لئے خاص کر کے

مقرر فرماتے ہیں، جیسے نماز، روزہ، نذر اور منت وغیرہ، ایسے اعمال کو عبادات اور قربات کہتے ہیں، عبادت شریعت کی اصطلاح میں کسی ہستی کو غیبی طور پر نفع و نقصان کا مالک اور حاجت روا سمجھ کر اسے راضی اور خوش کرنے اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لئے انتہائی محبت اور تعظیم کے ساتھ اس کے سامنے بے حد و شدید ترین اشد درجہ عاجزی اور انکسار کے اظہار کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کے سوا کوئی ایسی ہستی یا چیز نہیں جس کی عبادت شرعاً یا عقلاً درست ہو۔

شُرک فی العبادات، شرک کی وہ قسم ہے جس میں انسان زیادہ بتلارہے ہیں عام طور پر رکوع و سجدہ، نذر و منت اور قربانی جیسی عبادات میں اللہ کے ساتھ اوروں کو بھی شریک ٹھہرایا گیا۔

غیر اللہ کو سجدہ حرام ہے | سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ خالق کون و مکان کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ کرنا حرام ہے خواہ وہ عبادت کی نیت سے ہو یا محض تعظیم و تکریم کی نیت سے۔ دونوں صورتیں ابا جماع امت حرام اور ممنوع ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جو عبادت کی نیت سے غیر اللہ کو سجدہ کرے گا وہ تو کافر ہو جائے گا اور جس نے محض تعظیم کے لئے سجدہ کیا، اکثر علماء کے نزدیک اسے کافر تو نہیں کہا جائے گا لیکن از کتاب حرام کا مجرم فاسق کفر اور شرک کے قریب ہوا۔

قرآن مجید میں: **لَا تُسْجِدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَلَا تُسْجِدُوا لِلَّذِي خَلَقَهُنَّ**۔ سجدہ ذکر ہی سورج کو اور نہ چاند کو، اور سجدہ کرو اللہ کو جس نے ان کو بنایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ مروی ہے منور صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کے ساتھ تھے کہ ایک اونٹ نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اللہ کے حکم سے، بطور معجزہ) سجدہ کیا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو درخت اور جانور سجدہ کرتے ہیں، ہم تو

زیادہ محققات ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی (فقط) تعظیم کرو۔ اگر میں کسی کو اجازت دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے (مشکوٰۃ باب عشرۃ الفاء) اسی طرح قیس بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حیرہ (اطراف کوفہ) کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حیرہ والے اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو زیادہ لائق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میری قبر پر تمہارا گزر ہو تو کیا تم میری قبر کو سجدہ کرو گے؟ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا۔

لَا تَفْعَلُوا لَوْلَا كُنْتُ امْرَأًا لَّاحِدًا اِنَّ يَسْجُدَ لِهَ حَادٍ لَا مَوْتَ لِلنَّسَاءِ اِنَّ يَسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِهِنَّ جَعَلَ اللَّهُ لِبَشَرٍ عَلِيَّيْنِ مِنْ حَقِّ (ابوداؤد) کہ سجدہ نہ کرو اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر مردوں کا حق مقرر کیا ہے۔ اسی روایت کو امام احمد نے بھی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ ان احادیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ سجدہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس کے سوا کسی اور کے آگے سر رکھنا ممنوع ہے۔ سجدہ عبادت تو اللہ کے سوا کسی اور کے لئے کسی بھی شریعت اور امت میں حلال نہیں رہا، البتہ تعظیمی سجدہ قدیم شریعتوں میں جائز تھا لیکن شریعت اسلامی میں غیر خدا کے لئے حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی بالاتفاق سجدہ تعظیمی ممنوع اور حرام ہے۔

سجدہ تعظیمی والتحیہ کے بارے میں علماء کی آراء | سجدہ تعظیمی اور سجدہ تحیہ پر اہل اہل الفتن میں ایک

مفصل بحث ہے جس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

امام ابو بکر جصاص حنفیؒ اپنی کتاب احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ سجدہ تعظیمی

حضرت آدم علیہ السلام کے لئے بحکم الہی جاری کیا گیا تھا اور سب سے پہلے اُن کے لئے مشروع ہوا پھر اُن کی امت میں بھی مشروع رہا ہے اور غالباً یہ سجدہ تعظیمی کی مشروعیت برابر باقی رہی یہاں تک کہ یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ان کے بھائیوں نے ان کو سجدہ کیا اور اس زمانہ میں سجدہ غایت تعظیم کیلئے کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ ہماری شریعت میں مخالفہ تعظیماً مشروع ہے اسی طرح دست بوسی بھی بعض علماء کے نزدیک بلاکراہت مشروع اور بعض مکروہ فرماتے ہیں مگر سجدہ کو مشروع شریف نے کبھی کسی حالت میں کسی ذات کے لئے جائز نہیں کیا اور نہ ہو سکتا ہے۔ اور سجدہ تعظیمی کی مطلقاً مانعت احادیث صحیحہ اور صحیحہ سے قطعی طور سے ثابت ہے۔

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں

”اگر یہ سجدہ تعظیم ان چیزوں کو کیا جاوے جن کو سجدہ کرنا خاص کفر کی علامت اور کفار کا شعار ہے جیسے بُت یا پیدل کا درخت یا گنگا جمنایا چاند سورج وغیرہ تو یہ سجدہ تعظیم بھی باجماع امت اور باتفاق علماء کفر و شرک ہے۔ اس کا کہنے والا کافر مرتد ہے۔ اگرچہ اس کا مرتکب نیت عبادت کی نہ رکھتا ہو کیونکہ شریعت کے احکام ظاہر عمل سے متعلق ہیں نہ نیات سے۔ البتہ ممکن ہے وہ عند اللہ سبجائز ہو مگر احکام دنیا کے لحاظ سے اس کا مرتکب کافر شمار ہوگا اور اس کی دلیل یہ ہے علامہ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب الاعلام بقواطع الاسلام میں شرح المواقف سے نقل فرماتے ہیں جو کوئی کہہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو تسلیم کرے اور اس پر ایمان لائے اور بایں جہر آفتاب کو سجدہ کرے تو وہ بالاجماع مؤمن نہیں ہے اس لئے کہ شمس کو سجدہ کرنے سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ مؤمن نہیں اور نہ وہ ایسی حرکت جو بظاہر کفر ہے اختیار کرتا اور ہمارے ہاں حکم باعتبار ظاہر کے ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کے مؤمن نہ ہونے کا حکم دیا گیا ہے ہاں اگر ہم کو یہ امر متحقق ہو جائے کہ وہ سجدہ عبادت کے خیال سے نہیں کرتا اور اس کا اعتقاد یہ نہیں کہ آفتاب

اس کا رب ہے اور اس کا دل ایمان سے بھر پور ہے تو دیکھو اس کو کافر نہیں
 کہا جائے گا، لیکن قضاء اس کو کافر کہیں گے۔ اور تمام معاملات اس کے ساتھ
 وہی کئے جائیں گے جو کفار کے ساتھ کئے جاتے ہیں، نیز کتاب الزواج مصنفہ
 ابن حجر میں ہے کہ جو شخص کو فی ایسا کام کرے کہ جو سوائے کافر کے کسی دوسرے
 سے صادر نہیں ہو سکتا تو وہ شخص کافر کہلائے گا یعنی قضاء نہ کر دیا نہ اگرچہ وہ
 اعلان یا اپنے اسلام کو ظاہر کر رہا ہو جیسے یہودیوں کے کفر میں یہود کے ساتھ ان کے
 طریقے پر زنا وغیرہ ہیں کہ جانا۔

حاصل کلام یہ کہ خدا کے غیر کو سجدہ کرنا عبادت کی نیت و ارادہ سے یا ایسی نیت
 کیفیت سے کہ یہ معلوم ہو کہ عبادت کے طور پر سجدہ کر رہا ہے اگرچہ وہ نیت عبادت
 کا منکر ہو تب بھی اس کا منکب بالاجماع کافر ہے۔

سجدہ تعظیم کی دوسری صورت | دوسرا سجدہ النیہ وہ ہے جس میں قصہ غیر اللہ
 کی عبادت کا نہ ہو اور سجدہ بھی ان اشیاء کی
 طرف نہ ہو جن کو کفار سجدہ کیا کرتے ہیں، اور جن کی طرف سجدہ کرنا شعار کافروں کا
 سمجھا جاتا ہے اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، بعض نے کہا ہے کہ وہ بھی کافر ہے
 اور بعض نے اس کا انکار کیا، لیکن اس پر اتفاق ہے کہ یہ حرام قطعی اور گناہ کبیرہ
 ہے اور اس کا منکب قریب بالکفر ہو جاتا ہے، چنانچہ رد المحتار میں امام زلیخا سے
 منقول ہے اس سجدہ کی وجہ سے کافر نہ ہو گا، کیونکہ اس کی نیت عبادت کی نہیں
 بلکہ تعظیم و تہیہ مقصود ہے، اور امام شمس الاندلسی میں فرماتے ہیں کہ اس سجدہ کی
 وجہ سے بھی کافر ہو جاوے گا کیونکہ غیر اللہ کو سجدہ بہ نیت تعظیم کرنا کفر ہے اور فساد
 ظہیر یہ میں لکھا ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے غواہ کسی نیت و قصہ سے ہو انسان کافر
 ہو جاتا ہے، اور فقیر ابو جعفر فرماتے ہیں کہ جو سلطان اور بادشاہ کو سجدہ عبادت کی
 نیت اور عبادت سمجھ کر کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اسی طرح وہ شخص جس نے سجدہ
 کیا خواہ اس وقت کوئی نیت نہ کی ہو یہ قول جوہر انطاکی میں منقول ہے،

عالمگیری کتاب الکراہتہ میں لکھا ہے کہ جو بادشاہ کو سجدہ بہ نیت تعظیم کرتے اور
زمین کو بادشاہ کے سامنے چومے کافر نہیں ہوتا مگر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے
اور یہی قول مفتی بہ ہے۔

جو لوگ کہ سجدہ بخیر اللہ کو مطلقاً کفر کہتے ہیں تو اس میں ایک جماعت کا مذہب
یہ ہے کہ جیسے سجدہ آفتاب اور بت و غیرہ کو کرنا کفر ہے اسی طرح اپنے آباء و مشائخ
کو مخلوقات میں سے اور اولیاء اللہ کے مزارات کو سجدہ کرنا کفر ہے اسی طرح انخواہ
کسی نیت و ارادہ سے ہو، اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ آباء و مشائخ کے
لئے سجدہ کرنا پہلی امتوں کے لئے جائز تھا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان
کے بھائیوں نے سجدہ کیا تو چونکہ یہ امر مسلم ہے کہ کفر اور اس کے افعال کی اجازت کبھی
کسی مذہب مساوی میں نہیں ہوتی، تو آباء و مشائخ عظام کو سجدہ بطور تعظیم کے کرنا مماثل
و مشابہ سجدہ آفتاب و بت کے نہیں، کیونکہ آفتاب و بت و درخت و غیرہ جن کو
سجدہ کرنا کفار کا شعار ہے ان کی تعظیم کا امر اور ثبوت امام اسلامیہ اور ملحقہ اور ایمان
سماویہ میں کہیں بھی نہیں۔

الغرض چونکہ سجدہ تعظیمی آباء و مشائخ عظام کے لئے ہم سے پہلی شریعتوں
میں مشروع تھا، اگرچہ جاری امت کے لئے حرام قطعی ہو گیا مگر جو سابق کی بنا پر
اس کا فعل کفر ہونا مشتبہ ہو گیا، اور یہ اصول مسلم ہے کہ اگر کوئی شبہ کسی کے کافر
ہونے میں واقع ہو جائے تو اس پر حکم کفر ہونا جاری نہیں کیا جائے گا لہذا جو آباء
یا مشائخ کو سجدہ تعظیمی کرے اس پر حکم کفر نہیں لگایا جائے گا، اگرچہ وہ شخص کافر ہونے
کے قریب ہو جائے، کتاب الاعلام ص ۳۳ ج ۱۳

دین اسلام کی شرک سے حفاظت | جمال الشریاک نے اس امت مرحومہ
کو طرح طرح کی نعمتیں اور فضیلتیں عطا
فرمائیں اور کثرت خیر امت پر فرما کر اس امت کی شان کو دو بالا کیا ہے، اسی طرح اس امت
کے ساتھ نہایت رحمت کا معاملہ فرمایا ہے اور اس امت پر ایسے احکام نازل کئے

ایں جس سے کرامت کی گمراہی سے مکمل حفاظت ہو اور جب کسی چیز کو منوع کرنا منظور ہوا تو اس شے کے لوازمات اور وہ تمام چیزیں حرام کر دی گئیں جو کہ اس شے تک پہنچنے کا ذریعہ ہو سکتی تھیں، مثلاً نازاکو حرام کیا تو اس کے ساتھ ہی اس حرام فعل کی طرف دعوت دینے والی اشیاء کو بھی ناجائز قرار دیا، بہت پرستی حرام کی گئی تو ساتھ ہی جاندار کی تصویر بنانا اور رکھنا یہاں تک کر دیکھنا بھی ناجائز قرار دیا گیا، اور چونکہ آفتاب پرست لوگ سورج کو صبح شام پوجتے تھے لہذا سورج کے نکلنے کے وقت فجر کی نماز اور سورج کے ڈوبنے وقت عصر کی نماز کو منوع قرار دیا، محض اس وجہ سے کہ آئندہ کہیں لوگ یہ خیال نہ کرنے لگیں کہ یہ نمازیں سورج کی تعظیم کے لئے ہیں اور شرک کی برائی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

بلکہ ہماری روشن شریعت میں اس کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ الفاظ میں بھی اہل شرک سے ادنیٰ سی مشابہت پیدا نہ ہوتا کہ کبھی عرصہ دراز کے بعد یہ شرک کا سبب نہ بن جائے۔ اور پہلی امتوں کی طرح یہ امت بھی ہلاک نہ ہو جائے چنانچہ فرمایا کہ غلام اپنے آقا کو یا رب کہہ کر نہ پکارے، اور آقا کو بھی روک دیا گیا کہ وہ اپنے غلام کو یا عبدی کہہ کر آواز نہ دے۔

ان احکام ہی کی برکت سے یہ امت مروجہ باوجود بحیرہ اپنی عمر کی چودھویں صدی ختم کر چکی ہے مگر دین میں زیادتی و نقصان اور شرک و کفر میں بغضِ تعالیٰ ایسی مبتلا نہیں ہوتی جیسے پہلی امتیں، اور اللہ کے وعدے کے مطابق "یٰٰنذِرْهُمْ لَعَلَّہُمْ یَرْجِعُونَ" کی "إِنَّا نَحْنُ نُحْيِیْهِمْ وَنَمِیْتُہُمْ وَنَحْنُ الْمَوْتِی" کے مطابق۔

مکمل حفاظت کی یہ نعمت اس امانت والی امت ہی کے لئے مخصوص ہے پہلی امتوں میں یہ نعمت احکام کے اعتبار سے کمال کی حد تک نہیں تھی، حرام چیزوں کی طرف دعوت دینے والی اشیاء حرام نہ تھیں، چنانچہ ان کے لئے تاشیل اور تصاویر کا استعمال مباح تھا، انہوں نے اس میں زیادتی کی اور ہر نامور انسان کی تصویر کی تعظیم اور عبادت کرنے لگے۔ یہاں تک کہ کفر و شرک میں مبتلا ہو گئے، اس کے علاوہ

بھی ہزار ہا مثالیں اس کی موجود ہیں۔

الفرض اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ تحقیقی اور فنی سجدہ تعظیمی کے بارے میں یہ ہے کہ تعظیمی سجدہ فی نفسہ کفر و شرک نہیں ہے، اسی وجہ سے پہلی امتوں میں جانتے تھے، البتہ کفر و شرک کا ذریعہ ضرور ہے اور صورت میں بھی کفر کا فعل ہے اور اسی وجہ سے یہ سجدہ تعظیمی پہلی امتوں میں اور پہلے زمانے میں شرک کا ذریعہ بن گیا تھا۔ اور وہ لوگ اس کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہو گئے تھے جس کی وجہ سے وہ دنیا میں عذاب الہی میں گرفتار ہوئے اور آخرت میں عیشہ کے عذاب کے مستحق ہوئے۔ پس خداوند قدوس کی بے پایاں رحمت اور لطف و کرم کا تقاضا ہو کہ اس بہترین امت پر انعام کیا جائے اور ہدایت کو ہمیشہ باقی رکھنے اور گمراہی سے نجات کے لئے یہ مناسب ہے کہ کفر و شرک کے ذریعوں کو بھی ناجائز اور ممنوع قرار دیا جائے۔ اگرچہ کسی ذریعہ کا کفر و شرک کے ساتھ دور کا حلق ہو، اسی وجہ سے تعظیمی سجدہ کا جواز منسوخ ہو گیا اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سجدہ تعظیم کو ہمیشہ کے لئے ممنوع قرار دیا گیا۔

الفرض میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے: مَا يَنْفَعُنِي لِبَشِيرٍ أَنْ تَسْجُدَ لِبَشِيرٍ وَلَوْ صَلَّحَ لِبَشِيرٍ أَنْ تَسْجُدَ لِبَشِيرٍ لَا مَرُوتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِي وَجَهًا مِنْ عَظْمٍ حَقَّقَهُ عَلَيْهِمَا۔

اور جو حدیث دس صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہو وہ موافق قول راجح و مختار متواتر ہے۔ لہذا یہ حدیث بھی اعلیٰ درجہ کی متواتر حدیث ہو گئی، اگر کوئی اسے متواتر قیسم نہ کرے تو مشہور ہونے کا منکر نہیں ہو سکتا۔ اور مشہور حدیث سے آیت کریمہ کا نسخ جائز ہے جیسا کہ کتب اصول میں وضاحت کی گئی ہے۔

علاوہ ازیں اجماع امت بھی ہے کہ سجدہ تعظیمی حرام ہے اور کسی امام یا مجتہد یا فقیہ کا زمانہ سلف اور خلف میں اس بارے میں اختلاف مذکور نہیں بلکہ اجماع تام

اس حدیث شریف کے الفاظ اور ترجمہ پہلے گزر چکا ہے۔

اس کی حرمت پر ہے۔

سجدة بیت اللہ | پس اسی اصول کے مطابق بیت اللہ شریف کو بھی سجدہ کرنا کفر ہے۔ درمختار میں ہے **لَوْ سَجَدَ لِلْكَعْبَةِ لَفُسَّهَا كُفْرًا** یعنی اگر کعبہ ہی کو سجدہ کیا تو کافر ہو جائے گا۔

علامہ ابن عابدین المعروف بباشامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: یعنی اگر سجدہ اللہ کو ہو اور کعبہ کی طرف منہ ہو اس کا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور **كَانَ السُّجُودَ لِلْفَتَنِ الْكَعْبَةِ كُفْرًا** یعنی اگر کعبہ ہی کو سجدہ کیا تو یہ کفر ہے۔
(شامی جلد اول کتاب الصلوٰۃ)

اب جب کہ بیت اللہ شریف کے لئے سجدہ ناجائز ہے اور محبوبِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک قبر کے لئے سجدے کی اجازت نہیں تو کسی اور کی قبر کے لئے تو سجدہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ سجدہ یا رکوع تو بہت بڑی بات ہے ایک انسان کو دوسرے انسان کے سامنے جھکنے کی اجازت بھی نہیں دی گئی عالمہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **فِي الزَّاهِدِ الْوَيْلُ فِي السَّلَامِ إِلَى قَرِيبِ الرُّكُوعِ كَالسُّجُودِ** یعنی سلام کرتے وقت رکوع کے قریب جھکنا سجدے کی طرح ہے۔

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے: **إِلَّا نَحْنُ أَوْ السُّلْطَانُ أَوْ الْغَيْرُ بِمَكْرٍ وَلَا لَوْلَا نَهْيُ شَيْءٍ فَعَلَّ الْجَوْنُ كَذَا فِي جَوَاهِرِ الْفَلَاحِ طَيِّبٍ وَتَكْرَهُ إِلَيْنَا عِنْدَ التَّحِيَّةِ وَبِهِ دَرَدَا لَمْ يَكُنْ كَذَا فِي التَّحِيَّةِ تَارِثِي ص ۳۹۹**، یعنی بادشاہ وغیرہ کے لئے بھی جھکنا مکروہ ہے کیونکہ یہ مجوسیوں کے فعل سے مشابہت رکھتا ہے جیسا کہ جواہرِ اخلاطی میں ہے کہ سلام کے وقت جھکنا مکروہ ہے اور اس پر منع وارد ہوا ہے۔

زیارت قبور | بلاشبہ زیارتِ قبور جائز ہے بلکہ مستحب ہے کیونکہ انسان غیرت حاصل کرتا ہے اور آخرت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ دل نرم ہو جاتے ہیں۔ لیکن قبر والے ہی سے کوئی چیز طلب کرنا یا قبر کی طرف رُخ کر کے نماز

پڑھنا، قبر کو ہاتھ وغیرہ لگا کر اپنے بدن پر ملنا، قبر کو بوسہ دینا اور اس کا طواف کرنا وغیرہ
افعال مشرکیت اسلامی میں ناجائز اور ممنوع ہیں۔ علماء حضرات کا فرض ہے کہ حسب
توفیق عوام کو زیارت کرنے کا صحیح طریقہ بتلائیں، نہ یہ کہ جو کوئی بھی کہیں زیارت کے
لئے جاتے اس پر کفر و شرک کے فتوے لگائیں۔ البتہ تا سمجھ اور بے علم لوگوں کو
بے شمار چھوڑ دینا بھی ظلم ہے کہ جو ان کے جی میں آئے کرنے لگیں اور محض قبروں
کو اللہ کے سوا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر سجدے کرنے لگیں اور شرک میں
بتلا ہو جائیں، جیسا کہ مشرکین عرب کو تھے۔ وہ لوگ بعض ہستیوں کے شقائق
پر عقیدہ رکھتے تھے کہ اگرچہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں لیکن ان کا اللہ تعالیٰ سے ایسا
تعلق ہے اور اس کے کارنامہ قدرت میں ایسا عمل و دخل ہے کہ وہ عوام کی تکلیفیں
دور کر سکتے ہیں، دولت، عزت، صحت اور اولاد جیسی چیزیں دے سکتے ہیں پس
ان کو خوش کرنے کے لئے ان کی عبادت اور پرستش کیا کرتے اور ان سے اپنی حاجتیں
پوری کرنے کی درخواستیں کرتے، قرآن پاک نے ان کے اسی عقیدہ کو شرک قرار دیا۔
اللہ ذکر سے کہ ہمارے سادہ لوح عوام ایسے خرافات میں مبتلا ہو جائیں، پھر تو مشرکین
عرب اور ان کے عقیدے میں کوئی فرق باقی نہ رہے گا اور نتیجہ دنیا و آخرت کی تباہی اور
انفسان کے سوا اور کیا ہوگا! (اللہ تعالیٰ عنہم ذلک)

غیر اللہ کے لئے نذر | نذر، منت اور قربانی عبادت میں سے ہیں۔ اور اسی
لئے خاص اللہ ہی کا حق ہیں، اللہ کے سوا کسی کے نام پر
نذر یا منت کا ماننا حرام اور ناجائز ہے۔ نہ ہی غیر اللہ کے نام پر ذبح یا قربانی
کرنا جائز ہے۔ اس قسم کے سارے افعال مشرکانہ اور باطل ہیں، چنانچہ خلاصۃ الفقہاء
صفحہ ۳۷۸ میں ہے۔ النَّذْرُ لِغَيْرِ اللَّهِ خَرَاءٌ لِذَنبِهِ مَوْنٌ أَلْوَامُ الْكُفْرَانِ
هَذَا عِبَادَةٌ وَالْإِبَادَةُ لِغَيْرِ اللَّهِ كُفْرٌ وَغَيْرُ اللَّهِ كُفْرٌ بِمَنْ يَكْفُرُ
کی ایک قسم ہے۔ وہ اس طرح کہ نذر ایک عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت
کفر ہے۔

بھرا الہی اور ردالمحتار میں ہے وَاللّٰهُ لَمْ يَخْلُقْ لِيُجْزَلْ لِقَدِّ عِبَادِهِ
وَالْعِبَادَةُ لَا تَكُونُ لِلْمَخْلُوقِ رِشَائِي بَلْ هِيَ كِتَابُ الصُّومِ یعنی مخلوق کے نام پر نذر ماننا
جائز نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لئے نہیں ہو سکتی۔

غیر اللہ کے نام ذبح قرآن مجید میں چار مقامات پر غیر خدا کے نام ذبح کو حرام
فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔ اِنَّهَا حَرَامٌ عَلَيْكَ

الْمَيْتَةُ وَالْذَّمُّ وَلَحْوُ الْخَنَازِيرِ وَمَا اَهْلُ يَهُدَى لِحَيْثُ اللّٰهِ
اللّٰہ تعالیٰ نے تم پر صرف حرام کیا ہے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جس پر
غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صحیفہ میں درج تھا لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ
رواہ مسلم اللہ کی لعنت ہو اس پر جو غیر اللہ کی نیت سے جانور ذبح کرے۔

شریعت نے اس بارے میں اتنی احتیاط برتی ہے کہ جانور کو ضیافت اور
مہمان نوازی کے علاوہ صرف کسی حاکم اعلیٰ کے سامنے اس کی تعظیم کے طور پر ذبح
کرنے کو حرام قرار دیا ہے اور اس کے کھانے کو ناجائز بتایا ہے (دیکھئے جامع الرموزہ ۱/۴۲۹)
ردالمحتار مجمع الانہر فتاویٰ بزنہ، زبیدی اور بحر الرائق وغیرہ میں یہ مسئلہ صاف اور
تفصیل سے موجود ہے۔

مہمان کے لئے جانور ذبح کرنے میں کوئی اشکال دیا نہیں، کیونکہ یہاں صرف
مہمان کی عزت اور تکریم مراد ہوتی ہے، محض خون بہانا مقصود نہیں ہوتا، اسی طرح
قصاب کا جانور ذبح کرنا گوشت حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے فقط خون بہانا
مقصود نہیں ہوتا، جب کہ حاکم اعلیٰ وغیرہ کے لئے خون بہانا اصل مقصد ہوتا ہے
اور گوشت کا درجہ دوسرا ہوتا ہے، اسی لئے اس کی تعظیم کی خاطر اس کے سامنے
جانور کو ذبح کیا جاتا ہے۔

اب یہ قاعدہ واضح ہو گیا کہ جہاں خون بہانا اصل ہو اور گوشت کا حاصل کرنا
دوسرے درجہ میں ہو تو وہاں غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا حرام ہے اور اگر گوشت کا

حصولِ اسل ہو جس کے لئے خون بہانا ضرورتاً ہو تو یہ جائز اور درست ہے۔

ناجائز یا مشتبہ رسم | اس قاعدہ سے بھی معلوم ہوا کہ چارے ہاں جو رسم و رواج کافی مدت سے چلے آ رہے ہیں کہ کسی سے مخدرت اور معافی مانگنے یا کسی سے امداد و نصرت طلب کرنے کی خاطر اس کے گھر کوئی جانور بکرا وغیرہ لے جاتے ہیں اور اسے اپنے ہاتھوں اس کی چوکھٹ یا گھر میں ذبح کرتے ہیں تو ایسی مذہب کو اگر حرام بھی کہا جائے کم از کم مشتبہ تو ضرور ہے۔ لیکن اب سوال یہ کہ مجرم اپنے ساتھ پیسوں شرفا۔ اور دوسرے لوگوں کو جبر کے طور پر مظلوم اور مجروح کے گھر لے جاتے ہیں تو ان سب کی معافی اور ان کے لئے تکلف کرنے کا بار مظلوم اور مجروح کے سر کیوں مقبوظ دیا جائے۔

اس مشکل کا آسان حل یہ ہے کہ مظلوم اور مجروح کو کوئی جانور بکرا وغیرہ عہدینہ پیش کیا جائے اور مجرم اور جبرگروہ اس کے ذبح کرنے کے تکلف کی بجائے مظلوم فریق کے صوابدید پر چھوڑ دیں، خواہ وہ اس کو اپنے پاس رکھے یا انہی معافوں کی تکریم اور ان کو کھلائے کے لئے ذبح کر ڈالے تو ایسی سورت میں ذبیحہ بلا اشتباہ حلال ہو جائیگا۔ **ایصالِ ثواب** | اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے نام پر اور اللہ ہی کی رضا اور خوشنودی کے لئے عبادت کرے یا نوافل پڑھے، صدقہ و خیرات یا قربانی کرے اس کا ثواب اپنے اقرباء، اساتذہ یا مشائخ کو بخش دے، یہ جائز ہے، ان کو یہ ثواب پہنچ جاتا ہے۔

نذر | اسی طرح اگر کوئی اللہ کے نام پر نذر مانے مثلاً یوں کہے کہ اگر میرا غلام کام ہو گیا تو میں اللہ تعالیٰ کے نام پر نذر کروں گا، بشرطیکہ مذہب میں ہو تو یہ لے اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ اگر میرا غلام کام ہو گیا تو میں اللہ تعالیٰ کے نام پر اتنی رقم یا نقد وغیرہ غلام یا بزرگ یا خاتوا یا مدرسہ وغیرہ کے فقراء پر تقسیم کروں گا اس کا ثواب غلام یا بزرگ کو بخش دے گا تو یہ بھی جائز ہے۔ البتہ اگر کام پورا ہو جانے کے بعد وہ اس متعین فقراء کے بجائے دوسرے فقراء پر تقسیم کر دے تو اس کی نذر پوری ہو گئی اور اس کا ثواب اس شیخ یا بزرگ کو ملے گا۔

نذر بھی جانتے ہے، بلکہ اگر جس شے کی نذر مانگی گئی ہے وہ اس مخصوص آدمی (زید) کو نہ بھی دیں، دوسرے فقرا کو دے دیں، تو بھی جانتے ہے فقہاء کے اقوال میں تفصیل واضح طور پر موجود ہے۔



باب دوم

دست یوسی

باب دوم

دست بوسی یعنی ہاتھ چومنا کسی اللہ والے عالم یا زاہد کے ہاتھ پاؤں چومنے کے بارے میں فقہائے کرام کا کچھ اختلاف ہے بعض کے نزدیک جائز بلکہ مستحسن ہے جب کہ اجس کے نزدیک اگرچہ فی نفسہ جائز ہے لیکن بعض برائیوں کو روکنے کی خاطر منع فرماتے ہیں۔ وہ دوسریوں سے استدلال کرتے ہیں، ایک تو وہ جسے ابن شہر و ابن ماجہ وغیرہ نے نقل کیا ہے دوسری جامع ترمذی کی روایت ہے۔

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الرَّجُلُ وَمَا يَلْقَى أَخَاهُ أَوْ صَدِيقَهُ أَيْتَحَنُّهُ قَالَ لَا، قَالَ أَيْمَلِكُنِي مَدًّا وَيَمَلِكُنِي قَالَ لَا، قَالَ فَيَا خُدُّيْ سَيْدِي وَيُصَافِحُنِي قَالَ أَكْطَرُ. هَذَا أَحَدُ ثَبَاتٍ حَسَنٍ.

الترمذی ج ۲ ابواب الادب حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی شخص اپنے مہمان یا دوست سے ملے اور (تغلیط) جھکے؟ آپ نے فرمایا نہیں! دوبارہ سوال کر کے کہا کہ اسے گلے لگائے اور بوسہ دے؟ فرمایا نہیں! راسخوں نے تفسیر فرمائی کہ اس کا ہاتھ پکڑے اور مصافحہ کرے؟ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاں۔

احادیث و آثار سے جواز دست بوسی

لیکن بعض صحیح احادیث اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے اس کا جواز بلکہ بعض اوقات مستحب ہونا بھی ثابت ہے، چند احادیث و آثار کو پیش کیا جاتا ہے۔

۱۱ ترمذی میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے مدبر منورہ میں آنے کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔ حدیث کے آخر میں وہ فرماتی ہیں کہ ناعفانہ

وَقَبْلَهُ: یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ) کو گلے لگایا اور چُوریا۔
(الترمذی الجواب اللادب)

(۲) سنن ابی داؤد میں عبد القیس کے وفد کے بارے میں حضرت زرارہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو ہم اپنی سواریوں سے بلدی بلدی اترے۔ فَتَقَبَّلَ يَدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجُلًا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا۔

اسی قصہ کو سنن ابی داؤد میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے بھی نقل کیا گیا ہے جس میں ہے کہ قَدْ كُنَّا مِنْ الْيَتَمِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَقَبَّلَنَا يَدَيْهِ یعنی ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا۔

(ابوداؤد کتاب الادب ج ۱۲)

اسی قصہ کو طبرانی نے معجم کبیر اور اوسط میں حضرت مزینہ بنت عبدی اور نافع عبدی رضی اللہ عنہما کی سند سے بھی نقل کیا ہے (کنزانی مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۹۰)

(۳) طبرانی نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب ان کی معافی کے بارے میں آیت نازل ہوئی تو آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے فَاخْذَبْنِي يَدَهُ فَقَبَّلَهَا اور آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک پکڑا اور اسے چُومنا (مجمع الزوائد ص ۴۲ ج ۸)

(۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ أَنَّهُ قَبَّلَ يَدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْرًا نَزَلَ فِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَرَسَتْ۔

(مجمع الزوائد ص ۴۲ ج ۸)

(۵) مجمع الفوائد جلد ۲ صفحہ ۱۴۲ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ

لہ قال الترمذی ہذا حدیث حسن غریب لا یضرب فی من حدیث الترمذی الامین ہذا اللفظ۔

ہذا قال البیہقی وغیرہ یعنی ابن عبد الحیید الغسانی وجہ وضعیف۔

لہ قال البیہقی رواہ ابو یعلی وغیرہ یزید بن ابی زیاد و یحییٰ بن الحدیث و البیہقی رجالہ رجال الصحیح۔

علیہ وسلم کو بوسہ دیا اور موصل کے رہنے والے سے بتایا کہ بڑی نرمی کے ساتھ بوسہ دیا (حیۃ النبی رضی اللہ عنہ ج ۲ ص ۵۸۳)

(۴) حضرت ابولیلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انس بن حنفیہ رضی اللہ عنہ بوسے خوش مزاج شخص تھے آپ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے بات کر رہے تھے اور انہیں ہنسارہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پہلو کو ایک لکڑی سے چھیڑا اس پر انس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدلے لو۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ تو کرتے پھنپھناتے ہیں اور میرے جسم پر لکڑی نہیں تھارہا راوی کہتے ہیں فَرَقَمَ عَنْ قَيْصِهِ فَأَحْضَضَهُ وَجَعَلَ يَتَقَبَّلُ أَشْحَدَ تَوَّابٍ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس مبارک اٹھادی اور انس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپٹ گئے اور آپ کے پہلو کو بوسہ دینا شروع کر دیا اور کہا یا رسول اللہ امیرے ماں باپ آپ پر قربان ہو ہاتھ میں نے تو بدلے سے اسی کام کا ارادہ کیا تھا (مسند رک ج ۲ ص ۲۸۸) اس حدیث کو ابو داؤد نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (دیکھئے ابو داؤد ج ۲ کتاب

الادب باب فی قبلۃ الجسد)

ابن ترمذی و نسائی وغیرہ میں صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو یہودی آئے اور انہوں نے آیات بتیانت کے بارے میں سوال کیا۔ اسی حدیث میں یہ بھی ہے فَتَقَبَّلُوا يَدَيْهِ وَرَجُلَيْهِ وَقَالُوا الشَّهَادَةُ اَتَمَّكَ نَحْنُ کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ہذا حدیث حسن صحیح۔ اس حدیث کو امام ترمذی نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اس (یعنی بوسہ دینے) کے باب میں یزید بن اسود ابن عمر اور کعب بن مالک لہ قال الحاكم ج ۱ ص ۱۰۱ مستدرک صحیح الامام ج ۱ ص ۱۰۱ ووافقه الذہبی فقال صحیح فاخرجه الطبرانی فی الکبیر عن انس بن حنفیہ و شاذلی کنز العمال ج ۲ ص ۲۰۱۔

رضی اللہ عنہم سے بھی روایتیں موجود ہیں (الترمذی الباب الادب)

۸۸) سنن ابی داؤد وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث افک کی روایت ہے کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے میری برأت اور صفائی قرآن مجید میں بھیج دی تو مجھے میرے والدین نے فرمایا کہ قَوْمٌ قَتَلُوا ابْنَتَیْ رَأْسِ النَّبِیِّ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٹھ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو بوسہ دے۔

(البدایہ و کتاب الادب جلد ۲)

۹۱) حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عمر اور ابن جابر رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً البدایہ وغیرہ نے شعبی سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جب جثہ سے لوٹے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ قَالَ تَرَمَا وَ قَبِلَ مَا بَيْنَ حَیْئَتِهِ تَوْحُودِ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گلے لگایا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا (البدایہ و کتاب الادب)

۱۰۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا یَقْبِلُ عُمَانَ بْنَ مَذْهُوٍ وَ هُوَ مِیّتٌ حَتّٰی رَأَيْتُ الدَّمَّ مَوْثِقًا سِیْلًا کہ عثمان بن مظعون کو بوسہ دے دے دے تھے جب کہ وہ وفات پا چکے تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو بہ رہے تھے البدایہ و کتاب الجنازہ ج ۱) اسی قسم کی روایت معاذ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی گئی ہے۔

اور اس حدیث کو امام ترمذی عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کر کے فرماتے ہیں۔
وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ جَابِرٍ وَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللہُ عَنْهُمَا قَالُوا رَأَيْتُ
أَبَا بَكْرٍ قَبِلَ النَّبِیَّ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ دَخَلَ بَيْتَهُ یعنی ابن عباس، جابر اور عائشہ

لے قال البرقی الترمذی فی الباب عن یزید بن الاسود و ابن عمر و کعب بن مالک و فی سنن ابن ماجہ
عن معن بن عسال ان قوما من الیہود و یقولوا ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم و علیہ ابن ماجہ کتاب الادب
لے فی مجمع الزوائد عن معاذ بن ربیعہ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل عثمان بن مظعون
رواہ البزار و اسناد حسن و مجمع الزوائد باب قبل المیت ج ۳ ص ۱۲۰

رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیا جب کہ وہ رحلت فرما چکے تھے، اور آخر میں فرماتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث حسن صحیح ہے۔

علامہ البیہقی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد میں ایک طویل حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رحلت فرمانے کا واقعہ یزید بن ابی بنو س رضی اللہ عنہ کی روایت میں مسند امام غزالی رحمہ اللہ وغیرہ سے نقل کیا ہے جس میں بیان ہے۔

ثُمَّ جَاءَ أَبُو بَكْرٍ فَرَفَعَ الْحِجَابَ فَنَظَرَ إِلَيْهِ فَقَالَ إِنَّا لِلَّهِ وَأَنَا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ
مَا تَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقْدَأُ مِنْ قَبْلِ رَأْسِهِ وَحَدَرَاءَ قَبْلَ
جَبْهَتِهِ ثُمَّ قَالَ وَابْنُ الْأَثَرِ رَفَعَ وَحَدَرَاءَ قَبْلَ جَبْهَتِهِ وَقَالَ وَاصْبِغِيَا
ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَحَدَرَاءَ قَبْلَ جَبْهَتِهِ وَقَالَ وَابْنُ الْأَثَرِ رَفَعَ
اللَّهُ فَرَجَالُ أَحْمَدَ ثِقَاتٍ وَفِي الزَّوَادِ ص ۱۹۲ پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف
لے گئے اور پردہ اٹھایا، آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا اور فرمایا انا للہ وانا
الیہ راجعون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے
سرہانے آکر اپنا منہ جھکا یا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک کو چومنا پھر کہا اے
میرے نبی! پھر اپنا سر اٹھایا اور پھر منہ جھکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک کو
بوسہ دے کر کہا اے میرے خالص دوست! پھر تیسری مرتبہ سر اٹھایا اور پھر منہ جھکا
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور فرمایا اے میرے خلیل!

یہاں تک تو صرف وہ روایات اور واقعات بیان کر دیئے گئے ہیں جن میں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بوسہ دیا یا کسی اور نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چوما۔
اب بعض ایسے واقعات اور آثار پیش کئے جاتے ہیں جن میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم
اور دوسرے سلف صالحین نے ایک دوسرے کی دست بوسی کی ہے اور ان کو کسی
نے منع نہیں کیا ہے۔

(۱۱) حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ الادب المفرد میں حضرت عتبہؓ سے روایت

نے فرمایا ہیں اپنے علماء اور بڑے لوگوں کے ساتھ اسی طرح کرنے کا حکم دیا گیا ہے
یہ سن کر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ذرا مجھے اپنا ماتمخہ تو دکھائیے حضرت ابن
عباس (رضی اللہ عنہ) نے اپنا ماتمخہ نکالا تو حضرت زید نے اس کو چوم لیا اور کہا کہ میں
اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ اسی طرح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۱۶) بیہقی وغیرہ نے غزوہ روم کا طویل واقعہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت
کیا ہے اس میں ہے کہ عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں سمیت لوٹ کر حضرت
محمد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور جب پوری سرگزشت سنائی تو حضرت عمر
رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور ان کے سر کو بوسہ دیا۔

(۱۷) حضرت سفیان ثوری (رحمہ اللہ تعالیٰ) اسے روایت ہے کہ انہوں نے ایک
مجلس میں بیان کیا کہ عالم اور سلطان عادل کی دست بوسی سنت ہے۔ اسی مجلس میں
عبد اللہ بن مبارک موجود تھے وہ کھڑے ہوئے اور ان کے سر کو بوسہ دیا۔

مذکورہ بالا روایات سے یہ بات ابھی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ متقی عالم یا
شیخ کے ماتمخہ کو بوسہ دینا فی نفسہ جائز بلکہ بعض اوقات مستحسن ہے اور حضرت
انصاری کی روایت جس سے مانع معلوم ہوتی ہے، اول تو وہ مذکورہ بالا روایات کو
مسنوخ نہیں کر سکتی کیونکہ اس حدیث کو نا صحیح ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل یا قرینے
کی ضرورت ہے، یہاں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ اور خلفائے راشدین
(رضی اللہ عنہم اجمعین)، اور تابعین تک سے جواز بلا بغیر ثابت ہے۔ دوسرے یہ کہ
خود اسی حدیث میں مانع کا ایک قرینہ موجود ہے وہ یہ کہ سوال ایک عام دست
یا مسلمان کے بارے میں پوچھا گیا ہے کسی متقی عالم یا سلطان عادل کے بارے میں
نہیں، پس یہ مانع خاص صورت میں ہے اور یہ بات بعید از تاویل اور

لے اگرچہ ابن عساکر کنز العمال ص ۳۹۶ ج ۱۲ نے آخر باب بیہقی وابن عساکر کنز العمال ج ۲ ص ۶۱
احیاء الصحابہ ص ۳۱۹ ج ۲ فی جمیع التماثل ملامر عثمان بن علی الزلیعی، وقال سفیان الطوطی فی قبیلۃ العالم
یہ السلطان العادل سنۃ تمام عبد اللہ بن مبارک فقبل رأسہ اتبعیہما فی ص ۵ ج ۶ کتاب الکرامۃ

محض قیاس آرائی نہیں۔

چومنے کے اسباب و محرکات | کیونکہ بوسہ دینے کے مختلف اسباب ہوتے ہیں۔

(۱) نفسانی شہوت سے چہرہ وغیرہ چومنا جو کہ اپنی بیوی یا مہلوہ کنیز کے علاوہ کسی اور کے سارے نعمات امت کے نزدیک ممنوع اور ناجائز ہے۔

(۲) بزرگوار شخصیت کی وجہ سے مثلاً والدین اپنے بچوں کو چومتے ہیں یا کوئی اپنے چھوٹے بھائی وغیرہ کو پیشانی پر بوسہ دیتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے بدن کو بوسہ دینا اور اسی طرح زید بن حارثہ اور جعفر بن ابی طالب کی پیشانی کو بوسہ دینا ثابت ہے یہ بھی بلا اختلاف جائز ہے۔

(۳) تعظیم و تکریم کے لئے علماء و مشائخ کے ہاتھ یا پیشانی کو چومنا بہ سبب ان کے بڑی شرف کے اس کا جواز تو مذکورہ بالا روایات سے ثابت ہی ہے۔

(۴) حصول دنیا کے لئے مثلاً کسی مالدار آدمی یا صاحب اقتدار کے ہاتھوں کو چومنا یا محض رسماً ایک دوسرے کے ہاتھ اور پیشانی کو بوسہ دینا بہ ناجائز اور ممنوع ہے۔

(۵) حکم شریعت کی وجہ سے مثلاً حجر اسود کو بوسہ دینا جو بالاتفاق جائز اور مستون ہے یہ اسباب سمجھ لینے کے بعد یہ بات بآسانی واضح ہو جاتی ہے کہ منع والی حدیث

کو صرف پہلی اور چوتھی قسم پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ خود منع والی حدیث کے راوی حضرت انسؓ کے بارے میں امام بخاری نے الادب المفرد میں نقل کیا ہے کہ حضرت

ابن جردان رضی اللہ عنہ نے انسؓ سے پوچھا کیا تم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھ سے چھوا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں، تو آپؐ نے انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو

بوسہ دیا (الادب المفرد باب تقبیل الید ص ۷۷) اب تو کوئی شک نہیں رہتا کہ ممانعت فقط مذکورہ دو صورتوں کے ساتھ خاص ہے، ورنہ انس رضی اللہ عنہ حضرت ثابتؓ

رضی اللہ عنہ کو کبھی دست بوسی کی اجازت نہ دیتے، پس منع اور جواز، دونوں اقسام کی احادیث میں موافقت اور تطبیق ہو سکتی ہے اور کوئی تضاد یا تعارض باقی نہیں رہتا۔

فقہاء کا مسلک | اسی تاویل کی بناء پر فقہاء اور علماء کرام نے مشائخ و علماء کی دست بوسی کو جائز اور مستحسن قرار دیا ہے چنانچہ علامہ ابو بکر

بن المسعود السکافانی ^(۱) والمتوفی ۵۱۷ھ، بدائع الصنائع صفحہ ۱۲۲ جلد ۵ کتاب الاستحسان اس مسئلے کے بارے میں (مختصر) یوں لکھتے ہیں۔

پو منے اور گلے لگانے میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد نے فرمایا کہ کسی مرد کے لئے دوسرے مرد کے منہ ہاتھ یا کسی اور عضو کو چومنا یا اس سے مخالفت کرنا مکروہ ہے۔ جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک کوئی مخالفت نہیں اور دلیل میں حضرت جعفر بن ابی طالب والی روایت پیش کرتے ہیں کہ جب وہ حبشہ سے واپس ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گلے لگایا اور پیشانی کو بوسہ دیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل کم از کم حلال و مباح ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ روایت کیا گیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سفر سے واپس آتے تو ایک دوسرے کو بوسہ دیتے اور گلے لگاتے آتھے۔ اس کے برعکس ابو حنیفہ اور محمد نے اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا آپس میں ایک دوسرے کو چوما کریں؟ فرمایا نہیں۔ پوچھا گیا کہ ایک دوسرے سے مخالفت کیا کریں کہا نہیں۔ پھر سوال کیا گیا کہ کیا آپس میں مصافحہ کیا کریں تو فرمایا ہاں۔

شیخ ابو منصور (ماتریدنی) نے فرمایا کہ مخالفت اس صورت میں مکروہ ہے جبکہ ایسے طرز پر جو جو شہوت کے ساتھ عریانی کی حالت میں کیا جاتا ہے، لیکن جب اس سے (محض) اکرام اور احسان مقصود ہو تو مکروہ نہیں۔ اور یہی حکم بوسہ دینے کا ہے جو بوسہ شہوت کے بوسہ کی مانند ہو وہ تو ممنوع ہے ورنہ مباح (جائز) ہے اور ابو یوسف نے جن حدیث سے جواز کا قول اختیار کیا وہ اسی صورت پر محمول ہے کہ اس میں شہوت کا خطر یا مشابہت نہ ہو۔

(۲) بحر الرائق میں بحوالہ لودر لکھا ہے کہ عالم اور سلطان عادل کی دست بوسی میں مخالفت نہیں جیسے دسفیان ثوری رحمہ اللہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ عالم

ہوں اجماع اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔

دست بوسی کے جواز پر چند احادیث نقل کر کے آگے فرماتے ہیں کہ الابرہی فرماتے ہیں کہ امام مالک نے جو بوسہ کو مکروہ قرار دیا ہے یہ اس وقت ہے جب کہ تنجر اور بڑائی کی وجہ سے ہو۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لئے ہو یا اس شخص کے علم یا شرافت کی وجہ سے ہو تو یہ جائز ہے۔ آخر میں امام محی الدین نووی رحمہ اللہ کے قول پر ختم کر کے لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ کسی کی دست بوسی اس کے زہد، صلاح یا علم یا شرافت یا صیانت (یعنی خود کو گناہوں سے بچانا، متقی ہونا) یا اسی طرح اور کسی دینی بات کی وجہ سے ہو تو مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے اور اگر دست بوسی اس کی مالداری اور اہل دنیا کے اہل اس کی شان و شوکت اور مرتبہ مقام کی وجہ سے ہو تو یہ شدید ترین مکروہ ہے اور ابوسیدہ متولی فرماتے ہیں کہ جائز نہیں۔

اور در مختار میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر دست بوسی تعظیم اور شرف اسلام اور اگر کی وجہ سے ہو تو جائز اور اگر دنیا کے حصول کے لئے ہو تو مکروہ ہے (دیکھتے ہیں الدر المنثور علی ہامش رد المحتار صفحہ ۲۴۵ جلد ۵)۔

(۷) علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تقبیل کے مسئلہ پر بہت مختصر اور جامع بیان کر کے آخر میں فرمایا ہے: "لیکن یہ سب کچھ جواز اس وقت ہے جب کہ دست بوسی وغیرہ، بطور احسان اور اگر اہم کے ہو اور جب یہ دست بوسی وغیرہ شہوت کی وجہ سے ہو تو میاں بیوی کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں۔"

ان عبارات سے صاف ظاہر ہے بوسہ دینے اور مخالفت میں البوظیفہ اور محمد رحمہما اللہ کا جو اشکاف منقول ہے وہ اسی صورت میں ہے جب کہ یہ افعال ایسے طریقے پر ہوں جس میں شہوت کا خطرہ اور اشتیاء پایا جاسکے اور جہاں یہ صورت نہ ہو اور نہ ہی حصول دنیا یا محض رسم مقصود ہو تو سب کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔

(۱) ایک بیک کو قی شخص دوسرے آدمی سے مسافہ کرنے کے بعد خود اپنے ہی ہاتھ کو چوم لے اس فعل کو فقہائے کرام نے مکروہ اور ناجائز قرار دیا ہے۔

(۲) کسی عالم یا بزرگ کے سامنے زمین کو بوسہ دینا فقہائے کرام اس کو حرام اور ممنوعہ فرماتے ہیں۔ ایسے کام کرنے والا اور اس پر راضی ہونے والا دونوں سخت مجرم اور گنہگار ہیں کیونکہ یہ کام بنوں کے پوجنے اور عبادت کرنے سے مشابہت رکھتا ہے خلاصہ یہ کہ اگر ہاتھ وغیرہ کو بوسہ دینا شہوت وغیرہ کے ساتھ ہو یا کسی جانب میں شہوت پیدا ہو جانے کا خطرہ یا اشتباہ ہو تو بالاتفاق اپنی بیوی یا زغریرہ کینیز کے سوا کسی کے ساتھ جائز نہیں۔

(۳) چھوٹوں پر شفقت و رحم یا متقی علماء اور بزرگوں کے اکرام اور تعظیم کے لئے بوسہ بالاتفاق جائز اور ثابت ہے بشرطیکہ جس کی دست بوسی کی جائے اس کو اس عمل سے تکلیف نہ ہو اور نہ ہی اس کے نفس میں تکبر و عجب پیدا ہوتا ہو ایسی حالت میں دوسری جانب کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ لوگوں کو دست بوسی کا موقع دے۔

(۴) دنیاوی اقتدار اور حصول عزت کے لئے کسی کے ہاتھ پاؤں وغیرہ چومنا ناجائز و ممنوعہ (۵) محض رسم اور عادت کے طور پر بھی درست نہیں اور شائے میں حد سے تجاوز کرنا چاہئے کہ ہر وقت گلے ملنے لگیں یا بوسے دینے لگیں بلکہ کسی کے سفر سے واپسی یا رخصت کے موقع پر یا عرسہ دراز کے بعد ملاقات وغیرہ پر اللہ تعالیٰ و تبارک کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے اور سادگی اور بغیر پابندی و بغیر تکلف کے علماء اور بزرگوں کے ہاتھ یا پیشانی کو بوسہ دینا جائز بلکہ مستحسن ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ۛ

لے وما یقبل الجہال من تقبیل بد نفسہ اذا التقی غیر طہور مکروہ و فطر رخصتہ غیرہ و ما یقبلون من تقبیل الاراق
بین یدی العلماء فخر اہم و الناعل والراضی برأثن لا یشبہ عبادۃ اللہ و ان یتوبین التقائق من ۵ بہ کہ تب
الکون (۱) فی المیزان و الناعل و الراضی و اللہ اعلم بالصواب (۲) فی المیزان و اللہ اعلم بالصواب (۳) فی المیزان و اللہ اعلم بالصواب (۴) فی المیزان و اللہ اعلم بالصواب (۵) فی المیزان و اللہ اعلم بالصواب

باب سوم

قیام تکرمی و تعظیمی

قیام

قیام کی قسمیں | کسی آدمی کے لئے کھڑا ہونا کی چند قسمیں ہیں۔
 (۱) اول: کوئی سفر سے آنے والے کے استقبال کے لئے کھڑا ہو
 یا آنے والے کو کسی چیز کی بشارت یا خوشخبری دینے کے لئے کھڑا ہو
 یا چھری میسبت زدہ کے ساتھ ہمدردی اور تعزیت کی غرض سے۔
 یا جگہ کے تنگ ہونے کی وجہ سے مجبوراً کھڑا ہونا۔
 محبت کی وجہ سے (ایسے شخص کے لئے جس کے ساتھ محبت جائز ہو مثلاً
 مسلمان بھائی۔

اور کشتی کی مدد، اعانت یا خدمت کی نیت سے کھڑا ہونا مثلاً مریض کو سواری
 سے اتارنا چڑھانا یا تمامنا وغیرہ

قیام کی یہ سب صورتیں بالاجماع جائز ہیں، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔
 (۲) قیام کی دوسری قسم: کسی کے آگے ایسے طریقے سے کھڑا ہونا جیسے بھیموں
 کا دستور تھا کہ کوئی بڑا آدمی بیٹھا ہوتا اور اس کے سامنے یا ارد گرد باقی لوگ کھڑے رہتے
 قیام کی یہ صورت بالاتفاق ناجائز اور ممنوع ہے۔

(۳) تیسری قسم: کوئی شخص دل میں یہ چاہت اور خواہش رکھے کہ لوگ اس کے
 لئے کھڑے ہو جائیں، اس کے بارے میں شدید وعید آتی ہے اور بالاتفاق مست
 یہ خواہش اور آرزو ناجائز اور ممنوع ہے۔

(۴) چوتھی قسم: کسی آدمی کے لئے صرف تعظیم و تکریم کے طور پر کھڑا ہونا، اس
 صورت میں علماء کا اختلاف ہے لیکن یہ کوئی لغو و شرک جیسا شدید اختلاف نہیں بلاشبہ

نماز میں کھڑا ہونا عبادت ہے لیکن ہر قسم کا قیام عبادت نہیں ہو سکتا اور نہ ہی قَوْلُہُ اللّٰہِ قَانِتِینَ کھڑے رہنا اللہ کے سامنے اس کے تحت لایا جاسکتا ہے اس لئے کہ نماز کی تمام حرکات و سکنات عبادت ہیں اگر یہ ساری حرکات نماز سے باہر بھی مطلقاً عبادت یا عبادت کے مشابہ سمجھی جائیں تو اس طرح کسی کے سامنے دوزانو ہو کر انجیات کی صورت میں بیٹھنا بھی ناجائز ہوگا۔ حالانکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جبرائیل علیہ السلام آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوزانو ہو کر بادب بیٹھے۔

علماء اور مشائخ وغیرہ کے سامنے دوزانو بادب بیٹھنا کسی کے ہاں بھی ناجائز نہیں، بالاجماع امت جائز ملک مستحب ہے۔

اسی طرح کسی کے سامنے مطلقاً قیام بھی ممنوع نہیں بلکہ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے بہت سی صورتوں میں کسی کے لئے کھڑا ہونا بالاتفاق جائز ملک بعض اوقات مستحب ہے مسلمان بھائی اور مہمان کے اکرام کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اسی طرح اپنے بڑوں، علماء اور مشائخ کی توقیر اور تعظیم کا حکم بھی ملے۔

استرام کا طریقہ | اب ہم کسی کا استرام اور تعظیم کیسے کریں؟ استرام کے دو کیا ہیں؟ شریعت اسلام نے ہمیں ان کے واضح جوابات دیتے رہے۔ جگر روایات کے ظاہری تعارض اور دلائل کی بنا پر علماء میں کچھ اختلاف بھی پایا جاتا ہے اس قسم کے اختلافات کے لئے بھی فقہاء کے ہاں حدود متعین ہوتے ہیں بعض کے

لے فاسد رکبتی الی رکبتیہ وضع کفیه علی فخذیہ... الی آخر الحدیث (رواہ البخاری و مسلم وغیرہما) لے وعن ابن مسعود قال اذا کرم المرء الرجل اخاه فانما یکرّمہ بہ (مجمع الزوائد ص ۱۶ ج ۱) عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیتقی اللہ و لیکرم جارہ و فی روایۃ من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ ثلاث مرات (رواہ احمد مجمع الزوائد) لے عن عبادۃ بن الصامت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس من امتی من لم یجلی کبیرہ الحدیث۔ وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس منّا من لم یوقر الکبیر الحدیث (رواہ احمد مجمع الزوائد ص ۱۶ ج ۱)

ہاں کوئی چیز سنت یا مستحب ہوتی ہے جب کہ دوسروں کے نزدیک وہ واجب یا اس کے برعکس مکروہ وغیرہ ہوتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ فقہائے کرام کے متعینہ حدود سے تجاوز نہ کریں اور ان کے اختلافات کو اپنے حدود کے اندر رہنے دیں۔
الغرض قیام کی چوتھی قسم کے بارے میں علماء کا اختلاف صرف باتر اور مکروہ کی حد تک ہے اور جو لوگ اسے مکروہ فرماتے ہیں وہ مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔

۱۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لَوْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانُوا إِذَا رَأَوْا كَلَوْ يُقِيمُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّ يَمُوتُوا
گواہتِ بِذَلِكَ۔ هَذَا أَحَدُ ثَبَاتٍ حَسَنٌ عَرِيبٌ۔ ترمذی ابواب الادب۔ یعنی صحابہ کرام کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی بھی محبوب نہ تھا اس کے باوجود جب صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کو دیکھتے تو آپ کے لئے کمرے نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند نہیں۔

۱۲۔ ابو مجلز رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نکلے تو حضرت عبد اللہ بن زبیر اور ابن صفوان رضی اللہ عنہم ان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ فَقَالَ اجْلِسَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ سَرَّ أَنْ يَشْتَقِلَ الْإِنْسَانُ قِيَامًا فَلْيَتَّبِعْ مَشْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (روى الباب من إمامة وهذا أحد ثبوت حسن الترمذی ابواب الادب) اِس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے (تسلیم) کھڑے ہوں پس وہ اپنا گھر جہنم میں بنالے۔

حضرت امام ترمذی اور دیگر حضرات فقہائے اہل احادیث سے قیام کی مانیت پر استدلال کیا ہے۔

اب جو حضرات جواز کے قائل ہیں وہ پہلی حدیث کے جواب میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کا کھڑا ہونا، بے تکلفی، شہ پر محبت و تعلق اور تواضع

کی بنا پر ناپسند تھا اس کے جواب میں قیام سے منع کرنے والے حضرات فرماتے ہیں کہ بے تکلفی کا مطلب یہ نہیں کہ اکرام بھی نہ کیا جاتے (اب صحابہ رضی اللہ عنہم کو بظاہر اکرام کرنے سے کون سی چیز مانع تھی؟) اور قیام کو جائز سمجھنے والے جواب یوں دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کراہیت طبعی کراہیت تھی نہ کہ شرعی کراہیت جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پسند نہ تھا کہ سب سے آگے چلیں، حالانکہ آگے چلنا کسی کے نزدیک ناجائز نہیں ہے، تو یہاں بھی کراہیت طبعی مراد ہے نہ یہ کہ شرعاً مکروہ ہے۔ دوسری حدیث کے جواب میں قیام کے موافقین فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تو قیام کی خواہش کرنا ممنوع ہے یعنی اگر کوئی یہ خواہش کرے کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہوں اور اس خواہش کی وجہ عجب و عجیب ہے پس یہ خواہش تو بالاتفاق ناجائز اور مرام ہے، جیسا کہ قبیری قسم کے بیان میں گورچکا۔

لیکن اس پر یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ حضرت معاویہؓ ایک فقیر صحابی ہیں انہوں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک سے مانعت ہی مراد لی ہے اسی لئے تو انہوں نے منع فرمایا۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ اُن کے توضیح اور تقوے کی وجہ سے تھا، انہیں خوف تھا کہ کہیں وہ اس حدیث کی وعید میں نہ آجائیں، کیونکہ وعید اسی کے لئے ہے جس کے لئے قیام کیا جاتا ہے، کھڑے ہونے والوں کے لئے تو نہیں ہے، لیکن اس پر یہ شبہ کیا گیا کہ لوگوں کا کھڑا ہونا سبب بن جاتا ہے خواہش قیام کا، تو جس طرح خواہش قیام ممنوع ہے اسی طرح اس کا سبب بھی ممنوع ہے لیکن یہ شبہ درست نہیں، کیونکہ یہاں قیام کی خواہش ممنوع ہے چاہے لوگ از خود کھڑے ہوں یا نہ ہوں، اب اگر لوگ کسی آدمی کے لئے کھڑے نہ ہوں لیکن اس کی خواہش ہو کہ لوگ کھڑے ہوں تو یہ شخص اس وعید کے تحت آئے گا۔

بہر حال وعید صرف خواہش قیام پر وارد ہوتی ہے جس کی غرض لوگوں میں اپنے مرتبہ کو دیکھنا ہے جو کہ تغیر اور تکبر ہے۔

۱۰۰۔ خَوَجَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْكِنًا عَلَى عَصَا فَنَمَلُهُ نَحَالَ

لَا تَقُومُوا كَمَا يَقُومُوا الزَّاهِرُونَ أَحَدُهُمْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ابوداؤد کتاب الادب ۲۶۶ حضرت ابوالکلام
رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عساکر پر ٹیک لگاتے ہوئے باہر
تشریف لاتے تو ہم ان کے لئے کھڑے ہو گئے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ تم اس طرح امت کھڑے ہو جس طرح کہ عجمی لوگ بعض کچھ دوسروں کی تعظیم کے لئے
کھڑے ہو جاتے ہیں۔

(۲۶) حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ہمارے پاس تشریف لاتے تو حضرت ابوجحشہ (اللہ ان پر رحم کرے) نے فرمایا کھڑے
ہو جاؤ تاکہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس منافق کے بارے میں استفسار دے سکیں
کہیں فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقام انما یقام للہ تبارک وتعالیٰ
یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی اور کے لئے نہیں کھڑا ہونا چاہیے صرف اللہ
کے لئے کھڑا ہونا چاہیے۔

بلاشبہ یہ دونوں حدیثیں کھڑا ہونے کو واضح طور پر منع کرتی ہیں لیکن حدیث
نمبر ۳ سے قیام کو جائز سمجھنے والے صرف وہ قیام مراد لیتے ہیں جو عجیبوں کا دستور تھا
مثلاً ترکوں وغیرہ اقوام عجم کی یہ عادت تاربخ سے معلوم ہے کہ ایک (بڑا آدمی بیٹھا
رہتا اور اس کے سامنے دوسرے کھڑے رہتے اسی طرح طبرانی نے اوسطیس نس
رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک ضعیف حدیث بھی نقل کی ہے۔ اِنَّمَا خَلَفَ مَنْ كَانَ
قَبْلَکُمْ بِاَنَّهُمْ عَقَّبُوا مَلَاکَهُمْ بِاَن قَامُوا وَهُمْ قَحْصٌ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لہ رواد احمد و فیہ راو لم یسموا بان لہیۃ ولقد احمد وغیرہ وضعفہ یحیی القطان وغیرہ دہ حسن
الحدیث علی ما فی شدات الذہب لابن العساکر وقد ترجمہ فی نحو صفوہ المجمع الزوائد ص ۳۰۸
تفسیر پنچ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں۔ والاشیاء ان یکون المقتدی بالاس والناس قانین فیذا طریق
الاحاجم۔ یعنی جیسے کہ مقتدی آدمی بیٹھا ہو اور لوگ اس کے سامنے یا ارد گرد کھڑے ہوں
یہی دستور عجیبوں کا ہے (عرف الشذی علی سنن الترمذی کتاب الواب الادب لہ رواد البہرانی
فی الاسطوفیہ الحسن بن قتیبہ و ہمزہ وک۔

نے فرمایا کہ تم سے پہلے کی قومیں اس طرح تباہ ہو گئیں کہ وہ اپنے بادشاہوں کی تعظیم کرتے تھے اس طرح کہ وہ لو کھڑے رہتے اور بادشاہ بیٹھے رہتے، اسی مسلم کی ایک صحیح حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالت بیماری میں بوجہ عذر بیٹھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز میں مشغول تھے تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ اَلَا مَلُومٌ فَعَلَ فَارِسٌ وَالشَّعْرُ مَلُومٌ عَلٰى مَلِكُو كِرْبَلَهٗ وَحَقَّ قَعُوْدُ الْحَدِيْثِ مُسْلِمُ كِتَابِ الصَّلٰتِ ۱۸۷۱ (۱۸۷۱) کہ تم عنقریب فارس و روم کے لوگوں کا فعل کرو گے، کھڑے ہوتے ہیں اور گرد اپنے بادشاہوں کے اور وہ بادشاہ بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔

ان سب روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ممنوع وہ قیام ہے جو عجمیوں کا دستور ہے کہ کوئی شریف تو بیٹھا رہے اور عام لوگ اس کے ارد گرد تعظیم کے لئے کھڑے ہوں۔

قیام کے مخالفین کہتے ہیں کہ صحابہؓ کا کھڑا ہونا عجمیوں کی طرح تو نہیں تھا بلکہ وہ محض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و تکریم کے لئے کھڑے ہوتے تھے اور پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود ان کے اخلاص کے، انہیں کو گویا منع فرمادیا۔

اس کے جواب میں قیام کو جائز کہنے والے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو عجمیوں کی طرح کھڑے ہونے کی خبر دے رہے تھے اور صرف اسی طریقہ کے منع فرما رہے تھے، یعنی ان کی نقل سے منع کر رہے تھے (پس ادب و عزت سے کھڑا ہونا جائز ہے کیونکہ اس کی وجہ صرف خلوص و محبت ہے)۔

باقی رہ گئی حدیث نمبر ۱۰۸۷ اس کے بارے میں قیام کو جائز سمجھنے والے جواب دیتے ہیں کہ یہ حدیث بہت کمزور ہے، اگر اس کو صحیح بھی مان لیا جاسے پھر بھی یہ عجمیوں کے قیام پر محمول ہے کیونکہ قیام کی وہ صورتیں جو قسم نمبر ۱ کے ذیل میں بیان

ہو چکی ہیں بالاتفاق جائز ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں قیام ممانعت صرف اسی قیام کی ہے جو غمیوں کی رسم ہے جس کی طرف متعدد احادیث میں اشارہ کیا گیا ہے اور وہ قیام بالاتفاق ناجائز اور ممنوع ہے۔
اب جو علماء حضرات قیام کے جواز کے قائل ہیں وہ مندرجہ ذیل احادیث کو بطور استدلال پیش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو اور نشست و برخاست میں اتنا زیادہ مشابہت رکھتا ہو جتنا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رکھتی تھی (وَإِذَا خَلَّتْ عَلَيْهِ قَامَ إِلَيْهَا فَاتَّخَذَ بَيْدَ هَا فَتَبَلَّهَا وَأَجْلَسَ فِي فُجْلٍ يَسَارٍ وَكَانَ إِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ إِلَيْهِ فَاتَّخَذَتْ بَيْدَهُ وَأَجْلَسَتْ فِي فُجْلٍ يَسَارٍ) (ابوداؤد کتاب الادب ج ۲)
یعنی جس وقت فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے کھڑے ہو جاتے اس کا ہاتھ پکڑتے اور بوسہ دیتے اور اپنے بیٹھے کی جگہ پر اسے بٹھا دیتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے تو وہ آپ کی طرف کھڑی ہو جاتی آپ کا ہاتھ مبارک پکڑتی اس کو بوسہ دیتی اور آپ کو اپنی جگہ پر بٹھا دیتی۔

قیام کے مخالفین فرماتے ہیں کہ یہ قیام دونوں جانب سے قیام محبت اور قیام استقبال ہے جو بالاتفاق جائز ہے۔ لیکن قیام کو جائز سمجھنے والے اس جواب کو رد کر کے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام تو قیام محبت ہو سکتا ہے لیکن فاطمہ رضی اللہ عنہا کا قیام تو تعظیم و تحريم ہی کے لئے ہو سکتا ہے۔ لیکن اس بات پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کا قیام بھی قیام محبت و استقبال مان لیا جائے تو یہ بعید از قیاس بات نہیں۔ اگرچہ اس میں تعظیم و تحريم کا قوی احتمال موجود ہے۔
قیام کے قائل حضرات زید بن عارثہ، عکرمہ بن ابی جہل، عدی بن حاتم، اسامہ بن شریک اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ کی روایات و واقعات سے بھی استدلال کرتے ہیں

جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

- (۶) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جب مدینہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر معانقہ کیا اور پیشانی پر بوسہ دیا (رواہ الترمذی ج ۲ الباب الادب)
- (۷) اور جب عکرمہ رضی اللہ عنہ بن سے واپس ہو کر مدینہ منورہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے کھڑے ہوئے، گلے لگایا (رواہ الطبرانی)
- (۸) عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے یا حرکت فرماتے۔
- (۹) اور حضرت اسام بن شریک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھڑے ہوئے اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا۔

(۱۰) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اٹھے اور ان کے دست مبارک کو چومے۔

(۱۱) اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی تو بہ جب قبول ہوئی، اسی قصہ میں آیا ہے کہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اٹھ کر دوڑے اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصافحہ کیا اور انہیں مبارک باد دی۔

اسی طرح کے اور بھی بہت سے واقعات اور روایتیں احادیث کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ لیکن قیام کے مخالفین فرماتے ہیں کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے لئے روانہ علیہ وسلم کا قیام، سفر سے آنے کی خوشی کی وجہ سے تھا اور عدی و عکرمہ رضی اللہ عنہم

۱۔ مجمع الزوائد ص ۸۵-۹ ج ۱ مشکل الآثار ص ۳۷-۳۸

۲۔ فتح الباری ص ۲۵ ج ۱۱ مقال سندہ قوی۔

۳۔ فتح الباری ج ۱۱ ص ۲۵۔

۴۔ مشکل الآثار ص ۳۷-۳۸ ج ۱

جس کو بخاری و مسلم وغیرہ نے نقل کیا ہے سے استدلال کرتے ہیں، اسی حدیث سے امام بخاری و مسلم اور ابوداؤد نے بھی استدلال کیا ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہود بنو قریظہ اس وعدہ پر اترتے کہ جو فیصلہ بھی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کریں گے، وہ انہیں قابل قبول ہوگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا، وہ آپ کے قریب ہی تھے، پس گدھے پر سوار ہو کر آئے۔ فَكَانَ دُثَايْنِ الْاَسَدِ جَدِ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكَ نَصَارُ قَوْمٌ اِلَى سَيِّدِكَ كَعَرِ النَّجَارِ كِتَابَ الْاَسْتِذَانِ، و مسلم کتاب الجہاد یعنی جس وقت حضرت سعد رضی اللہ عنہ مسجد کے قریب پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا کہ اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

اس کے جواب میں قیام کے مخالفین فرماتے ہیں کہ یہ حکم قیام تطہیبی کے لئے نہ تھا بلکہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے اور ان کی مرہم پی کی گئی تھی، اُن کو گدھے سے اتارنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو کھڑے ہونے کا حکم دیا یہ قیام مدد اور معاونت کے لئے تھا، اگر یہ قیام تطہیبی ہوتا تو یوں فرماتے قَوْمُ الْاَسَدِ لَوْ مَعْنَى اِپْنِے سردار کی خاطر کھڑے ہو جاؤ، بلکہ بعض روایات میں زیادہ وضاحت بھی آئی ہے کہ قَوْمٌ اِلَى سَيِّدِكَ لَوْ اَنْزَلُوْا اِپْنِے سردار کی طرف اٹھو اور ان کو سوار ہی سے اتار لو۔

مخالفین قیام کے اس استدلال کا جواب موافقین حضرات یوں دیتے ہیں کہ مقصود یہ ہے کہ ان کے پاس باکران کی تعظیم و تکریم کے لئے سواری سے اتار لو، اور اس بات پر قرینہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا ہے کہ اپنے سردار کی طرف اٹھو کھڑے ہو، تو لفظ سید سے اُن کی تکریم و تعظیم کی طرف اشارہ ہے۔

فقہا کرام کے اقوال | مذکورہ بالا روایات میں قیام کی ممانعت اور جواز یعنی دونوں جانب بحث و کلام کی کافی گنجائش موجود ہے اور علماء کرام نے ان پر بہت طویل بحثیں کی ہیں حضرت نووی نے قیام کے جواز پر پوری کتاب

لکھی ہے اور طہرائی وغیرہ نے اس کے جواز میں روایات و واقعات نقل کر کے ان روایات کو کمزور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جن سے قیام کی ممانعت معلوم ہوتی ہے اور ان کی عمدہ تاویل میں بھی فرماتی ہیں۔

(۲) ابن الحاج وغیرہ نے اختلافی قیام کے ناپسندیدہ ہونے کو ثابت کرنے کے لئے پوری تفصیل سے مدلل بحث کی ہے اور انہوں نے حضرت امام نوویؒ کے پورے رسالہ کو اپنی کتاب مدخل میں نقل کر کے اس سے عمدہ جوابات دیئے ہیں۔ جن کو فتح الباری نے بہت جامع اور مختصر انداز سے نقل کیا ہے۔

جمہور علماء نے اہل فضل حضرات کے آنے پر ان کے اکرام کے لئے کھڑے ہو جانے کو جائز بلکہ مستحب فرمایا ہے۔

(۳) چنانچہ مجمع البحار میں ہے وَاحْتَجَّ بِإِدِّ الْجَمَاهِيرِ كِرَامِ أَهْلِ الْفَضْلِ بِالْقِيَامِ إِذَا أَقْبَلُوا رَجَعَ الْبَحَارُ ص ۱۸۲ ج ۲ یعنی جمہور علمائے کرام نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اہل فضل کے اکرام کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے جب وہ آئیں۔

(۴) اور در مختار میں ہے آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا جائز بلکہ مستحب ہے دہا اور حضرت امام حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَرَجَّحَ الْمُتَذَرِّبِيُّ مَا لَقَدْ تَمَّ مِنْ الْجَمْعِ عَنْ قَتَيْبَةَ وَابْنِ خَارِجٍ إِنَّ الْقِيَامَ الْمُسَبِّحُ عَنْهُ أَنْ يَقَامَ عَلَيْهِ وَهُوَ جَالِسٌ رَفَعَ الْبَارِي ص ۲۹ ج ۱۱ یعنی منذری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت قتیبہؒ اور بخاریؒ سے رمنع اور جواز کی روایات و واقعات میں جو تطبیق کی گئی ہے جو پہلے ذکر ہو چکی اس کو پسند فرمایا ہے اور ترجیح دی ہے یعنی کسی مسلمان بھائی کے اکرام کے لئے قیام جائز ہے اور منوع وہ قیام ہے کہ کسی شخص کے ارد گرد یا سامنے لوگ کھڑے ہوں اور وہ بیٹھا ہو۔

(۵) لمطاویفی شرح در مختار میں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علماء تعظیم کے لئے کھڑا ہونے میں مختلف ہو گئے ہیں بعض نے منع کیا ہے بوجہ الوداد و دلی حدیث کے جو انہوں نے ابوالامر سے روایت کی ہے چہر اس کو پورا نقل کرنے کے

بعد فرمایا ہے کہ بعض نے اس کو (قیام کو) جانتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے قیام کرتے تھے اور بعضوں نے اس میں تفصیل کی ہے جیسے قاضی خان فرماتے ہیں: قَوْمٌ يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ مِنْ الْمَشْرِفِ أَوْ يَقْرَأُ رَجُلٌ وَاحِدٌ فَدُخِلَ عَلَيْهِمْ وَوَاحِدٌ مِّنَ الْأَجَلَةِ وَالْأَشْرَافِ فَقَامَ الْعَابِرُ فِي الْبَلَدِ مَا لَوْ أَنَّ دُخِلَ عَلَيْهِ عِلْمُ أَوَّلِيَّةِ أَوْ أَسْتَاذَةِ الَّذِي عَلَّمَهُ الْعِلْمَ جَازِلًا أَنْ يَقْرَأَ لِنَجْلِهِ وَفِي مَا يَسُوِي ذَلِكَ لَا يَجُوزُ أَحَدٌ فِي مَجْمَعِ الْمَشَارِقِ لِلدُّنْيَا كِي قِيَامِ الْعَابِرِ جَائِدًا إِذَا جَاءَ أَعْلَمُ مِنْهُ أَوْ أَسْتَاذُهُ الَّذِي عَلَّمَهُ الْقُرْآنَ أَوْ الْعِلْمَ أَوْ أَوَّلِيَّةَ أَوْ أَسْتَاذَهُ لَا يَجُوزُ لَخِيَرِهِمْ وَإِنْ كَانَ الْفَائِي مِنَ الْأَجَلَةِ وَالْأَشْرَافِ وَقَعَلَ الْمَشْرِفُ لِي عَيْنِ ابْنِ وَهْبَانَ مَا لَمْ يَنْهَهُ أَقُولُ فِي عَصْرِ نَائِلِي عَنِ الْبَيْتِ لَا يَجُوزُ ذَلِكَ أَيْ الْإِقْيَامُ لَا الْمَطْلُوعُ عَلَى الدَّرَجَاتِ (۴: ۱۹۲) یعنی کوئی قوم یا فرد تلاوت قرآن میں مشغول ہو اور اس پر کوئی اہل فضل و شرف میں سے داخل ہو جائے تو علمائے زمانہ جانتے ہیں کہ اگر وہ عالم ہو یا اس کا والد یا اس کا استاذ تو اس ذکر قرآن پڑھنے والے کے لئے جانتے جانتے کہ ان کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے اور ان کے سوا کسی دوسرے کے لئے کھڑا ہونا درست نہیں اور مجمع الفتاویٰ الطحاکی میں ہے کہ جب اس سے زیادہ عالم یا اس کا الیا استاذ ہیں تو اس کو قرآن مجید یا علم سکھایا ہو یا اس کا باپ یا ماں آجائے تو ان کے لئے کھڑا ہونا جائز اور ان کے علاوہ اور کسی کے لئے جائز نہیں اگرچہ آنے والا اہل فضل و شرفیت والا ہو اور شہر بگلاتی لئے اب وہاں سے نکل گیا ہے جس پر انہوں نے قصہ حج کی سب سے کہ میں یہ کہتا ہوں کہ ہمارے زمانے میں یہ کھڑا ہونا مستحب ہونا چاہیے۔

(۱) اور رد المحتار میں اس پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: قَالَ فِي الْفَتْحَةِ قِيَامُ الْعَابِرِ فِي قَاسِيَةِ مَنَاسِكِ وَقَالَ الْعَلَّامُ قَارِيَةٌ مِّنْهُ كَمَا أَنَّ الْفَتْحَةَ جَائِدَةً لِّمَنْ قَالَ الْقَاضِي عِيَاضُ الْقِيَامُ الْمُنْعَرِ تَشْلُحُ قِيَامًا لِّمَنْ جَلَسَ وَقَالَ مُؤَوِّدِي قِيَامُ الْمَكَامِلِ مِنْ بِلِ الْفَتْحَةِ مَسْتَلَبٌ وَقَدْ جَاءَتْ الْبَابُ بِشَيْءٍ لَمْ يَطْعَمِ فِي الْمَنَى مَرَّةً شَرِيحًا۔

الْجَالِسِينَ فِي الْمَسْجِدِ لِمَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ تَعْلِيمًا وَقِيَامًا قَارِئِي الْقُرْآنِ لِمَنْ يَجِئُ
 تَعْلِيمًا لَا يَكُنْ لَكَ إِذَا كَانَ مَعَهُنَّ لَيْسَتْ حِينَ السَّعْيِ وَفِي مَشْجَلِ الْإِمَامِ الْإِيمَانِ
 لَيْسَ بِمَكْرُورٍ وَلَا عَيْنٍ إِسْمًا الْمَكْرُورُ وَكَتَبَةُ الْقِيَامِ لِمَنْ يَقَامُ لَهُ فَإِنْ قَامَ لِمَنْ يَقَامُ
 لَهُ لَا يَكْرُورُ يَعْنِي قَفِيهِ مِلِّ سَبَّ كَهْ مَسْجِدٍ مِثْلِي هُوَ شَخْصٌ كَالِيسَةِ أَدَمِي كَسَلْتِ
 كَهْ هُوَ هُوَ اسْ بِرِ دَاخِلِ هُوَ اَوْ تِلَاوَتِ قُرْآنِ كَرْنِي وَالِي كَالِيسَةِ أَدَمِي كَسَلْتِ
 هُوَ اسْ كَسَلْتِ اسْتَعْلَامُ كَهْ هُوَ مَكْرُورٌ نَهَيْتِ سَبَّ كَهْ وَهُوَ تَعْلِيمُ كَالِيسَتِي هُوَ اَوْ
 حَضَرَتِ اِمَامُ مَحْسَاوِي كِي كِتَابِ مَشْجَلِ الْإِمَامِ مِلِّ سَبَّ كَهْ مَسْجِدٍ مِثْلِي هُوَ شَخْصٌ
 مَكْرُورٌ نَهَيْتِ سَبَّ كَهْ وَهُوَ قِيَامُ كِي مَحْبَتِ وَخَوَاشِ سَبَّ كَهْ شَخْصٌ كَسَلْتِ هُوَ اسْ كَسَلْتِ
 (لُوك) كَهْ سَبَّ هُوَ جَايَا كَرْتِي هِي اَوْ اَكْرَا كُوْنِي كَهْ هُوَ كَالِيسَةِ أَدَمِي كَسَلْتِ هُوَ اسْ كَسَلْتِ
 (لُوك) كَهْ سَبَّ نَهَيْتِ هُوَ اَكْرَا كَرْتِي تُو مَكْرُورٌ نَهَيْتِ

اَسْكِي بَاكْرِ فَرَمَاتِي مِلِّ كَرْتِي تَوَاوَدَ دَوْنِ التَّوَقُّدِ عَلَيْهِ فِي سَنَةِ حِجَّتِ الْقِيَامِ
 بَيْنَ يَدَيْهِ كَمَا يَذْهَبُ الشُّكُّ وَلَا عَاجِزٌ اَوْ رَجُوعٌ عِيدٌ رَحِيثٌ شَرِيفٌ مِلِّ اسْ
 بِرِ قِيَامِ بِرِ اَتِي سَبَّ تُو هُوَ اِيَسِي شَخْصٌ كَسَلْتِ مِلِّ سَبَّ جَوَابِي سَامِي لُوكِ كَسَلْتِ
 كَهْ هُوَ كُو لَسَنَدِ كَرْتِي هُوَ جِيَا كَرْتِي اَوْ رَجُوعٌ لُوكِ كَرْتِي هِي

۸۱. ہمارے علماء کے درمیان اس مسئلہ میں بھی کچھ اختلاف ہے کہ مسجد میں بیٹھے
 ہوتے یا تلاوت کرنے والے شخص کے لئے کسی آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا
 ہونا جائز ہے یا ناجائز۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ قاضی خان اور وغیرہ مسجد میں بھی
 کھڑا ہونے کی اجازت دیتے ہیں، لیکن کئی اعیاد وغیرہ میں تعظیم و تکریم کے لئے مسجد
 میں کھڑا ہونے کو منع فرمایا ہے اور اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ
 فِیْ نَبِیِّکَ رَکِّیْ یَسْنِیْ مِیْرَسَ رَبِّکَ اَلْکَھْرِ مِیْرَیْ تَعْلِیْمُ کَیَا کَرْنِ اس پر کلام کرتے
 ہوئے علامہ ابو مسعود رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں قَالَ فَرِحْتُ اَلَا اَوْحٰی السَّلَکَ تَاوِیْدَ تَاوِیْدَ

اور اس میں کوئی فرق نہیں اور اگر اس قول سے مراد ان کا اسی قیام تعظیم و تکریم جو دینی شرف ہی کی وجہ سے کیا جاتا ہے کو دو حصوں میں تقسیم کرنا جو پھر تو تعظیم کے لئے کھڑا ہونا مکروہ اور اکرام کی خاطر جائز ہے، اسی طرح گویا متنازع فیہ قیام ہی میں تفصیل (یا فرق) کرنا مقصود ہوا، اور امام ابن حجر رحمہ اللہ نے آخر میں بذات تفصیل حسن قرار دیا غالباً یہی فرق مراد لیا ہے کیونکہ بظاہر الفاظ اسی مطلب کی تائید کرتے ہیں۔

اور امام ابو داؤد نے سنن ابی داؤد میں جواز اور منع پر جو مختلف ابواب جس انداز سے وضع کئے ہیں اور اسی طرح بعض دوسرے حضرات کے اقوال سے اسی طرف اشارہ ملتا ہے کہ وہ قیام تعظیمی کو مکروہ فرماتے ہیں اگرچہ عجم کا دستور نہ بھی ہو لیکن مسلمان بھائی کے اکرام کے لئے قیام کو جائز فرماتے ہیں بہر حال اگر اس تفصیل (فرق) کو تعظیمی قیام ہی میں مان لیا جائے تو شاید پھر اس کے جواز میں کسی کو بھی کلام نہ رہے گا کیونکہ مجلس سے فرات کے بعد صحابہ کا قیام اور انتظار فرمانا حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر شریفانہ سے جاتے اس روایت کو ضرورت پر اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قیام کو محبت اور انصاف کے قیام کو حضرت معاذؓ کی مدد پر محمول کیا جائے (اگرچہ ان روایات میں قیام تعظیم کی کافی گنجائش ہے، تب بھی ان کو اکرام سے خالی ماننے کی کوئی خاص وجہ نہیں، ان سارے واقعات میں اکرام و احترام کا تصور بھی موجود ہے، پھر محبت اور اکرام کے حکم میں بھی کوئی خاص فرق نہیں جیسے محبت اپنے محل و موقع میں جائز بلکہ بعض اوقات ضروری ہوتی ہے، اسی طرح کسی مسلمان بھائی کا اکرام اور مہمان کا اکرام ایسا ہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو بھی ضروری ہے اور ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

(البتہ شاید منکر کفر سے یعنی شاید امام تہجد اسلام کی مراد قیام اکرام سے قیام تحبہ و سلام ہو جو کہ محبت کے بڑھانے کے لئے ہو اگر کتاب جیسا کہ اس پر مصنفہ دلالت کرتا ہے اور قیام اعظام سے مراد ان کا وہ قیام ہو جس میں وہ امر اور بڑے لوگوں کی عادت کے مطابق بیٹھا ہو اور لوگ اس کے لئے یہ ہے تعظیم کے لئے کھڑے ہوں۔

لہٰذا حیث قال اول باب فی القیام الامامیہ فی التی تدل علی الجواز ثم ترجم بعد فقہ ابواب، باب انہ علی مقوم للرجل یعلمہ ذالک و کتاب الادب ابو داؤد

البتہ کسی غیر کی توقیر و تعظیم اگر یہ فی نفسہ جائز ہے لیکن پھر بھی اکرام اور تعظیم کے
حکم میں فرق صاف طور پر واضح ہے۔ ہمیں بعض لوگوں کا اکرام کرنے کا تو حکم ہے لیکن
تعظیم کی مخالفت ہے جیسے کافر مہمان وغیرہ کا اکرام جائز اور اس کی تعظیم ممنوع ہے۔
اور علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ کسی آنے والے کے لئے ذبح کرنے کے حکم میں فرق
کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "فَإِنْ قَصَدَ التَّعْظِيمَ لَا تَحِلُّ..... وَإِنْ قَصَدَ
الْإِكْرَامَ تَحِلُّ"۔ (مختار ص ۳۶) یعنی اگر ذبح کرنے میں نیت اور قصد تعظیم کی ہے تو یہ مذہب
حلال نہیں اور اگر قصد اکرام کی ہے تو حلال ہے۔

قیام اکرام اور قیام تعظیم میں فرق | اب سوال یہ ہے کہ قیام تعظیم اور قیام اکرام
میں فرق کیسے کیا جائے اس فرق کو علماء کے
اقوال سے کچھ اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر آپ کے یہاں کوئی شخص آئے اور آپ
اس کے لئے کھڑے ہو جائیں، آگے بڑھ کر مصافحہ و سلام کریں اور اپنی جگہ پر بٹھائیں
یا پھر کسی کو رخصت کرتے وقت اس کے لئے کھڑا ہونا وغیرہ۔ یہ سب کچھ اکرام و احترام
میں داخل ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی غیر آپ کی طرف ڈار رہا ہو کسی دوسری طرف جا
رہا ہو یا ویسے ہی راستے سے گزر رہا ہو اس کو دیکھ کر تعظیم کے لئے کھڑے ہو جانا یا ہاتھ
اکرام سے باہر اور داخل تعظیم سے اسی طرح اور بھی قرآن پڑھ سکتے ہیں جن کے ذریعے
قیام اکرام اور قیام تعظیم میں تمیز کی جاسکتی ہے۔ اسی فرق کے بارے میں علامہ ابن قیم کے
قول سے بھی اشارہ مل سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "وَالْقِيَامُ يُقْبَلُ بِالثَّابِتِ وَالْمُرْتَبِ
الْقِيَامُ عَلَى الرَّجُلِ وَهُوَ فِعْلُ الْعِبَادَةِ وَقِيَامُ الْإِبْرَةِ عَلَى الْوُجُوهِ وَالْأَسْبَابِ
الْقِيَامُ عَلَى الْقِيَامِ وَالْمُرْتَبِ وَالْمُرْتَبِ عَلَى الْقِيَامِ"۔ یعنی قیام کے تین مراتب ہیں پہلا
اسی کے سر پر یعنی ارد گرد یا سامنے جب کہ وہ بیٹھا ہو اس پر تو جابجا اور متکبر لوگوں کا
فصل ہے (جو بالاتفاق ناجائز ہے) دوسرا یہ کہ کسی کے لئے کھڑے ہو جانا جب وہ
آئے ہو اس میں کوئی مصافحہ نہیں۔ اور تیسرا یہ کہ اس کو دیکھتے ہی کھڑا ہو جائے اس
علامہ کا اختلاف ہے۔

ایک دوسری بات ملاحظہ فرمائیے۔ قیام تعظیم سے قیام اکرام کا اختلاف ہے۔

اَقْسَامُ اَلْوَدَلِ اَنْ يَكُوْنَ رَجُلٌ مُّقْتَدِي يَذْهَبُ بِحَاجَتِهِ اِلَى كِبَارِيَةِ اَحَدٍ اَوْ يَأْتِي
 اِلَى هَذَا الرَّجُلِ اَلْقَابِلِ فَيُحَدِّثُ عَنْهُ اَوْ يَأْتِي اَنْ يَأْتِي مُتَكِدًّا اِلَى هَذَا الْقَابِلِ
 فَيَقِيَامُ اِلَيْهِ جَائِعًا وَرَجُلٌ مُّقْتَدِي اَنْ يَذْهَبَ اِلَى اَخِيهِ مُرْسِي اِذَا اَبُو لُقَيْدٍ وَآلَتَا
 اَنْ يَكُوْنَ اَلْمُقْتَدِي جَائِسًا وَآلَتَا اَنْ يَكُوْنَ اَلْمُرْسِي مُقْتَدِي اَلْعَاجِزِ يَعْنِي قِيَامُ كِي تَيْنِ
 قِيمِیْنِ عِیْنِ اَوَّلِ یَہ کہ مقتدی اور پیشوا آدمی کسی ضرورت سے کسی دوسری طرف جا رہا
 ہو اور قیام کرنے والے شخص کی طرف نہیں آتا تو اس شخص کا قیام اس مقتدی کے لئے
 منع ہے۔ دوسری قسم یہ کہ مقتدی امام آدمی اس کھڑے ہونے والے شخص کے پاس
 آ رہا ہو تو اس آدمی کے لئے کھڑا ہونا ہائز ہے اور کہا گیا ہے کہ مستحب ہے۔ (سیکھن
 میں لکھا ہوں کہ میرے نزدیک یہ قیام بھی ناپسندیدہ ہے جب کہ اس میں مبالغہ کیا جائے
 تیسری قسم قیام کی ایسی ہے کہ مقتدی بیٹھا ہوا ہو اور لوگ اس کے سامنے یا ارد گرد
 کھڑے ہوں۔ یہی احاطہ کلاں طور ہے۔

ان عبارات میں غور کرنے سے اکرام کے قیام اور تنظیم کے قیام میں فرق واضح
 ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ کسی مسلمان بھائی کی آمد پر
 اس کے اکرام کے لئے کھڑا ہونا کسی کے نزدیک بھی ناجائز نہیں، غور کا مقام ہے
 کہ علامہ ابن قیم متنازع فیہ قیام میں، قیام سے منع کرنے والے حضرات کے
 ساتھ ہیں۔ لیکن پھر بھی اوپر بیان کردہ دوسری قسم کے قیام کو مکروہ اور ناجائز نہیں
 فرماتے جس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ قیام جس میں اختلاف ہے، صرف وہی
 قیام تنظیمی و محکمہ ہے جو علما اکرام اور مشائخ عظام کی عظمت و تفضیل کی وجہ سے کیا
 جاتا ہے۔ وائے اعظم! ہر مال دنیا میں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اس قسم کے اختلاف کو
 چاہے کتنا ہی شدید طور پر متنازع فیہ کیوں نہ ہو، کفر و شرک کے برابر اختلاف بتانا
 لینا یا کفر و شرک جیسا اختلاف ماننا اور حرام کو اس خطا فلسفہ کا باور کرنا درست
 بڑا ظلم ہے۔

چاہے کوئی قیام کہ جائز سمجھتا ہو یا اس کا خلاف ہو، دونوں کے لئے ایک
 دوسرے پر جہالت الزامات لگا کر ان کی جہتی خدمت نہیں، یہی طے قیام تنظیمی و محکمہ

کو جائز سمجھ کر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ رکوع اور سجدہ تعلیم بھی جائز ہیں، یہ بھی ظلم عظیم ہے۔ کیونکہ رکوع اور سجدہ تنجیہ کی حرمت سراسر ثابت ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔ اَیْنَحْنِیْ بَعْضُنَا الْخُصَا تُوْا اَیْہِیْ صَلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی ذات مبارک ہی کے لئے سجدہ کرنے کے بارے میں عرض کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کی حرمت پر اجماع ہے۔ دوسری بات یہ کہ قیام کی بعض قسمیں تو باجماع امت جائز اور ثابت ہیں، لیکن سجدہ اور رکوع کی کوئی قسم بغیر عن رکوع اور سجود دین اسلام میں جائز نہیں، اور نہ سراسر ثابت ہے۔

باب چہارم

توسل بالاعمال
والذوات الصالحہ

دعا اور توسل

انسان کو جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے یا کسی مرض اور مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے غرض جب اس کو کوئی ایسا مسئلہ پیش آتا ہے جس کا حل اسباب کے تحت اپنے ممکن وسائل اور ذرائع کی مدد میں اس کو نہیں ملتا، تو ایسی حالت میں وہ ایک ایسی ہستی سے اس مسئلہ کے حل اور اس حاجت برآری کے لئے سوال کرتا ہے جس کے بارے میں اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اس کی پکار کو شن رہا ہے اور اس کی ہر مشکل اور حاجت کو بانٹا اور دیکھتا ہے نیز وہ مشکلات و مصائب کو دور کرنے حاجات اور ضروریات کے پورا کرنے پر بھی قادر ہے اور کلی اختیار اس کو حاصل ہے۔ دین اسلام ہمیں یہ بتاتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی وہ ہستی ہے جو پوری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ وہ اسباب و ذرائع سے بالاتر اختیار و اقتدار کا مالک ہے۔ اور

لہٰذا اس سے مراد یہ ہے کہ اسباب کے ماتحت کسی سے مدد مانگنا وہ خاص استعانت (یعنی مدد طلب کرنا) اور دعائیں جو صرف اللہ سے مانگی جاتی ہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مختلف قسم کے اسباب پیدا فرمائے ہیں، ان میں تاثیر رکھی ہے جیسے گ سے گری کا حصول، پانی سے پیاس کا ختم یا کم ہونا یا جیب میں لٹینوں کی شفا یابی کے لئے دویات کا استعمال اور ماہرین طب کے ہاں باننا حصولِ علم کے لئے محبت استاد کا کارگر ہونا، اسی طرح ہر انسان دوسرے انسانوں سے مدد حاصل کرتا ہے، مہار کو صاحبِ لائق کی ضرورت، صاحبِ علمت کو مہار کی ضرورت، گاہک کو سامان کی ضرورت ہے، تاجر کو گاہک کی ضرورت، غرض ہر نعمت کا مزدور، ماکم و منکوم وغیرہ جو بھی ہوں ایک دوسرے کی خدمت کرتے ہیں، ہر انسان اسی اسباب سے فائدہ اٹھانے اور دوسروں سے کام لینے کا محتاج ہوتا ہے، ان سے مدد حاصل کرتا ہے جس کی وجہ سے دنیا کا نظام چل رہا ہے اور یہ مدد مانگنے کسی بھی دین و شریعت میں ناجائز اور ممنوع نہیں بلکہ ناجائز و ممنوع وہ استعانت ہے جس میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو صاحبِ اختیار جان کر راقی تاثیر اللہ تعالیٰ

اس کا یہ اختیار و اقتدار اور قدرت ایسی بے نہایت ہے کہ اس کے ارادے کے بغیر کوئی چنانہ بل سکتا ہے اور نہ گرسکتا ہے۔ وہ ہر جگہ ہر وقت تمام مخلوق کے حالات اور ضروریات کو پوری طرح جانتا اور دیکھتا ہے۔ وہی قسموں کا بنانے والا شکلوں کا حل کرنے والا سماجیات کو پورا کرنے والا اور مصیبتوں کو دفع کرنے والا ہے یہاں تک تو کفار و مشرکین بھی مانتے ہیں کہ قادر مطلق اور مختار کل سواستے اللہ تعالیٰ کے کوئی دوسرا نہیں، البتہ مسلمانوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی فرشتہ نبی اور ولی یا کسی دوسری مخلوق کو کسی دائرہ میں کوئی اختیار و قدرت ایسی پر نہیں کی ہے جس کی وجہ سے وہ اس دائرہ میں کسی کا کام خود مختاری سے پورا کر دے اور نہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو یہ اختیار دے رکھا ہے کہ وہ کسی کی دعا کو قبول کرے یا اسے رد کرے اس لئے ایک مسلمان صرف اللہ سے ہی دعا مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی پر عمل کرتا ہے کہ وَقَالَ رَبَّنَا اِذَا دُعُوْنُنَا اَسْتَجِبْ لَنَا اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِنَا سَيَكُوْنُوْنَ لَهٗمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ رَّحْمٰنٌ رَّحِيْمٌ اور تمہارے پروردگار نے فرمایا مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا بلاشبہ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کر کے منہ موڑتے ہیں وہ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

دُعا عبادت ہے | اگرچہ بعض مفسرین نے اس کی تفسیر میں یوں کہا ہے کہ تم میری عبادت کرو میں تمہیں ثواب دوں گا۔ اور بعض نے وہ مفہوم لیا ہے جو اوپر ترجمہ میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت میں دونوں تفسیریں ہم معنی ہیں ان میں اصلاً کوئی فرق نہیں، کیونکہ عبادت اور دعا اگرچہ نقلی مفہوم کے اعتبار سے دونوں الٰہیہ عاصیہ صغیرہ فرشتہ، اس سے اسباب سے بالاتر کوئی چیز مانگی جاتے۔

لہٰذا مشرکین عرب اگرچہ کہتے تھے کہ قادر مطلق اور کامل اختیارات کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت و اختیار کا کچھ حصہ فلاں شخص کے سپرد کیا ہے اور وہ شخص اسی دائرہ میں خود مختار ہے اس لئے وہ بتوں و دیوتاؤں کو پکارتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے عیاں کہ چھپے صفات میں یہ منسلک کر چکا ہے

بعد ازاں میں مگر مصداق کے اعتبار سے دونوں میں کوئی تفاوت نہیں اس لئے یہاں پہلے فقرے میں جس چیز کو دعا کے لفظ سے تعبیر کیا گیا، اسی کو دوسرے فقرے میں عبادت کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت نام ہے کسی کے سامنے اتنا درجہ کی عاجزی اور تنزل اختیار کرنے کا، اور یہ ظاہر ہے کہ جب بندہ اپنے پروردگار کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کر کے اور اس سے دعا مانگتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور اس کی تعالیٰ کا اعتراف اور اپنی بندگی و عاجزی کا اقرار کرتا ہے، تو یہ ظاہر بندگی بجا ہے خود عبادت بلکہ روح عبادت ہے اور اس پر درک دعا عبادت ہی ہے، رحمة للعالمین خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشادات موجود ہیں۔

چنانچہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ بالا آیت کریمہ کی تفسیر میں یہ حدیث بیان فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **إِنَّ الدُّعَاءَ هُوَ الْعِبَادَةُ تَقْرَأُ وَتَبْكُ وَأَدْعُوْنِ اسْتَجِبْ لَكُمْ إِنْ الَّذِينَ يُسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاجِرِينَ** یعنی دعا عبادت ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے استدلال میں یہ آیت تلاوت فرمائی: **وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاجِرِينَ**۔

اور سنن الترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ** یعنی دعا عبادت کا مترجم ہے (سنن الترمذی ابواب الدعوات) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللَّهِ مِنَ الدُّعَاءِ** اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی چیز مکرم نہیں (سنن الترمذی ابواب الدعوات ج ۱۲)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ **مَنْ دَعَا بِدَعْوَى لَيْسَ فِيهَا شَعْرَةٌ وَلَا قَطِيعٌ لَدَحْشٍ إِلَّا أُعْطَاهُ اللَّهُ بِهَا** (سنن الترمذی ابواب الدعوات ج ۱۲) اسی حدیث شریف کو مسند احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے، امام ترمذی اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح۔

اِحْدَى ثَلَاثِ اِمَانٍ لِيُجْعَلَ لِدَعْوَتِهِ اِمَانٌ يَكْتَفِي مَا لَكَ فِي الْاُخْرَى وَوَدَّ اِمَانٌ
يَقْتَصِرُ مِنْ الشُّرُوطِ مِثْلًا قَالُوا اِذَا اُنْكِرْتَ قَالَ: اللّٰهُ اَكْبَرُ رَدَّاهُ اَمَّا اَمَّا اَمَّا اَمَّا اَمَّا
الدُّعَوَاتِ، یعنی ایک مسلمان جب بھی کوئی دعا مانگتا ہے بشرطیکہ کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا
نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں قبول فرماتا ہے یا
توجو مانگتا ہے وہی دنیا میں عطا کرتا ہے یا اس دعا کو آخرت میں اجر و ثواب دینے کے
لئے محفوظ کر دیتا ہے یا اس کو وہ مانگی ہوئی چیز تو نہ ملی مگر اسی درجہ کی آفت اور
مصیبت جو اس پر آنے والی تھی اس پر آنے سے روک لینا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا
پھر تو ہم کثرت سے دعا مانگنا کریں گے اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا، اللہ تعالیٰ کا فضل و عطا بہت زیادہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ سے مانگنے پر دیا
آخرت کا اجر و ثواب ملتا ہے اسی طرح اگر کوئی اپنے آپ کو مستغنی سمجھے اور تکبر کی وجہ سے
اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں پر عتاب فرمایا ہے،
جیسا کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ کے دوسرے فقرے میں ارشاد ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ
لَیْسَتْ لَهُمْ اَعْيَادٌ فِی سَیِّئِ خُلُوقٍ جَزَاءُ مَا كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اَنْ یَّعَذِّبَهُمْ
لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اَمْرٌ اَوْ یَّعَذِّبَهُمْ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اَمْرٌ اَوْ یَّعَذِّبَهُمْ
لوگ میری عبادت سے (یعنی دعا اور عبادت سے بوجہ استغناء اور تکبر) منہ
موڑتے ہیں وہ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا۔ مَنْ اَتَى سَآئِلَ اللّٰهِ لِيَغْضِبَ عَلَيْهِ (الَّذِیْ اَلُوْبُ الدُّعَوَاتِ ۱۲) یعنی جو شخص
اللہ تعالیٰ سے اپنے آپ کو مستغنی سمجھ کر بوجہ تکبر کے اپنی حاجت کا سوال نہیں کرتا
اللہ تعالیٰ کا اس پر غضب ہوتا ہے۔

غرض دعا عبادت بلکہ مغز اور روح عبادت ہے۔ اس لئے جس طرح دوسری
عبادات صوم صلوٰۃ، نذر و نیاز وغیرہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے کئے جاتے ہیں اسی طرح
دعا بھی صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اسی سے مانگی جاتی ہے۔
لہذا جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو صاحب اختیار جان کر اس سے اسباب

سے بالاتر کسی چیز کا سوال کرتا ہے وہ صریح شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔

جب دعا کی حقیقت اور اس کی حیثیت سے واقفیت ہوتی تو مناسب یہ ہے کہ کسی عمل یا کسی مقبول بندہ پر دعائیں توسل کرنے کی حقیقت اور حیثیت کو بھی واضح کر دیا جائے تاکہ جائز و ناجائز توسل میں فرق و امتیاز کھل کر سامنے آجائے۔

دُعائیں توسل کی اقسام | دعائیں توسل کی کئی قسمیں ہیں بعض ان میں بالاتفاق

وسیلہ اور ذریعہ سے یا حمد و ثناء، درود شریف پڑھ کر دعا مانگنا وغیرہ اور بعض اقسام بالاتفاق ناجائز مثلاً کسی مخلوق سے براہ راست کوئی ایسی چیز مانگنا جو اسباب سے بالاتر ہو مثلاً کسی انسان یا فرشتہ سے یا جن کو صاحب اختیار جان کر ان سے اولاد وغیرہ مانگنا۔

استشفاع | توسل کی ایک قسم استشفاع ہے جس میں کسی مخلوق سے براہ راست

تو اپنی حاجات نہیں مانگی جاتیں، البتہ ان کی خدمت میں گزارش کی جاتے کہ وہ حق تعالیٰ شانہ کے دربار میں ہماری حاجت اور مراد پوری ہونے کی دعا فرمائیں اس کا حکم یہ ہے کہ جو حضرات دنیا میں تشریف فرما ہیں ان سے دعا کی درخواست کرنا بالاجماع جائز بلکہ مستحب ہے، البتہ وہ نیک و صالح جو اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں ان کی قبور پر جا کر ان سے دعا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اس میں ہمارے علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، بعض اُسے جائز کہتے ہیں اور بعض اس کو ناجائز اور بدعت کہتے ہیں، جو حضرات توسل کی اس قسم کو بدعت اور ناجائز کہتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح توسل کے اختیار کرنے سے شرک میں پڑ جانے کا خطرہ ہے اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ نیک اور صالح شخص سے اگر ان کی حیات میں دعا مانگی جائے تو یہ آپ کے نزدیک بھی جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے تو پھر اس کے مرنے کے بعد اگر آپ مردوں کے سننے کے قائل بھی ہیں، اس سے دعا کی درخواست کرنا بدعت اور ناجائز کیوں قرار دیتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صالح شخص سے سوال کرنے میں اور وفات کے بعد یا غائب ہونے کی صورت میں ان سے سوال کرنے میں فرق یہ ہے کہ زندگی میں تو کوئی ان کی پرستش نہیں کر سکتا تھا کیونکہ انبیاء و صالحین اپنی زندگی کے اندر اپنے حضور میں کسی مشترک کارِ حرکت کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے بلکہ روکتے تھے اور اس پر سزا دیتے تھے اس پر حضرت عائشہؓ نے متعدد دلائل پیش کئے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا قول اس پر شاہد ہے۔

مَا قُلْتُ لِعَبْدِ اللَّهِ مَا أَهْلُ ثَنِيَّةٍ
أَبِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُمْ
عَلَيْهِمْ شَهِيدًا أَفَادَعْتُ فِيهِمْ
فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَهْلُ الدَّقِيقَةِ
عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ
یعنی تو نے جو مجھے حکم دیا تھا اس وہی میں نے
انہیں کرسنایا تھا کہ اللہ جو میرا اور تمہارا سب کا
پروردگار ہے اسی کی عبادت کرو اور جب تمہیں
ان میں موجود رہا ان کا تحرانِ حال رہا پھر جب تو نے
مجھے دنیا سے اٹھالیا تو تو ہی ان کا نجات دہان تھا اور تو
تمام چیزوں کی خبر رکھتا ہے۔

(ماخذ: آیت ۱۱۰)

اسی طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے یوں کہا۔ مَا أَشَاءَ اللَّهُ
وَشِئْتُ تَوَاقُّبَ نَفْسِي لَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَحَدَّثَكَ كَيْدِي تَوَاقُّبَ نَفْسِي لَكَ
مُشْرِكٌ بَنَادِيَا بَسْ يَوْمَ كَوْنِ اللَّهِ وَرَدَّ جَوَابًا بِهٖ اَوْرَاسُ كَوْنِ نَفْسِي لَكَ
لَكَ وَشَاءَ تَوَاقُّبَ نَفْسِي لَكَ كَوْنِ يَوْمَ كَوْنِ يَوْمَ كَوْنِ يَوْمَ كَوْنِ يَوْمَ كَوْنِ
اور اس کے بعد محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی مرضی۔

اسی طرح ایک شادی کے موقع پر انصار کی بیچیاں اپنے ان آباء و اجداد کی شجاعت
بیان کرتی تھیں جو بدر کے دن شہید ہو گئے تھے تو ان میں سے ایک بچی نے جب یہ
کہا۔ وَفِينَا رَسُولُ اللَّهِ يَلْعَلُو مَكَفِي عَدُوِّهِمْ مِّنَ اللَّهِ مَوْجُودٌ جَوَّادٌ سَدَّ كُلَّ
کی بات جلتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ذَرْنِي هَذِهِ وَفُؤُكِي بِالْكَذِبِ
كُنْتُ نَفْسِي لَكَ اِيَّاكَ مَتَّحٌ اور جو تو پہلے کتنی سختی وہی کہہ اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم
ابوعبید (نماز میں) صف بستہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے

ہوتے تھے، تو فرمایا: لَا تُعْظِمُونِي كَمَا تُعْظِمُونَ الْأَعْيَابَ لِعَصْنِهِمْ بَعْضًا اسی طرح میری عزت و تعظیم نہ کرو جیسے عجبی لوگ ایک دوسرے کی کیا کرتے ہیں۔

اسی طرح جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے منع فرمایا اور کہا: إِنَّكَ لَا تَصْلِحُ السُّجُودَ لِلَّهِ وَلَوْ كُنْتَ أَمْرًا أَحَدًا اِنَّ كَسْبَكَ لَهْ حَيْدَلَهْ مَرَّتُ الْمَرْأَةَ اَنَّ تَسْجُدَ لِدَوْحٍ فَاَمِنْ عَقْلِهِ حَقًّا عَلَيْهَا یعنی سجدہ فقط اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اگر میں کسی شخص کو کسی شخص کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ شوہر کو سجدہ کرے کیونکہ شوہر کا بیوی پر بہت بڑا حق ہے۔

اور جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں زنادقہ کا وہ گروہ پیش ہوا جو ان کی غدائی کا قاتل تھا تو آپ نے ان کے جلاوینے کا حکم دیا۔

لہٰذا وہ سب گریہ زنادقہ کا وہ گروہ تھا جو عبداللہ بن سبا کے پیروکار تھے اپنے کو شیطان علی باور لگاتے تھے حالانکہ ان کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کوئی تعلق نہ تھا عبداللہ بن سبا میں کایہودی عالم تھا اس منافق نے اسی ارادے اور منصوبے کے تحت یہودیت چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا جس کے تحت سینٹ پال (پولس) نے یہودیت چھوڑ کے عیسائیت قبول کی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو مسخ کر ڈالا تھا ابن سبا نے بھی وہی کچھ کرنا چاہا جو سینٹ پال نے کیا تھا چنانچہ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ غیر معمولی حقیقت و محبت کا اظہار کرتے ہوئے ان کی شان میں طرح طرح کی غلو کی باتیں کرنا شروع کیں ان کی طرف عجیب عجیب معجزے منسوب کر کے ان کو ایک مافوق البشر ہستی باور کرانے کی کوشش کی بعض کم فہم نومسلموں کو یہ باور کرایا کہ اللہ نے نبوت و رسالت کے لئے حضرت علی بن طالب کو منتخب کیا تھا لیکن جبریل کو اشتباہ ہو گیا اور غلطی سے وہی محمد بن عبداللہ کے پاس لے گئے یہاں تک اس منافق نے کچھ سادہ لوحوں کو وہی سبق پڑھایا جو رسول ربی نے عیسائیوں کو پڑھایا تھا اور ان کا یہ غنیمت ہو گیا کہ حضرت علی اس دنیا میں خدا کا روپ دھار کر آئے ہیں اور گویا وہی خدا ہیں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی طرح یہ بات پہنچ گئی کہ ان کے لشکر کے کچھ لوگ ان کے بارے میں اسی طرح کی باتیں چلا رہے ہیں تو آپ نے ان زنادقوں کو قتل کر دینے اور لوگوں کی ہجرت کے لئے آگ میں ڈلوادینے کا حکم فرمایا باقی جا شیعہ ائمہ صوفی

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ اسی طرح مثالیں پیش کر کے آگے فرماتے ہیں کہ انبیاء اور صالحین کی شان میں غلو کرنا، ان کو رب بنالینا اور ان کے ساتھ شرک کرنا یہ اس قسم کی باتیں ہیں جو ان کی غیب و نبوت میں یا ان کی وفات کے بعد حاصل ہوتی ہیں چنانچہ مسیح اور عزیر علیہما السلام کے ساتھ ان کی غیبت اور وفات کے بعد شرک کیا گیا پس یہی راز ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی صالح ولی اللہ کی زندگی میں ان کے رب و روان سے الیقہ ناشیہ صغیر گذشتہ لیکن اس وقت خاص حالات میں اس کارروائی کو دوسرے مناسب وقت کے لئے ملتوی کر دیا اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں الوہیت کا عقیدہ رکھنے والے اور اس کی دعوت دینے والے زمانہ تو انہی کے حکم سے قتل کئے گئے اور آگ میں ڈال دیئے گئے لیکن پھر بھی ان میں سے بہت سے شیاطین اور خود عبد اللہ ابن ہاشم غرض شیاطین پنج نکلے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ شہادت کے بعد لوگوں سے یہ کہنے لگا کہ یہ قاتل حضرت علی نہیں بلکہ شیطان ہے جس نے لوگوں کے سامنے حضرت علی کا روپ اختیار کر لیا تھا حالانکہ حضرت علی کو اسی طرح آسمان پر اٹھایا گیا ہے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ اٹھایا گیا تھا وہ اور اس کے پیروکار اسی طرح مکر و فریب کر کے لوگوں میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کرتے رہے چوتھوں کی یہ دعوت و تحریک خفیہ طور پر اور سرگوشیوں کے ذریعہ جاری تھی اس لئے اس سے متاثر ہونے والے ایک ہی خیال اور عقیدہ کے نہیں تھے اس کے دہائی جس کو جو بات اور بتنی بات مناسب سمجھتے تھے وہی کہتے اگر وہ اس کو قبول کر لیا تو وہی اس کا عقیدہ بن جاتا اسی طرح ان کے مختلف فرقے بنتے چلے گئے یہاں تک کہ ان کی تعداد ستر سے تجاوز ہو گئی۔

یہاں بتانا ہے کہ جس طرح یوں یہودی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو منسوخ کر دیا تھا اسی طرح یہودی سازش اسلام کا حلیر بگاڑنے میں بھی کامیاب کا ثواب دیکھتے تھے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین و تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسی شدت سے اس فتنہ کی سرکوبی کی جس کی وجہ سے سبائی گروہ رافضی، شیعہ اس بات پر مجبور ہو گئے کہ وہ اپنے عقائد و نظریات کو عقیدہ فقیر کے نقاب میں چھپائے لیکن عصر حاضر میں تو اس میں گھڑت عقیدہ فقیر کے نقاب کو ایسا پاگل کر دیا گیا کہ ان کا اصلی چہرہ منظر عام پر آ گیا۔ ان کے خرافات و کفریات کی قلعی ایسی کھل گئی کہ عوام سادہ لوح مسلمان بھی اب ان کی کفریات اور خرافات سے بے خبر نہیں ہیں۔

سوال اور ان کی وفات کے بعد یا غیر حاضر ہی میں ان سے درخواست کرنے میں فرق ظاہر ہو جاتا ہے اور صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں بلکہ تمام سلف صالحین میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جو انبیاء کی قبور کے پاس نماز پڑھنے کو اختیار دے دینا ہو یا مزارات کے پاس دعا کی ہو، اور نہ کبھی غائبانہ سے سوال اور استغاثہ (ضرر یا درخواست) کرتے تھے نہ قبروں کے پاس علیٰ نبذ الیاس استسکاف اور مجاور ہو کر بیٹھنے کا ان سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اس کے جواب میں قائلین حضرات فرماتے ہیں کہ بہت سے سلف صالحین فقہاء بلکہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی یہ بات منقول ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے بعد ان سے بارگاہ الہی میں مغفرت اور شفا بخش کرانے کی درخواست کرتے تھے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر حاضر ہی کے وقت صلوٰۃ و سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں مغفرت اور شفاعت وغیرہ کی درخواست کرنے والی دعائیں اور ان دعاؤں کی تعلیم مناسک حج وغیرہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ اس لئے ایسا شخص جو قبر شریف پر حاضر ہو جائے اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دعا اور شفاعت کی درخواست کرے تو یہ حضور علمائے کے نزدیک جائز بلکہ مستحسن ہے۔ البتہ حافظ ابن تیمیہ اور ان کے ہم خیال علماء اس کو خلاف سنت اور بدعت کہتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا جمہور علماء اس بات کو بھی جائز کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے کی قبر پر حاضر ہو کر یہ درخواست کرنا کہ وہ قبر والا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری حاجت پوری ہونے کی دعا کرے اس کے جواب میں یوں کہا جاتا ہے کہ جو صحابہ کرام اور متقدمین علماء اس بات کے قائل نہیں کہ مردے اپنے زیارت کرنے والے کے سلام و کلام کو سنتے ہیں، ان کے نزدیک تو مردوں کو خطاب کرنا بھی درست نہیں اس لئے ان میں سے تو کسی کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس طرح توسل کا قائل ہو سکے اور نہ ان حضرات کا یہ معمول ہو سکتا ہے کہ وہ کسی میت سے دعا کی درخواست کرتے اور عام موتی کے بارے میں جن حضرات کا نظریہ یہ تھا کہ قبر کے نزدیک مردے ہماری باتوں کو سنتے ہیں اور جانتے ہیں تو ان میں سے بھی کسی صحابی یا

مقتدین علماء میں سے کسی سے یہ ثابت نہیں کر اس نے کسی صالح یا شہید کی قبر پر جا کر ان سے دعا کی درخواست کی ہو۔ اس لئے حافظ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد اور علماء آلوسی اور دیگر متعدد علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اگرچہ اس بات کے قائل ہیں کہ غرض سے فی الجملہ سنتے اور جانتے ہیں لیکن پھر بھی اس طرح دعا کی درخواست کرنے پر عدم جواز کا فتوے دیتے ہیں اور ان کے نزدیک توسل کرنا بدعت اور ناجائز ہے البتہ بعض متاخرین علماء غیر انبیاء علیہم السلام کی قبور پر جا کر ان سے دعا کی درخواست کرنے کو بھی جائز بتاتے ہیں لیکن پھر بھی انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی نیک صالح یا شہید کی قبر پر جا کر ان سے دعا کی درخواست کرنا زیادہ مشکتبہ چیز معلوم ہوتی ہے اس لئے غیر انبیاء علیہم السلام میں مانعین کے قول پر عمل کرنا احوط اور اسلم ہے واللہ اعلم

توسل کی اقسام میں سے ایک قسم ایسی بھی ہے جس میں نزاع تو ضرور ہے لیکن یہ ایسی نزاع نہیں جس کی بنیاد پر کسی ایک فریق کو اخوات مانعین میں سے جو یا منکرین میں سے مشترک، بدعتی یا گمراہ کہا جاتے اور یہاں صرف توسل کی اس قسم پر قدرے تفصیل سے بحث کرنی مقصود ہے تاکہ اس بے خطر توسل میں اختلاف کو دیکھ کر توسل کی دوسری اقسام کی نسبت بھی واضح ہو جائے اس قسم کے توسل کے ساتھ توسل بالاعمال کی کچھ تشریح اس لئے پیش کی جاتی ہے تاکہ کسی شخصیت پر توسل کرنے کی حقیقت معلوم کرنے میں آسانی ہو۔

توسل بالاعمال اپنے نیک اعمال چاہے ظاہری ہوں یا باطنی کی وساطت (ذریعہ) سے اللہ تعالیٰ سے مانگا جاتے سوال کیا جاتے توسل کی اس قسم

پر قرآن مجید کی متعدد آیات کریمہ اور احادیث شریفہ شاہد ہیں جس میں سے صرف ایک آیت کریمہ اور ایک ہی حدیث پر اکتفا کرتا ہوں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

رَبَّنَا اِنَّا مَسُوْهُنَا مُنَادِيْنَ
لَذِيْ يَسْتَاْنُ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاَمْسَا
رَبَّنَا فَاغْفِرْ اِنَّا ذُنُوْبًا وَّكَفُوْرًا
مَسِيْئًا مَّا وَّلَوْكُمْ فَاَمْسَا

یعنی اے ہمارے رب ہم نے اللہ کی طرف بلانے والے اعمال علی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان کو سنا کر اے اللہ تو تم اپنے رب کی ذات و صفات پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے اور ہماری برائیاں دور

کر دیجئے اور ہم کو نیک لوگوں کے زمرہ میں شامل
فرما کر موت دیجئے۔

اور ایک صحیح حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ میں آدمی کہیں مارا ہے تھے بارش
نے انہیں گھیر لیا۔ وہ بارش سے بچنے کے لئے ایک غار میں داخل ہو گئے۔ پہاڑ کا ایک
پتھر غار کے منہ پر آگرا اور باہر نکلنے کا راستہ بند ہو گیا۔ اب انہوں نے کہا کہ جو اعمال ہم
نے خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کئے ہیں ان کے واسطے سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا
چاہیے۔ شاید اللہ پاک اس پتھر کو دور کر دے۔ تو ان میں سے ایک نے کہا اے اللہ
میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے۔ میں بکریاں چرایا
تھا۔ جب شام کے وقت میں واپس آیا اور دودھ دوہتا تو سب سے پہلے اپنے ماں باپ
کو پلانا۔ ایک دن میں بکریوں کو چرانے کے لئے بہت دور لے گیا اور رات دیر سے
لوٹا۔ میرے والدین سوچکے تھے۔ میں نے حسب معمول دودھ دوہا اور ان کے سر پرانے
کھڑا ہو گیا۔ میں نے ان کو جگانا مناسب نہ سمجھا اور یہ بھی اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اپنے
بچوں کو ان سے پہلے دودھ پلا دوں۔ بچے بھوک کے مارے پلاتے رہے۔ میرا اور ان
کا یہی حال رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ تب والدین جاگے اور انہوں نے پہلے دودھ پی لیا
پس اے اللہ اگر میں نے یہ کام خالص تیری رضا کے لئے کیا ہو تو اس پتھر کو اتنا ہٹا دے
کہ ہمیں آسمان نظر آجائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے پتھر کو اتنا ہٹا دیا کہ آسمان نظر آنے لگا۔ دوسرے
نے عرض کی اے اللہ میرے چچا کی ایک بیٹی تھی مجھ کو اس کے ساتھ ایسی شدید محبت تھی
جس قدر کہ آدمی کو محورت سے ہو سکتی ہے۔ میں نے اس سے اس کے نفس کا مطالبہ کیا
اس نے انکار کیا۔ یہاں تک کہ ایک سال اسے قحط سے سخت تکلیف پہنچی۔ اور وہ
میرے پاس (مجبوراً) آئی۔ میں نے اسے ایک سو بیس دینار اس شرط پر دیتے کہ وہ
میری خواہش نفس کو پورا کرے۔ جب میں نے اس پر غالب پالیا، تو وہ کہنے لگی۔ اے اللہ
کے بندے! اللہ سے ڈرا اور نہر کو مائع نہ توڑا پس میں اس سے فوراً اٹھا اور اس سے
اپنا سونا اور دینار بھی واپس نہ لیا۔ اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام خالص تیری

رضامندی کے لئے کیا ہو تو ہماری مصیبت کو دور کر دے۔ پس اللہ تعالیٰ نے
فار کے منہ کو تھوڑا اور گھول دیا۔

تیسرا شخص کہنے لگا کہ میں نے کچھ مزدور کام پر لگائے۔ جب انہوں نے
کام ختم کر دیا تو میں نے سب کو مزدوری دے دی سوائے ایک آدمی کے جس نے
(خفا ہو کر) اپنا حق چھوڑ دیا اور چلا گیا۔ میں اس کے حق میں زراعت کرنے لگا یہاں
تک کہ بہت سال و مویشی جمع ہو گئے۔ کافی مدت کے بعد وہ میرے پاس آیا و
نے لگا اللہ سے ڈر، مجھے میری مزدوری دے دے۔ میں نے اسے کہا کہ یہ سب اوش
لگاتے، بیل، بکریاں اور چرواہے لے جاؤ۔ وہ کہنے لگا اے اللہ کے بندے میرے
ساتھ مذاق نہ کرو۔ میں نے جواب دیا کہ میں تیرے ساتھ مذاق نہیں کرتا۔ پس وہ ان
سب کو لے کر چلا گیا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ کام خالصتہ تیرے لئے کیا ہو تو ہماری
تکلیف کو دور کر دے۔ اللہ تعالیٰ قبلہ رک نے اس پتھر کو دور کر دیا۔ اور وہ باہر
نکل کر چلے گئے (متفق علیہ مشکوٰۃ باب البیروا الصلۃ)

تینوں حضرات نے اپنے اپنے نیک عمل کے ذریعہ سے دعا کی اسی کو توسل
بالاعمال کہتے ہیں اس قسم کا وسیلہ اختیار کرنے میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہ بالاجماع جائز
اور مستحسن ہے۔

کسی شخصیت پر توسل | اللہ تبارک و تعالیٰ سے انبیاء علیہم السلام اور صالحین
یعنی نیک بندوں کے ذریعے، وسیلے یا واسطے سے
دعا کرنا ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر متقدمین (پہلے زمانے کے علماء اور فقہاتے کرام میں
کسی نے خاص بحث نہیں کی اور نہ ہی اس کو صراحتہً منع فرمایا ہے البتہ اس میں
حضرت حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے اختلاف کیا ہے۔ وہ اپنے رسالہ قاعدہ
جلیلہ میں لکھتے ہیں کہ:-

وَلَفْظُ التَّوَسُّلِ قَدْ يَدْخُلُ ثَلَاثًا مُؤَدِّرٌ مُؤَادٍ بِهِ اَصْرَانِ مُسْتَوٍ
عَلَيْهِمَا بَيْنَ السُّلَمَيْنِ اَحَدُهُمَا خَوَاصِلُ الْيَمَانِ وَالْاُخْرٰى سُلَامٌ وَهُوَ التَّوَسُّلُ

بِالْإِيمَانِ بِهِ، إِنِّي بِالرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَطَلَعْتَ، وَالثَّانِي دُعَاؤُهُ
وَشَفَاعَتُهُ وَهَذَا أَيْضًا مَارْفَعُ الْإِزْمَارَةِ جِلْد ۱۸۸ یعنی توسل کے تین معنی لئے جاتے
ہیں۔ دو معنی تو تمام مسلمانوں کے ہاں بالاتفاق جانتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو اصل
ایمان واسلام ہے وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور ان کی اطاعت کے ذریعہ
سے توسل کیا جائے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے۔ دوسرا یہ
کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور شفاعت کا وسیلہ بن کر لانا یعنی توسل کرنا، اور یہ بھی نفع
پہنچاتا ہے۔

اس کے بعد حضرت حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی بھی ان دونوں معانی
میں سے کسی ایک کا انکار کر دے وہ کافر اور مرتد ہے۔ اگر تو بہ نہ کرے تو مرتد ہونے
کی وجہ سے قتل کیا جائے گا۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ دوسری قسم کے توسل سے انکار پہلی
قسم کے انکار سے ہلکا کفر ہے۔

چند صفحات چھوڑ کر آگے لکھتے ہیں

فَلَقَطُ التَّوَسُّلِ مِنْ آدِبِهِ ثَلَاثَةُ مَعَانٍ
أَحَدُهَا التَّوَسُّلُ بِطَاعَتِهِ فَهَذَا أَخْرَجَ
لَهُ يَتَوَلَّى إِيْمَانُ الْآدِبِ، وَالْثَّانِي التَّوَسُّلُ
بِدُعَائِهِ وَشَفَاعَتِهِ وَهَذَا أَكْثَرُ فِي
حَيَاتِهِ، وَيَكُونُ يَوْمَ الْإِيْمَانَةِ يَتَوَسَّلُونَ
بِشَفَاعَتِهِ وَالْثَّلَاثُ التَّوَسُّلُ بِمَعْنَى
الِإِشْرَافِ عَلَى اللَّهِ بِذَاتِهِ، وَالسُّؤَالِ بِذَاتِهِ
فَهَذَا هُوَ الَّذِي لَوْ تَكُنِ الصَّحَابَةُ يُعْطَوْنَ
فِي الْإِسْتِسْقَاءِ وَنَحْوِهِ لَافِي حَيَاتِهِ وَلَافِي
بِدُعَائِهِ لَافِي عِدَّةٍ قَلِيلَةٍ وَلَافِي
قَدْرٍ وَلَافِي عَرَفٍ هَذَا فَتَشْرُفُ

یعنی توسل سے تین معنی مراد لئے جاتے ہیں اول
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا وسیلہ یہ تو قرآن ہے
بغیر اس کے ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ دوسرے آپ
صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور شفاعت کا ذریعہ اور سارا
یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تھا اور بعد قیامت
کے دن سب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا
ذریعہ و حجت بنیں گے۔ تیسری قسم توسل کی وہ ہے جس
میں اللہ تعالیٰ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
مبارکہ کی قسم دی جاسے یا ان کی ذات مبارکہ کو ذریعہ
بن کر سوال کیا جاسے۔ یہ وہ توسل ہے جس کو صحابہ
رضی اللہ عنہم نے کبھی نہیں اختیار کیا۔ راستہ تواتر

مَنْ أَدْبَىٰ يَدَهُ الْمَشْهُورَةَ بَيْنَهُمْ
وَأَمَّا السُّؤَالُ بِهِ مِنْ غَيْرِ أَقْسَامٍ
بِهِ فَهَذَا الْبَصَرُ كَمَا مَعَ غَيْرِ وَاحِدٍ
مَنْ الْعُلَمَاءُ وَالشُّنَنُ الصَّحِيحَةُ عَنْ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَلَفَائِهِ
الْأَبْنَاءُ يَنْتَدِلُ عَلَى ذَلِكِ
(قاعدہ جلیلہ مدنی)

وغیرہ کے لئے کسی اور کام کے لئے مشہور ہوئی
بلکہ اسلام کی زندگی میں زمانہ کی رحلت کے بعد اس
ان کی قبر مبارک کے پاس زمانہ کی قبر کے علاوہ کسی
دوسری جگہ۔ اور اس قسم کا توکل مشہور دعاؤں میں
پایا جاتا ہے بلکہ اس قسم کے توکل کی تائید میں ضعیف
مرفوعہ اور موقوف احادیث پیش کی جاتی ہیں یا ایسے لوگوں کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں جن کا قول حجت
اور دلیل نہیں۔

اور اسی رسالہ ص ۱۶ میں لکھتے ہیں۔

وَأَمَّا السُّؤَالُ بِهِ مِنْ غَيْرِ أَقْسَامٍ
بِهِ فَهَذَا الْبَصَرُ كَمَا مَعَ غَيْرِ وَاحِدٍ
مَنْ الْعُلَمَاءُ وَالشُّنَنُ الصَّحِيحَةُ عَنْ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَلَفَائِهِ
الْأَبْنَاءُ يَنْتَدِلُ عَلَى ذَلِكِ
یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کے
ذریعہ سے سوال کرنا اس طور پر کہ آپ پر قسم بھی
دلاتی جیسے اس کو بھی متعدد علمائے متبع فرمایا ہے
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیثیں اور خلفائے
راشدین کا عمل اس کے متبع پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب اس قسم کی عبارات لکھی ہیں
اور ان میں انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ بہت سے علمائے اس توکل سے منع فرمایا
ہے اور یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ توکل کی یہ قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم اجمعین کے عہد مبارک میں نہیں تھی۔

پہلے دعویٰ کی حمایت میں انہوں نے وہ حدیثیں نقل کی ہیں جو غیر اللہ پر قسم کھانے
کی ممانعت میں آتی ہیں۔ یا وہ اقوال جو اللہ کو کسی غیر اللہ مخلوق کی قسم دینے کے
بارے میں ہیں۔

وہ اپنے دعویٰ کی تائید میں فقہائے احناف کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ...
وَيَكْفُرُ أَنْ يَقُولَ فِي دُعَائِهِ بِحَقِّ
فَلَا يَنْ وَبِحَقِّ أَنْبِيَائِكَ وَرُسُلِكَ
یعنی دعائیں یہ کہنا کہ اے اللہ فلاں آدمی کے
حق کے ذریعہ یا تیرے پیغمبروں کے

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ حَقٌّ لِلْمَخْلُوقِ -

(المدنیہ ج ۲ ص ۱۲۷)

علیم السلام کا حق جو تجھ پر ہے اس کے وسیلہ سے میرا یہ کام کر دے یا میری یہ دعا قبول کرے۔
یہ کہنا مکروہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر مخلوق کا کوئی حق (واجب) نہیں البتہ جس کو اللہ تعالیٰ خود اپنی رحمت سے بغیر کسی وجوب کے خاص کر دے یا اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں کے لئے کسی چیز کا وعدہ کر لے تو یہ دوسری بات ہے۔
کم و بیش اسی طرح کے الفاظ میں یہی مسئلہ خلاصہ العبادی جلد ۴ صفحہ ۳۲۶، بحر الرائق جلد ۸ صفحہ ۲۰، اور الدر المختار جلد ۵ صفحہ ۲۵۴ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

اور حقیقت یہاں چار الگ الگ مسائل ہیں۔

چار جدا مسئلے

(۱) اول تو یہ کہ اللہ کے سوا کسی اور کے نام کی قسم کھانا مثلاً یوں کہنا کہ فلاں انسان کی قسم یا کعبہ کی قسم میں یہ کام نہیں کروں گا۔ یہ بالاتفاق ناجائز اور روجہ توجیہ کے خلاف ہے۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ کہ کسی مخلوق (یعنی اللہ کے سوا کسی اور) کی قسم اللہ تعالیٰ کو دی جاتے اس کو بعض علماء نے جائز لکھا ہے اور ثبوت میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک صحیح حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

رُبَّ أَشْعَثَ مَذْفُورٍ بِالْأَبْوَابِ
لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَهُ بَيِّنَةٌ
بہت سے پرگندہ بال والے (پریشان حال) دروازوں سے دھکیلے ہوتے ایسے ہیں کہ اگر اللہ پر قسم کھا دیں تو اللہ تعالیٰ ان کو قسم میں سچا کر دے۔ (رواہ مسلم مشکوٰۃ)

لیکن یہ حدیث ان کے لئے دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ یہاں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ اگر ایسے لوگوں کی ذات کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ کو قسم دی جائے تو اللہ تعالیٰ اس قسم دینے والے کے سوال کو پورا کر دے گا، بلکہ یہاں تو خود انہی کی شخصیت کا حال بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ خود اللہ پر قسم کھا دیوں کہ اللہ کی قسم اللہ ضرور ایسا ایسا کرے گا تو اللہ پاک ان کی قسم سچا کر دے گا۔

دوسرا مسئلہ یہ کہ کسی کے حق کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا مثلاً یہ کہنا کہ

اے اللہ فلاں کا جو حق تجھ پر ہے اس کے وسیلے سے میرا فلاں کام کر دے۔ اس کو بھی ہمارے علمائے ناجائز لکھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کوئی چیز ضروری لازم یا واجب نہیں۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کرم و فضل سے کسی کو خاص کر دے یا کسی کیلئے کسی شے یا ثواب کا وعدہ فرمائے تو یہ ایسا حق ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طرف سے مقرر کر رکھا ہے، نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ پر کسی مخلوق کا حق اصلاً ثابت ہے لیکن بعض علماء اس کو جائز کہتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بعض دعاؤں میں اسی طرح کے الفاظ موجود ہیں (اَئِنَّہُ اَللّٰہُ اَسْمَآئِہِمْ اَتَمِّیْنَ) اب جو لوگ ایسے الفاظ سے دعا کرنے کو جائز فرماتے ہیں وہ ان الفاظ کو حقیقی معنی میں نہیں لیتے بلکہ اس سے برکت، ثواب جس کا اللہ نے از خود وعدہ کیا ہے حرمت وغیرہ مراد لیتے ہیں۔ لیکن چونکہ ظاہری الفاظ سے حقیقی معانی بھی ذہن اور فہم میں آجاتے ہیں اس لئے یہاں پر بھی منع کو بہتر سمجھا جاتا ہے اور اسی کو ترجیح دی جاتی ہے۔

(۴) چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ کسی نیک شخص کے طفیل یا برکت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جائے مثلاً اے اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل یا برکت سے میرا فلاں کام کر دے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر متقدمین (پہلے زمانے کے) فقہاء نے کوئی خاص بحث نہیں کی ہے۔ اور جو حضرات اس کو منع فرماتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ توسل، آئمہ مقبوعین (یعنی وہ بڑے امام علما جن کی امت مسلمہ نے پیروی کی ہے) کے ہاں نہیں تھا۔ اور اپنے قول کی تائید میں مذکورہ بالا حنفی فقہاء اور دیگر علمائے کرام کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ حضرات جو اس قسم کے توسل کے قائل ہیں وہ مخالفین کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ متقدمین میں سے کسی نے بھی اس کو منع نہیں فرمایا اور اس بات کی تائید بھی بعض فقہاء سے ظاہر ہوتی ہے جس کی بنا پر وہ کہتے ہیں کہ یہ توسل متقدمین فقہاء کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے۔ جیسا کہ حنابلہ کی کتابوں میں ہے۔

وَيَجُوزُ التَّوَسُّلُ بِصَلَاةٍ وَفِيلٌ
یعنی نیک شخص کے ذریعے توسل جائز ہے اور

يَسْتَحِبُّ قَالَ أَحَدُهُ فِي مَسْئَلَةِ الذُّهْرِ
كَتَبَ لِلْعَمْرِؤِ ذِي الْأَنْدَلُسِ سَلَامًا بِالنَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي دُعَائِهِ وَ
جَزْمِهِ فِي الْمُسْتَوْعِبِ وَغَيْرِهِ ۱۰۵
الفرق ج ۱ ص ۵۹۵ وكذا في الكشاف القناع

کیا گیا ہے کہ مستحب ہے (حضرت امام احمد
مناسک حج میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے ذریعہ سے توسل کیا کریں اور کتب
مقابلہ المستوعب وغیرہ میں اس پر تاکید کی گئی
ہے۔ اس پر یقین کیا گیا ہے۔

اکثر حنبلی فقہا نے اس قول سے یہی اختلاف فی توسل ہی مراد لیا ہے۔ البتہ آج
کل کے اکثر علمائے حنابلہ کا وہی نظریہ ہے جو حافظ ابن تیمیہ کا ہے۔ اور وہ امام احمد
رحمہ اللہ کے اس قول کی تاویل کرتے ہیں جیسا کہ حامد فقہی نے کشاف القناع پر تعلق
کر کے لکھا ہے۔

يُرِيدُ أَنْ مَامَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ
التَّوَسُّلُ بِطَاعَتِهِ وَاتِّبَاعِ هُدًى بِهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا التَّوَسُّلُ بِجَاهِهِ -
یعنی امام احمد رضی اللہ عنہ کی مراد یہاں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع والماعت کرنے کے
ذریعے توسل کرنا ہے نہ ان کی جاہ (مرتبہ)

لیکن حامد فقہی نے امام احمد کے قول کی جو تاویل کی ہے وہ حقیقت سے دور
معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ حضرت امام نے تو صاف طور پر لکھا ہے کہ دعائیں آپ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ذریعہ توسل کیا کریں
اسی طرح امام شافعی کے بارے میں تاریخ خطیب میں ہے جس کو عقود الحاکم
میں بھی نقل کیا گیا ہے کہ:

حَسَنُ الْبُوعَبْدِ اللَّهُ وَأَبُو خَلِيبٍ بَعْدَ أَبِي عَلِيٍّ بْنِ أَبِي
سَعْدٍ رَوَيْتَ كَرْتَهُمْ هُوَ فَرَمَاتِهِ تَحْتَهُ كَرْمِ
نَ امَام شَافِعِي سَ سَنَا هَ وَهَ كَتَ تَحْتَهُ
كُ مِ امَام ابُو خَلِيبَ كَ ذَرِيعَ سَ تَبَرَكُ
حاصل کرتا ہوں۔
امام شافعی کے لئے

رَوَى الْقَاضِي أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الصَّمِيدِيُّ
وَالْخَطِيبُ عَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ يَمِينٍ قَالَ
سَمِعْتُ الشَّافِعِي يَقُولُ إِنِّي لَا تَبْرُكُ
بِأَبِي خَلِيبَةَ رَعَوْدُ الْحَاكِمِ ص ۳۶۲

اسی طرح دیگر متقدمین تقماتے کرام کے اور اقوال بھی موجود ہیں جن سے ثابت کیا جاتا ہے کہ توسل کی یہ قسم ان کے یہاں مروج تھی اور انہوں نے اسے منع نہیں فرمایا لیکن حقیقت یہ ہے کہ متقدمین علمائے اس قسم کے توسل پر کوئی واضح بحث نہیں کی ہے جس سے اس مسئلہ کی صحیح اور صاف نشاندہی ہو سکے۔ متاخرین (بعد کے دور میں آنے والے علماء کے اکثر علماء کی راستے یہ ہے کہ یہ مسئلہ صاف صحاحین میں موجود تھا، وہ ثبوت میں بعض احادیث اور ایسے قرآن مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روح مبارک پر سلام کرنا یا وہاں جا کر دعا کی درخواست کرنا وغیرہ پیش کرتے ہیں، امام ابو حنیفہؒ سے بھی کچھ اشعار اس بارے میں نقل کئے گئے ہیں، لیکن اشعار کا اعتبار اس مسئلہ میں اس لئے نہیں کیا جاسکتا کہ اکثر وہ غلطہ حال و محبت، اہل شوق یا بدعتی کے غم کی وجہ سے ہو سکتے ہیں۔

اور جو حضرات یہ فرماتے ہیں کہ توسل کی یہ قسم متقدمین اور ائمہ کے ہاں نہیں تھی وہ عدم جواز پر متقدمین کے ایسے اقوال پیش کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی قسمینے (جاشیہ صغیرہ کثرتہ) کہ ہمتو والیمان فی مناقب الامام اعظم ابی حنیفۃ النعمان المروزی الکبیر (شیخ الاسلام محمد بن یوسف الصائمی الذمشقی الشافعی - مکتبہ الامان السمانیہ - المدینۃ المنورہ) نے اس قسم کی روایات کا تعلق مسئلہ استنحاج سے ہے۔

یہی حال ان غائبانہ خطابوں کا ہے جو بعض صادق زبانوں سے نکلی ہیں مثلاً یا رسول اللہ! یا محمد! واہ محمد وغیرہ۔ یہ سب کچھ اہل محبت یا حسرت وغیرہ میں ہوا کرتے ہیں۔ جیسے مشفق ماں اپنے بچے کی وفات کے بعد اس کا نام پکارتی ہے شہداء اپنے اشعار میں پیاروں، جنگلوں، پہاڑوں وغیرہ کو خطاب ہوتے ہیں عشاق اپنے محبوبوں کو غائبانہ پکارتے ہیں حالانکہ یہاں کسی خطاب اور پکار کے واقعہ غدار پکار، مقصود نہیں ہوتی، اور نہ ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ (یعنی جسے پکارا جاتا ہے) میری پکار کو سن رہا ہے، بلکہ یہ تو ایسی خطاب و پکار ہوا کرتی ہے جو عشق و محبت یا حسرت وغیرہ کی وجہ سے زبانوں پر جاری ہوتی ہے اور بیجا ہر ہے کہ ایسی غدار پکار پر نہ تو واقعی احکام جاری ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ایسے خطابوں سے غائبانہ استنحاج اور توسل پر استدلال کرنا صحیح معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم

کے بارے میں ہیں یا مخلوق کے حق کے ذریعہ سے دُعا مانگنے کی ممانعت پر وارد ہوتے ہیں۔ بالائیکہ متقدمین علماء نے ممانعت کی وجہ بھی مخالف بیان فرمائی ہے تاکہ کسی کو یہ وہم نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی مخلوق کا حق ثابت ہے۔ ان کا قول واضح ہے إِنَّهُ لَا حَقَّ لِمَخْلُوقٍ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى۔ اللہ تعالیٰ پر کسی مخلوق کا کوئی حق نہیں۔ اب توسل کی اس قسم کو ناجائز کہنے والے حضرات درحقیقت مختلف مسائل کو غلط ملط کر رہے ہیں۔ اور فی الحقیقت متقدمین کے بعض افعال و اقوال اسی توسل کے جائز ہونے کی تائید کرتے ہیں جیسا کہ اوپر گزر چکا، حضرات امام احمد و امام شافعی وغیرہ کے بارے میں۔

اسی طرح متاخرین علماء کی اکثریت نے اس کے جواز کی تصریح کی ہے۔ بعض نے اس پر مستقل رسالے لکھے ہیں حتیٰ کہ بعض علمائے احناف (جو کہ شرک و بدعت کے معاملہ میں نہایت حساس واقع ہوتے ہیں انہوں نے بھی اس کے جواز پر تصریح کی ہے جیسا کہ علامہ قاری اپنی آخری تصنیف "شرح النکاح" میں لکھتے ہیں۔

قَالَ وَيُحَرِّمُ أَنْ يُقَالَ فِي دُعَائِهِ بِحَقِّ
فُلَانٍ يَبْتَغِي كَذَا أَوْ قَوْلًا أَوْ بِحَقِّ الْبَيْتِ
أَوْ الْمَشْرِعِ الْحَرَامِ لَهُ تَعَالَى كَرَحْنٍ لِلْخَلْقِ
عَلَى اللَّهِ لَكِنْ قَدْ يُقَالُ أَنَّهُ لَا حَقَّ لَهُمْ
وَجَوْزًا مِنْ أَصْلِهِ لَكِنْ اللَّهُ جَعَلَ لَهُمْ
حَقًّا فَضْلًا أَوْ مِيرَادًا بِالْحَقِّ الْحَرَمَةِ
وَالْعُظْمَةِ فَيَكُونُ مِنْ بَابِ التَّوَسُّلِ
وَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَابْتَغُوا الْبَرَكَاتِ
وَقَدْ عُدَّ مِنْ آدَابِ الدُّعَاءِ التَّوَسُّلُ
بِالْأَنْبِيَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ عَلَى مَا فِي الْحَصِينِ
الْحَصِينِ جَاءَ دُعَايُهُ اللَّهُمَّ إِنِّي

کہا گیا ہے کہ حق فلاں چاہے نبی ہو یا ولی اللہ
یا حق بیت اللہ یا حق مشعر الحرام دعائیں کہنا حرام
ہے کیونکہ مخلوق کا کوئی حق اللہ پر نہیں ہے لیکن
کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر مخلوق کا کوئی حق واجب
نہیں ہوتا اس کے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے
لئے حق اور فضل مقرر کر دیا ہے یا اس سے
میراد ان کی حرمت اور عظمت کے ذریعہ سے
(سوال کرنا) ہے پس یہ وسیلہ کے باب (دار) میں
میں ہو جائے گا (اور) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ
اللہ تعالیٰ کے لئے وسیلہ دوھنڈو اور انبیاء اور
اولیاء کے ذریعہ سے التوسل کرنا دعا کے آداب

أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ
وَبِحَقِّ مَسْأَلِيكَ فَإِنِّي لَمْ
أَخْرُجْ أَشْرًا قَدْ لَبِطُوا أَوْ لَا
بِرِيَاءٍ وَلَا لِمَنْعَةٍ ... الحديث

(شرح النقاہ ج ۲ ص ۱۹۶ و فی الطحاوی علی
الدر المختار ص ۴۲ ص ۱۹۹)

میں سے ہے عیا کہ حدیث شریف میں آیا ہے
کہ اسے اللہ میں بخیر سے سوال کرتا ہوں اس حق
کے ذریعہ سے جو سائلین رہا نکلے والوں کا بخیر پر
بننا ہے اور سوال کرتا ہوں اس حق کے ذریعہ سے
جو تیری رضا کے لئے میرے پہلے کی وجہ سے
(تجربہ پرست) پس میں نہیں نکلا ہرگز نہیں نکلا فخر
کی وجہ سے اور نہ بخیر کی وجہ سے۔

اور علامہ کشمیری رحمہ اللہ کو اس مسئلہ میں کچھ تردد ہے، وہ فرماتے ہیں۔
یہ تو سائل متاخرین کے نزدیک جائز ہے اور حافظہ
ابن تیمیہ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ میں خود
اس میں متردد ہوں کیونکہ ابن تیمیہ نے حضرت
امام (ابو حنیفہؒ) کا قول تجربہ قدوری سے نقل کیا
ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے اسمائے مبارک کے
بغیر (پکارے) کسی مخلوق کی قسم دینا جائز نہیں
پس حافظہ نے اللہ تعالیٰ کو قسم دینے کی ممانعت
کو نبیا دینا کہ تو سائل کی نفی کی ہے پس اگر تو سائل
رکاعہ طلب (اللہ تعالیٰ کو قسم دینا ہے) پھر تو مسئلہ
ایسا ہی ہے جیسے کہ حضرت حافظہ فرماتے ہیں۔

وَهَذَا التَّحْوِجُ جَائِزٌ عِنْدَ الْمَتَأَخِّرِينَ
وَسَمِعْتُ عَنْهُ الْإِمَامَ حَفْظَ رَحْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى
ابْنَ تَيْمِيَّةٍ وَارِثِي مَقَرِّ قَوْلِهِ بِرَدِّهِ إِلَى
إِعْبَارِ تَوْعَيْنِ الْإِمَامِ مِنْ تَجْرِيدِ الْقَدُورِيِّ
إِنَّ إِلَهَ قَسَامٍ عَلَى اللَّهِ الْبُخْبَارِ أَسْمَاءُ
لَا تَجُوزُ قَسَمُكَ بِنَفْيِ الْإِلَهِ قَسَامٍ عَلَى
كُنْفِي التَّوَسُّلِ فَإِنْ كَانَ التَّوَسُّلُ أَسْمَاءُ
فَالْهَ سَأَلَ لَكُمَا ذَهَبَ إِلَيْهِ ابْنُ تَيْمِيَّةٍ
رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى وَإِنْ لَمْ يَكُنْ أَسْمَاءُ
يَبْتَغِي جَائِزًا - (ابو فضل الباری ص ۱۷۳۹)

اور اگر تو سائل اللہ تعالیٰ کو قسم دینا نہیں پھر مسئلہ ہائے ماضی رہتا ہے۔
اور دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں ترمذی شریف کی روایت میں ہے
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو جو اندھا تھا ان کلمات سے تعلیم دی اسے
اللہ تیرے سامنے تیرے نبی محمد کے وسیلہ سے جو نبی رحمت ہے التجا کرتا ہوں پھر
آگے (اعرابی نے) عرض کیا۔ اے اللہ تو ان احسن و صلی اللہ علیہ وسلم کی سناڑن کو میرے

حتیٰ میں قبول فرما فُتِبَتْ مِنْهُ التَّوَسُّلُ الْغَرَضُ الْيُضَاهَا وَجِبَتْ بِذَلِكَ الْخَافِظُ
ابْنُ تَيْمِيَّةٌ تَطَاوُلَ وَتَوَاسَّيَ قَوْلُ تَوَسُّلٍ مَحْضٍ ثَابِتٌ هُوَ كَيْلَا لِمَا حَافِظُ ابْنِ تَيْمِيَّةٍ
کاس سے انکار زیادتی ہے دفعہ الباری ج ۴ ص ۶۸

یہاں علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نظریہ ایسے مسائل میں ابن تیمیہ اور ان کے
شاگردوں سے ملتا جلتا ہے۔ وہ ان مسائل پر گہری تحقیق کرتے ہوئے توسل کی اس
نوع کے بارے میں لکھتے ہیں۔

وَبَعْدَ هَذَا أَكَلَدَ أَنَا لَا أَرَىٰ بَأْسًا فِي التَّوَسُّلِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى بِجَاهِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى حَيَا وَمِيثَاقًا وَبِرَّادِ مَنَ الْجَاهِ مَحْضٍ مِيرَاجِ إِلَى صِفَةِ
مَنْ صَفَانَهُ تَعَالَى، مَثَلُ أَنْ يَرَىٰ بِهِ الْمَحَبَّةَ التَّامَةَ الْمُسْتَدْعِيَّةَ عِلْمًا رَدًّا وَقَبُولَ
شُعَائِهِ، فَيَكُونُ مَعْنَى قَوْلِ الْعَاقِلِ إِلَهِي أَوْسَلْ بِجَاهِ نَبِيِّكَ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ أَنْ أَسْتَعِثَّ لِي حَاجَتِي بِهِ، إِلَهِي اجْعَلْ مَحَبَّتَكَ لِي وَسِيلَةً فِي قَضَائِ حَاجَتِي، وَلَا فَرْقَ
بَيْنَ هَذَا وَقَوْلِكَ: إِلَهِي أَوْسَلْ بِرَحْمَتِكَ أَنْ تَفْعَلَ كَذَا إِذَا مَحْضًا لَا يُضَاهَا إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى جَعَلَ
رَحْمَتَكَ وَسِيلَةً فِي فِعْلِ كَذَا، بَلْ لَا أَرَىٰ بَأْسًا أَيْضًا بِالْإِقْسَامِ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى بِجَاهِهِ
صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْمَعْنَى وَالْكَلَامُ فِي الْحَرَمَةِ كَالْكَلَامِ فِي الْجَاهِ، وَلَا يَجُوزُ
ذَلِكَ. فِي التَّوَسُّلِ وَالْإِقْسَامِ بِالذَّاتِ، أَلْبَحَثُ، لَعَلَّ لِمَا يَصْهَدُ التَّوَسُّلَ بِالْجَاهِ وَالْحَرَمَةَ
عَنْ أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ وَلَعَلَّ ذَلِكَ كَانَ تَحَاشِيًا لِمَنْ هُوَ عَمَّا يَخْشَى
أَنْ يَلْقَى مِنْهُ فِي إِذْهَانِ النَّاسِ إِذْ ذَاكَ. وَهُوَ قَرِيبٌ مِمَّا يَصْهَدُ بِالتَّوَسُّلِ بِالْإِقْسَامِ شَيْءٌ
ثُمَّ أَتَدْرِي بِمَنْ هُوَ مِنْ خَلْقِهِ مِنْ الْأَوَّلَةِ الْعَاقِلِينَ، وَقَدْ تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الْكَلِمَةَ وَمَا سَبَّحَ عَلَى قَوَاعِدِ ابْنِ هَيْوَةَ لَكُونِ الْقَوْمُ حُدُوثًا عَمَلًا
يُكْفَرُ كَمَا ثَبَتَ ذَلِكَ فِي الصَّحِيحِ، وَهَذَا الَّذِي ذَكَرْتَهُ أَيْضًا هُوَ لَمْ يَمُضَ فَمِنْ الْحَرَمِ عَنْ
النَّاسِ وَالْعُقَاةِ مَنْ دَعَا إِلَى تَضْلِيلِهِمْ كَمَا يَرَى عَمَلَهُ الْبَعْضُ. فِي التَّوَسُّلِ بِجَاهِ عَرِيقِ
الْجَاهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا لِيَعْلَمَ إِلَى أَنْ أَدْعَا، كَذَلِكَ أَفْضَلُ مِنْ اسْتِمَالِ الْأَوْجَعَةِ
الْمَأْثُورَةِ الَّتِي جَاءَ بِهَا الْكِتَابُ وَجِئْتُ بِهَا السَّنَةَ السَّنِيَّةَ، فَإِنَّهُ لَا يَسْتَرِيبُ مِنْ صَفِّ فِي

ان ما عندہ اللہ تعالیٰ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و علیہ الصلوٰۃ والسلام
رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تافقا من بعدہم بالقبول افضل واجمع والضع واسلم فقد قبل
ما قبل ان حقا وان کذباً بلقی ہہنا امر ان الاول ان التوسل بمجاہ غیر النبی صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم لا بأس بہ ایضا ان کان المتوسل بمجاہہ مما علم ان لہ جاہ عند اللہ تعالیٰ
کالمقطوع بصلاحتہ و لا یتدد اما من لا تقف فی حقاہ بذلک فلا یتوسل بمجاہہ لما فیہ
من الحکمہ الضمنی علی اللہ تعالیٰ بما لم یعلم وحققہ منہ عز شانہ، و فی ذلک جرآۃ
عظیمۃ علی اللہ تعالیٰ الثانی ان الناس قد اکثر وامن دعا غیر اللہ تعالیٰ من الہ و لیاہ
الہ حیاہ منہم و الہ مرآت و غیرہم مثل یاسیدی فلان اغثنی، و لیس ذلک من
التوسل المباح فی شئی، واللہ یقبح الی المؤمن عدم التوفیہ بذلک وان لا یحرم حول حیاہ
وقد عدہ اناس من العلماء مشرکا وان لو یکتد، فلو قرب منہ فلا یرى احدا ممن
یقول ذلک الہ و هو یعتقد ان المدعو الی الغائب الہ البیت المغیب یعلم الغیب
او یسمع السداد و یقن بالذات او بالخیر علی جلب الخیر و دفع الاذی و الہ لمدادہ
و لا فتمت ناہ، و فی ذلک بلا من ربک عظیمہ قال حزم التجنب عن ذلک و عدم
الطلب الہ من اللہ تعالیٰ القوی الغنی الغنی الغنی لما یرید۔

یعنی اس تمام تر بحث کے بعد بھی مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جاہ پر توسل
الی اللہ میں کوئی مشائقہ نظر نہیں آتا، پاس ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی حالت
میں ہو، یا رحلت فرمانے کے بعد ہو، اور جاہ سے کوئی ایسا معنی مراد لیا جائے گا، جو
اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کی طرف راجع ہو، مثلاً اس سے مراد یہ ہو
کہ ایسی کئی اور سچی محبت جو عدم رد اور قبول شفاعت کا تقاضا کرتی ہو، پس اس صورت
میں قائل کے اس قول "اے میرے اللہ میں توسل کرتا ہوں" آپ کے نبی کی جاہ پر کہ
آپ میری حاجت پوری کریں، کا مطلب یہ ہو گا، اے میرے مولا! تجھے جو محبت آپ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ ہے اس محبت، کو میری حاجت پوری کرنے کا وسیلہ بنادیں، پس
اس قول میں اور آپ کے اس قول میں کوئی فرق نہیں کہ اے اللہ میں توسل کرتا ہوں

آپ کی رحمت پر کہ آپ ایسا کر دیجئے، کیونکہ اس کا مفہوم بھی یہ بنتا ہے۔ اسے اللہ
 اپنی رحمت کو (میرے لئے) وسیلہ بنا دے۔ اس عمل میں بلکہ (میرے نزدیک) حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم کی جاہ پر اللہ کو قسم دینے میں بھی مضائقہ نہیں، اگر سنی دہلے بیان کر دے،
 معنی اختیار کئے جائیں، اور آپ کی حرمت کے ذریعہ سے مانگنے میں ایسا ہی کلام ہے
 جیسا کہ جاہ کے ذریعہ سے مانگنے میں، اور اس جواز کو صرف ذات ہی پر توہل اور اقسام
 میں نہیں جاری کیا جائے گا۔ البتہ یہ ہے کہ توہل بالجاہ کسی صحابی سے مروی نہیں اور
 شاید انہوں نے یہ توہل اس لئے نہیں کیا ہو کہ شرک سے حفاظت ہو، کیونکہ اس وقت
 یہ ڈر تھا کہ یہ چیز ان کے اذنان میں پیوست نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ وہ اس وقت توہل
 پر توہل کے زمانے سے کچھ قریب تھے، پھر آنے والے ائمہ صالحین نے ان کی اقتدی
 کی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کو گرانے اور اس کو دوبارہ حضرت ابراہیم
 علیہ السلام کے طرز اور بنیاد پر بنانے (کے خیال) کو ترک کر دیا تھا، کیونکہ ان کی قوم نماز کفر
 کے قریب تھی جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے، اور میں نے جو جواز ذکر کیا ہے،
 (صرف) اس لئے کہ اس میں لوگوں سے حرج دفع ہو جاتے، اور توہل کرنے والوں
 کی طرف گمراہی کی نسبت کرنے سے بچایا جاتے، جیسا کہ بعض لوگوں کا رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند ہستی پر توہل کرنے کے بارے میں یہ غلط گمان ہے کہ ان پر
 توہل کرنے والے گمراہ ہیں، اور میں نے جو یہ راہ اختیار کی ہے تو اس وجہ سے نہیں
 کہ میرا میلان اسی طرف ہے کہ اس طرح (توہل بالجاہ سے) دُعا مانگنا ان دعاؤں سے
 افضل ہے جو ماثورہ ہیں اور قرآن میں آئی ہیں، اور سنت (مبارک) کی زبان سے
 صراحت کے ساتھ نکلی ہیں، کیونکہ اس بات میں کوئی منصف شک نہیں کرے گا کہ
 جو چیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے تعلیم کی ہے جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے
 عمل کیا ہے اور بعد والوں نے اس کو قبول کیا ہے وہ افضل ہے اور بہت کامل
 پوری ہے اور النفع ہے اور اسلم ہے، اور ہر قسم کے غل و غش سے محفوظ
 (پاک) ہے۔

اسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے آگے نکلتے ہیں

یہاں دو باتیں باقی ہیں ایک تو یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کی جاہ کے ذریعہ پر بھی دعا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ جس کی جاہ پر توسل کیا جاتا ہے وہ ایسے لوگوں میں سے ہو جس کی جاہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ثابت ہو۔ جیسے کوئی یقینی طور پر صالح اور ولی اللہ ہو (مثلاً انبیاء علیہم السلام اور وہ لوگ جن کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر بتایا ہو مثلاً ائمہ شیعہ و مشرک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جس کے بارے میں ولی اور صالح ہونا ثابت نہیں تو اس کی جاہ پر توسل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ پر ایسا حکم لگانا ہے جس کے بارے میں حق تعالیٰ و تبارک کی طرف سے کوئی (رہی) تحقیقی بات نہیں معلوم اس میں اللہ پر ایک عظیم جرات کرنا ہے۔

دوسری بات یہ ہے لوگوں نے غیر اللہ سے مانگنے میں بہت کثرت کی یعنی زندہ یا مژدہ اولیا سے مثلاً یوں کہتے ہیں اے فلاں میری مدد کر اور یہ مباح توسل میں سے نہیں ہے اور مومن کی شان تو یہ ہے کہ وہ اس میں نہ پڑے اور وہ شرک کی حدود کے قریب (بھی) نہ جاتے اور اس کو علما نے شرک میں سے شمار کیا ہے اور اگر یہ شرک نہیں ہے تو اس کے قریب ہے اور میں نہیں دیکھتا کسی کو جو یہ ایسی باتیں کہ اے فلاں میری مدد کر اکتا ہو مگر وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جس کو وہ پکار رہا ہے (چاہے وہ زندہ ہے یا مژدہ وہ غیب کو جانتا ہے اور ہماری ندا کو سنتا ہے اور بذات خود قدرت رکھتا ہے اپنی ذات پر بھی اور غیر پر بھی کو خیر کو حاصل کرے اور مصیبت کو دفع کرے اگر یہ اس کا عقیدہ نہ ہو تو وہ دعا مانگنے والا اس سے دعا نہ مانگتا اور نہ دعا کے لئے منہ کھولتا اور اس غلط طرز عمل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم آزمائش ہے پس یقینی بات یہ ہے کہ اس سے پرہیز کرنا اور اس رب اللہ تعالیٰ و تبارک سے مانگنا چاہیے جو کہ قوی اور غنی ہے اور وہ کرنے والا ہے اس چیز کو جو وہ چاہے وہ فعال لا یرید ہے۔

حضرت حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے دوسری بات یہ کہی تھی کہ یہ توسل در رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل یا جاہ کے ذریعہ سے سوال کرنا، نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس توسل کو اختیار کیا تھا گویا ان کے نزدیک یہ بدعت ہے۔

اس پر وہ حضرت عمر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے واقعات سے استدلال کرتے ہیں جیسا کہ بخاری شریف ابواب الاستسقا میں ہے۔

(۱) عن انس بن مالک ان عمر بن الخطاب کان اذا قحطوا استسقی بالعباد بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ فقال اللهم انا کنا ننسئک الیک بنینا صلی اللہ علیہ وسلم فتسقینا وانا ننسئ الیک بعور بنینا فاستسقنا قال فیسقون (بخاری ج ۱ ص ۱۳۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہو جاتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے اور کہتے اے اللہ تم میرے پاس میری بیوی کا وسیلہ کر آیا کرتے تھے تو تو مجھیں سیراب کیا کرتا تھا اب ہم لوگ اپنے نبی کے چچا یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ کر آتے ہیں۔ میں سیراب کروں گا۔

راوی کہتے ہیں، پھر وہ لوگ سیراب کئے جاتے (یعنی بارش ہو جاتی،)

(۲) اسی طرح شام میں جب لوگوں پر قحط پڑا تو معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت یزید بن اسود قرشی رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کی وہ کہتے تھے اللهم استشفم اوننوسل بخیارنا۔ اے اللہ ہم شفاعت طلب کرتے ہیں یا وسیلہ اختیار کرتے ہیں ان لوگوں کا جو ہم میں سے بہترین سب سے زیادہ نیک ہیں پھر اس کے بعد فرمایا۔

یا یزید ارفع یدک عنہم یدیدہ ودعا الناس حتی یسقوا۔

اے یزید ہاتھ اٹھا، یعنی دعا کر تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور لوگوں نے بھی دعا کی حتیٰ کہ وہ سیراب کئے گئے۔

ان دونوں کے شیخ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان کے ہم خیال حمد است کی بحث کا

خلاصہ یہ ہے کہ:-

اگر وفات کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کے وسیلہ سے دعا مانگنی جائز ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کبھی آپ کو نظر انداز نہ کرتے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجماع کے مجمع میں آپ کا وسیلہ چھوڑ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ کبھی اختیار نہ کرتے، اسی طرح ان کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ چھوڑ کر یزید بن اسود رضی اللہ عنہ کا وسیلہ اختیار کیا، تو یہ واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ کسی بھی مخلوق کی ذات کو توسل کا ذریعہ بنانا جائز نہیں چاہے وہ زندہ ہو یا مردہ، کیونکہ یہاں بھی حضرت عباسؓ کی ذات کو ذریعہ نہیں بنایا گیا اور توسل الیہ بعد نبینا سے مراد توسل الیہ بعد علیہ عقیبنا ہے یعنی ہم لوگ اپنے نبی کے چچا کی دعا کا وسیلہ لے کر آتے ہیں یہاں اُن سے دعا کروانا مقصود محتاذ کہ ان کی ذات پر توسل کرنا۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہاں یہ دعویٰ کرنا کہ لفظ دعا جو مضاف ہے عم یعنی چچا کی طرف، کو حذف کیا گیا ہے، غلط ہے۔ یہ محض ان کے ذہن کی ایجاد ہے حدیث شریف اس سے پاک ہے اس حدیث میں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کو وسیلہ اور واسطہ بنا کر حضرت عمرؓ کا دعا مانگنا ثابت ہوتا ہے اور منکرین توسل اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے ذہن کی ایجاد نہیں بلکہ ان ہی روایات میں اس کا قریب موجود ہے۔ وہ یہ کہ پھر ان ہی حضرات سے دعا کروائی گئی جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں توسل سے مراد صرف ان سے دعا کروائی تھی نہ کہ ان کی ذات پر توسل کرنا۔ اور قائلین توسل کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت معاویہؓ نے یزید بن اسودؓ پر توسل کرنے کے بعد ان ہی سے دعا کروائی اس طرح بعض روایات میں حضرت عمرؓ کے بارے میں بھی یہ آتا ہے کہ پہلے حضرت عمرؓ نے دعا مانگی اور پھر انکی درخواست پر حضرت عباسؓ نے بھی دعا کی جس سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک ایک آدمی دو سے ایک آدمی سے دعا کے لئے گزارش کر سکتا ہے، اگر مردہ اس سے وجہ میں کم

ہو، برے یا پھوٹے ہونے کا فرق نہیں، حدیث ابی صالح میں ہے کہ جب حضرت
 عمرؓ منبر پر رونق افروز ہوئے تو ساتھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما
 ہوئے، پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی۔

اللھم انا تو جھنا الیک بعونک
 وصنوا بیدنا سنا الضیث ولا تجعلنا
 من الخاطیین۔
 اے اللہ ہم تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور
 ان کے باپ کی مثل کے وسیلے سے تیری طرف متوجہ
 ہوتے ہیں ہم پر رحمت کر بارش برسا اور ہمیں
 پاؤں نہ فرما۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا اگر قتل یا
 ابا الفضل کا آپ بھی کچھ فرمائیے اے ابو فضل۔ تو انہوں نے یوں دعا کی جس کا مفہوم
 یہ ہے۔

اللھم لے نزل بلاء الا بذنب
 ولم یكشف الا بتوبة وقد
 توجهت الی القوم الیک بالذنوب
 ولوا صیانا لتوبة فاستننا الضیث
 اے اللہ مصائب کا نزول گناہوں کی وجہ سے ہوتا
 ہے اور یہ مصائب توبہ ہی سے دور ہوتے ہیں تیرے
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھے جو تعلق، عزت و
 منزلت ماسل ہے اسی کے سبب قوم نے مجھے
 آپ کے حضور میں وسیلہ بنایا ہے ہم اپنے گناہ آلودہ ہاتھ پھیلاتے حاضر ہیں اور توبہ و عمارت سے سر
 جھکاتے ہیں پس ہم پر رحمت کی بارش برسا۔

اس سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت عباسؓ پر توسل کے ساتھ ساتھ
 ان سے دعا کروانا بھی مقصود تھا۔

اور علامہ الزرقانی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے
 فاتخذ وہ یعنی العباس (وسيلة الى الله یعنی حضرت عباسؓ کو اللہ تعالیٰ کے
 لئے وسیلہ پکڑو۔ بلکہ الاستیعاب میں ابن عبد البرؒ نے استفادہ عمر رضی اللہ عنہ کا سبب
 بھی بیان کیا ہے۔

کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں سحار (امداد) میں بہت سخت قحط پڑ گیا۔ فقال

کعب بن یاسر امیر المؤمنین ان بنی اسرائیل کا نذا اذا اصابہ مثل هذا استسقا
 بعضہ الا نبیاء فقال عمرؓ هذا عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصنوا بہ
 وسید بنی ہاشم وفتی الیہ عمرؓ وشکا الیہ تو حضرت کعبؓ نے حضرت
 عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا اے امیر المؤمنین جب بنی اسرائیل ایسی معیبت میں
 مبتلا ہوتے تو انبیاء علیہم السلام کی جماعت کے ذریعے توسل کرتے تو حضرت عمر
 رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور مثل باپ ہیں اور
 بنی ہاشم کے سردار ہیں پس ان کے پاس پہلے گئے اور اس قحط کی شکایت کی جس
 سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں توسل بالذات ہے جو کہ قرابت رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کی وجہ سے ہے۔

جب توسل بالذات ثابت ہو جاتا ہے تو اس حدیث کی وجہ سے جواز
 توسل کو صرف زندوں کے ساتھ خاص کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ مانگنا تو اللہ تعالیٰ
 ہی سے ہے۔ زندہ شخصیت پر توسل تو اس لئے کیا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا
 نیک اور مقرب و مقبول بندہ ہے۔ اگر وہ وفات پا جاتا ہے تو موت کے ساتھ
 اس کی نیکی اور مقبولیت تو زائل نہیں ہو جاتی کہ ان کے مرنے کے بعد توسل کو لغو
 یا ناجائز قرار دیا جائے۔

پس حضرت عباسؓ کے واسطے سے دعا کرنے سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے
 کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے توسل صحابہؓ کے ہاں ناجائز تھا۔ اور نہ ہی انہوں
 نے وضاحت کی ہے کہ آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کا وسیلہ اختیار کرنا چوں کہ جائز
 نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے مجبوراً آپؐ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنایا۔ بلکہ
 حدیث میں یہ جملہ قابل غور ہے: "انا توسل الیک بعلم نبینا ہم تیرے حضور میں اپنے
 نبی کے چچا کا وسیلہ لے کر آتے ہیں۔" نہیں کہا گیا کہ ہم تیرے حضور میں عباس بن
 عبد المطلب یعنی عباس جو بیٹا عبد المطلب کا ہے کا وسیلہ لے کر آتے ہیں جس
 سے معلوم ہوتا ہے اس میں بھی دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو وسیلہ بنایا گیا ہے۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کا اظہار کیا گیا ہے۔ بلکہ اس حدیث مبارک سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ توسل زیادہ نیک آدمی یا فاضل کی موجودگی میں بھی ایک کم درجہ کے نیک آدمی یا مفضل کے ذریعے بھی جائز ہے جیسا کہ کسی سے دعا کی درخواست کرنا، فاضل اور مفضل دونوں سے جائز ہے۔

اور اس کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایات سے تو صاف ظاہر یہ ہے کہ مقصود ان حضرات کا حضرت عباسؓ اور حضرت یزید بن اسودؓ کے وسیلہ اور ذریعہ اللہ تعالیٰ سے بارش کی درخواست کرنی تھی، اور اس کے لئے انہی حضرات سے دعا کروانی تھی۔ نہ کسی ذات پر توسل کرنا تو ان روایات میں اس کا بہت کم احتمال ہے۔ مگر غرض مذکورہ بالا روایات میں تنہا ان دونوں کے لئے بحث مباحثہ کی کافی گنجائش موجود ہے۔ اور جو لوگ توسل کا انکار کرتے ہیں وہ طبرانی وغیرہ کی ایک حدیث سے اس کے منع پر استدلال کرتے ہیں وہ یہ ہے۔

ایک منافق مسلمانوں کو تکلیف پہنچایا کرتا تھا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قوموا نستغیث برسول اللہ من هذا المنافق فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا نستغاث بی وانما نستغاث باللہ، چلو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اہل منافق کے خلاف فریاد لے جائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فریاد مجھ سے نہیں کی جاتی، فریاد تو خاص اللہ تعالیٰ ہی سے کی جاتی ہے۔ اس حدیث کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اگر اس کو مانا

لے وہ راستے میں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب بھی خطا ہوتا اس کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر استدعا و بارش مانگنے کی دعا کرتا، ان کو دواں مانتے کہنا، اللہ تعالیٰ آرائی کے بارے میں انہی سے دعا کرتا، تو یہ سب اہل ایسی ہیں جن سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا توسل حضرت عباسؓ پر نہ تھا کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے تھے، ان کی ذات کو وسیلہ بنا کر، خود اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرتے، اللہ آپ کے بچہ کے فضیلے پر بارش اتار دے۔

درخواست کی جائے مگر اس کی شخصیت پر توسل کرنا۔

قائلین توسل کے دلائل | الغرض جن احادیث سے حافظ ابن تیمیہ اور ان کے ہم خیال متنازع فیہ توسل کے منہ پر استدلال کرتے

ہیں انہی روایات اور متقدمین کے اقوال سے ان کے مخالفین اس کا جواز ثابت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ توسل کے قائلین قرآن مجید کی آیات، احادیث اور آثار بھی جوازیں پیش کرتے ہیں، جن میں سے چند حوالے پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۱) لَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَاللَّهُ مُصَدِّقُ لِمَا مَعَكُمْ وَكُنْتُمْ أَكْثَرُ مَنْ قَبِلَ لَمَّا فَتَحُوا عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ شَاعِرُوا كُفْرًا إِذْ فَتَحُوا عَلَى الْكَافِرِينَ۔
اور جب آئی ان کے پاس کتاب قرآن مجید تو تصدیق کرتی ہے اس کتاب تورات کی جو ان کے پاس ہے اور وہ اس سے قبل اس کی برکت سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو پھر جب ان کے پاس وہ نبی آئے جسے وہ جانتے تھے تو انکار کر دیا اس

سورۃ البقرہ آیت نمبر ۸۵ کے ماننے سے سوچنے کا یہ کفر کرنے والا ہے۔
یہاں یہود کے دانستہ کفر اور تعصب کی ایک مثال بیان کی گئی ہے۔ تورات اور انجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو بشارتیں موجود تھیں، ان کی وجہ سے یہود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا شدید انتظار کر رہے تھے، اور اپنے دینی و دنیاوی مقاصد میں کامیابی اور اپنے مخالفین پر فتح مندی کو آپ کی بعثت پر منحصر سمجھتے تھے وہ اللہ تعالیٰ سے جس طرح فتح طلب کرتے تھے اس کے بارے میں مختلف اسباب نزول آئے ہیں، ان میں سے دو کو عام طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ اور یہ دونوں باقی شان نزول سے زیادہ قوی ہیں۔ پہلی شان نزول علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ کی روایت سے نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے اوس اور خزرج کے مشرکین پر اللہ تعالیٰ سے فتح مانگتے تھے جیسا کہ سہمی سے روایت ہے کہ جب ان کے اور مشرکین کے درمیان جنگ سخت ہو جاتی اور فتح کی کوئی

ظاہری صورت نہ رہتی تو اس وقت تو رات کو سامنے رکھ کر کہتے اور ان مقامات پر ہاتھ رکھ کر دعا کرتے، جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور کمالات کا ذکر ہوتا دُعا یوں کرتے۔

اللہم انا نستلک بحق نبیک الذی وعدتنا ان نبعتہ فی آخر الزمان ان تنصرونا الیوم علی عدونا فلینصرون
 اے اللہ ہم تجھ سے تیرے اس نبی کے حق یعنی حرمت اور طفیل سے بہت سوال کرتے ہیں جس کی بعثت کا قول ہم سے وعدہ کیا ہے کہ آج تو ہمیں اپنے دشمن پر فتح دے پس ان کی مدد کی جاتی

حاکم اور ہیثمی نے ایک ضعیف سند سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کی روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ خیر کے یہود دشمن کے مقابلے میں اس طرح دعا کرتے تھے۔

اللہم انا نستلک بحق محمد النبی الامی الذی وعدتنا ان نخرجہ لنا فی آخر الزمان
 اے اللہ ہم تجھ سے اُمّی نبی محمد کے حق یعنی حرمت طفیل سے بہت سوال کرتے ہیں، وہ نبی اُمّی کا قوسے ہمارے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ تو اس کو

ہمارے لئے آخری زمانہ میں مبعوث فرمائے گا۔

اس کے علاوہ تفسیر کبیر میں علامہ رازی نے اس آیت کی شان نزول میں پانچ وجوہ تشریح کی ہیں۔ ان میں سے دو ایسی ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہود کا توسل کرنا ثابت ہوتا ہے، اور تفسیر ابن کثیر میں بھی اس کے قریب قریب روایت نقل کی گئی ہے۔ اگرچہ ان کے نزدیک ترجیح دوسری روایت کو معلوم ہوئی ہے اسی طرح تفسیر علامہ ابی مسعود اور امام السیوطی نے بھی اپنی تفسیر میں کچھ ایسی روایتیں جمع کی ہیں جن میں بعض سے توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم صراحت ثابت ہوتا ہے۔

(دیکھئے الدر المنثور ج ۱ ص ۱۸۸)

دوسری وجہ سبب نزول میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اہل کتاب اپنی ترقی اور فتنہ کا انحصار آپ کی بعثت اور تشریف آوردی پر سمجھتے تھے اور مشرکین عرب سے کہتے تھے

کہ عنقریب محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائیں گے تو ہم ان کے ساتھ مل کر تم کو ختم کر ڈالیں گے۔ جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں اس کو قنادہ سے نقل کیا گیا ہے اور ابوالعلاء رحمہ اللہ سے بھی اس کی یہی تفسیر منقول ہے کہ:-

كانت اليهود تستنصر بمحمد
صلى الله عليه وسلم على مشرك
العرب فيقروا ان الله هو البعث
هذا النبي الذي نبأه ملكوتنا
حتى نعذب المشركين ونقتلهم

یہود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے مشرکین
عرب کے مقابلہ میں نصرت طلب کرتے تھے کہتے
تھے اے اللہ! بھیج یہ نبی جس کا ذکر ہم زبور و
انجیل میں اپنے پاس لکھا ہوا پاتے ہیں تاکہ ہم
مشرکین کو عذاب دیں۔ اور ان کو قتل کر دیں۔

(ابن کثیر ج ۱ ص ۱۲۴)

اسی طرح تنویر سے فرق کے ساتھ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت منقول ہے۔

الغرض اہل کتاب کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے فتح و نصرت طلب کرنے کا مطلب ان روایات سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ آپ عنقریب دنیا میں تشریف لائیں گے تو ہم ان کے ساتھ ہو کر مشرکین کے خلاف جنگ کریں گے اور ان پر فتح حاصل کریں گے پس وہ اللہ سے یہی سوال کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس نبی موعود کو جلدی بھیج دے تاکہ ان کو فتح حاصل ہو جائے۔

اب جو حضرات توسل کو منع فرماتے ہیں وہ اس دوسری روایت کو لیتے ہیں اور سبب نزول کی پہلی مذکورہ روایت کو دوسری کی نسبت کمزور سمجھتے تھے جب دوسری روایت زیادہ قوی ہوتی تو اس آیت سے توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم پر استدلال صحیح نہیں بلکہ بعض مفسرین نے اس آیت کریمہ کی تفسیر یہ کی ہے کہ آپ کی بعثت سے قبل وہ آپ کے اوصاف حمیدہ بیان کرتے تھے ایک نبی آنے والے ہیں اور ایک کتاب لانے والے ہیں مگر آپ کی بعثت کے بعد وہ منکر ہو گئے لیکن اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہاں ان دونوں روایتوں میں تعالیٰ یا تضاد کی کوئی وجہ نہیں کہ ایک کو تو

مان لیا جاتے اور دوسری کو مکمل طور پر خارج کر دیا جاتے، بلکہ دونوں روایتیں اپنی جگہ صحیح ہو سکتی ہیں۔ اہل کتاب آپ کی ذات مبارک کو توسل کا ذریعہ بھی بناتے ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی دعا بھی کرتے ہوں گے اور یہی بات اس دوسری تفسیر کے بارے میں بھی کہی جاتی ہے کہ اہل کتاب مشرکین عرب کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ بیان کرتے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے دعا بھی مانگتے۔ اس میں تقابل و تقارض نہیں، اسی طرح جتنی تفسیریں اور اسباب نزول بیان کئے گئے ہیں ان میں سے کوئی تضاد ایسا نہیں کہ ایک کو مان لیا جاتے تو دوسرے کے لئے کوئی گنجائش نہ رہے، بلکہ حافظ ابن تیمیہ کے شاگرد حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی بدائع الفوائد میں پہلی تفسیر کو نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں ان اليهود ویحارون جیرانہم من العرب فی الجاہلیہ ویستنصرون علیہم بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل ظہور کافیتہم لہم وینصرون علیہم۔ (بدائع الفوائد ج ۲ ص ۱۳۵)

زمانہ جاہلیت میں یہود اپنے عرب پڑوسیوں سے لڑتے تھے اور انہیں تعالیٰ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یعنی ان کے وسیلے سے نصرت اور مدد طلب کرتے تھے تو ان کو فتح ہو جاتی اور ان کی مدد کی جاتی۔

قائلین کا احادیث سے استدلال | ۱۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب (مبول کمر) لغزش ہوتی رہی تھی وہ جہنم سے جنت سے دنیا میں بھیج دیتے تھے تو ہر وقت روتے تھے اور دعا و استغفار کرتے رہتے تھے، ایک مرتبہ آسمان کی طرف منہ کیا اور عرض کیا: اسئلک بحق محمد وعلیہ السلام۔ اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں، وحی نازل ہوئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون پرکھ دے گا تو نے استغفار کیا، عرض کیا کہ جب آپ نے مجھے پیدا کیا تو میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ تو میں سمجھ گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مخلوق میں اونچی ہستی نہیں ہے جن

کا نام آپ نے اپنے نام کے ساتھ رکھا ہے۔ وحی نازل ہوئی کہ وہ خاتم النبیین ہیں
 تمہاری اولاد میں سے ہیں لیکن وہ نہ ہوتے تو تم پیدا نہ کئے جاتے۔
 اس کے جواب میں منکرینِ توہل فرماتے ہیں کہ پہلے تو یہ حدیث بہت کمزور
 ہے دوسرے یہ کہ قرآن مجید کے متعال ہے اس لئے اس پر کسی طرح استدلال نہیں
 ہو سکتا۔ قرآن مجید اور دوسری صحیح احادیث میں حضرت آدم علیہ السلام کی جو دعائیں مذکور
 ہیں ان میں اس کی طرف اشارہ تک نہیں۔

لیکن اس اعتراض کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ فی الواقع حضرت آدم علیہ السلام
 نے اس وقت کیا کیا دعائیں کی ہوں گی اور کس کس طرح سے گزر گئے ہوں گے۔
 اس بارے میں بہت سی روایات وارد ہوتی ہیں۔ اور ان میں کوئی تعارض اور تعادل
 نہیں، کیونکہ جس پر مالک کی ناراضگی ہو وہی جانتا ہے کہ اس کے دل پر کیا گزر رہی ہے
 پھر ایسے شخص پر جس کو فرشتوں سے سجدہ کروایا، اپنا مقرب بنایا، جو شخص جتنا مقرب
 ہوتا ہے اتنا ہی عتاب کا اثر اس پر زیادہ ہوتا ہے، بظریعہ کفایت ہو اور وہ تو نبی
 تھے حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام اتنے روستے تھے کہ تمام
 دنیا کے آدمیوں کا رونا اگر جمع کیا جائے تو ان کے برابر نہیں ہو سکتا چالیس سال تک
 سر اوپر نہیں اٹھایا اس لئے اگر دوسری دعاؤں کے ساتھ یہ بھی ہو کہ انہوں نے حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اختیار فرمایا ہو تو اس میں تعارض اور تضاد کی بات نہیں البتہ
 حدیث ضعیف ضرور ہے لیکن اس توہل کے بارے میں اور احادیث بھی ہیں جن سے
 اس کی تائید ہو سکتی ہے۔

۲۱ عن امیہ بن خالد بن عبد اللہ حضرت امیہ بن خالد بن اسید نبی کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ

لے اخبرہ الطبرانی فی الصغیر والحاکم والبیہقی کلاہما فی الدلائل وابن عساکر فی الدرر فی تاریخ العرب
 واد الطبرانی فی الاوسط وغیرہ من لم اعرفہ۔

علیہ وسلم انہ کان یستفتح بصحبا لیل
المہاجرین۔
علیہ وسلم فقرہ مہاجرین کے ذریعہ اللہ تعالیٰ
و تبارک سے فتح طلب کرتے تھے۔

رواہ فی شرح السنۃ مشکوٰۃ باب فضل الفقراء

اور ملا علی قاری رحمہ اللہ ابن ملک رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ
صلی اللہ علیہ وسلم فقرائے مہاجرین کے توسل سے اس طرح دعا مانگتے تھے۔
اللہم انصرنا علی الاعداء بحق
عبادک الفقراء المہاجرین۔
اسے اللہ تعالیٰ مدد فرما دشمنوں کو کفار کے
مقابلہ میں نیز یہ فقرائے مہاجرین بندوں کے حق
(وسیلاً) سے۔
(المرقاۃ کتاب الرقاق)

اور شیخ عبدالحق اشعث اللصحات میں یوں نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ
وسلم دعا میں اس طرح کہتے۔
اللہم انصرنا بالفقراء المہاجرین۔
اسے اللہ تعالیٰ مدد فرما فقرائے مہاجرین کی
برکت یا وسیلہ سے۔

اس سے منکرین توسل یہ جواب دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فقرائے مہاجرین
کی دعا کے ذریعہ فتح مانگتے تھے نہ یہ کہ ان کی ذات پر توسل فرماتے تھے۔
اس بات کو قائلین توسل رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اور
حدیث شریف سے تو یہی توسل معلوم ہوتا ہے اور اس پر مرقعات اور اشعث اللصحات
کے حوالوں کی شہادت بھی موجود ہے۔

منکرین توسل کی طرف سے جواب یوں دیا جاتا ہے کہ دعویٰ بلا دلیل نہیں بلکہ
اس پر قوی دلیل موجود ہے۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بہت دیر بہادر و قوت
والے اور سختی شخص تھے۔ ان کا بیٹا مصعب بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما صحیح بخاری میں
ان سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس کے باپ کو یہ گمان ہو گیا کہ ان کو

لے قال الملا علی قاری رحمہ اللہ ثم رایت فی الجامع انہ رواہ ابن شیبہ والطبرانی عن امیر بن عبد اللہ ولفظہ کان
صلی اللہ علیہ وسلم یستفتح ویتنصر بصحابک المصلین (المرقاۃ)

ان سے کم تر اضعیف اور فقیر شخص پر فضیلت حاصل ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اھل تنصرون و تترقون الا بضعتا کعبہ بخاری کتاب الجہاد ص ۵۷ ہر دم یعنی تمہاری مدد و دشمنان اسلام پر انہیں کی جاتی اور نہ تمہیں رزق دیا جاتا ہے مگر اپنے ضعف کی برکت جس کا مطلب یہ ہے کہ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ خیال اور گمان ہوا کہ ان سے کمزور اور ضعیف کی نسبت اسلام کو زیادہ فہم ہے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس گمان کی اصلاح کی اور یہ کلمات ارشاد فرماتے اور ان کلمات میں امت کو یہ بتایا کہ یہ گمان رکھو کہ آپ کو قوت، شجاعت وغیرہ کی وجہ سے دوسرے فقراء اور کمزور مسلمانوں پر فضیلت حاصل ہے بلکہ انہی ضعیف اور کمزور مسلمانوں کی مخلصانہ دعاؤں کی برکت سے آپ کو کفار و مشرکین پر فتح حاصل ہوتی ہے اور رزق بھی۔

یہاں تو ظاہر ہے کہ ضعیف اور کمزوروں کے طفیل دعائیں مقصود نہیں اور نہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان پر توسل کر کے دعا کی تھی بلکہ یہاں مراد صرف ان کے اخلاص اور دعا کی برکت بتانا ہے اور کمزور، ضعیف لوگوں کو کم تر نہ سمجھنے کی تعلیم ہے پس اسی طرح مذکورہ بالا حدیث سے بھی مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فقراء، مجاہدین کی دعا کے ذریعے فتح مانگتے تھے۔

(۱۴) اسی طرح ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح مالک دارعازن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں قحط پڑ گیا تو ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر شریف لے گئے اور کہا یا رسول اللہ استسق اللہ لاستسقانا فہو قد ہلکوا فاناہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام فقال انت عمن فاقرتہ السلام واخبرہا البہر لیستقون (الدین، اوفاء ص ۴۷، ۴۸ مطبوعہ احیاء التراث العربی) اسے رسول اللہ اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لئے بارش مانگ لیں، وہ تو ہلاک ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خواب میں آئے اور فرمایا کہ عمرؓ کے پاس جاؤ، ان کو سلام کہنا اور خبر دینا کہ ان پر بارش برسانی جائے گی۔

اس حدیث سے استدلال اس طرح کیا جاتا ہے کہ اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی جب کہ آپ برزخ میں ہیں تو گویا یہ توسل میں مبالغہ ہے جس کا تعلق مسئلہ استشفاع سے ہے، تو اس پر نہ حضرت عمرؓ نے انکار فرمایا اور نہ اور کسی صحابی نے ان کے اس فعل کو ہڑا جانا۔

اس روایت پر مانعین توسل اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں خواب دیکھنے والا شخص نامعلوم ہے کہ یہ شخص کون تھا اس کا نام کیا تھا، صحابی تھا یا غیر صحابی وغیرہ۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ خواب دیکھنے والا کوئی نامعلوم شخص نہیں بلکہ وہ ایک صحابی ہے جس کی نشان دہی سیف بن عمرؓ نے الفتوحؒ میں کی ہے کہ خواب دیکھنے والے ایک صحابی تھے جس کا نام بلال بن الحارث المزنی ہے۔ لیکن مانعین اس کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سیف بن عمرؓ ایک ایسا راوی ہے جس پر ائمہ جرح و تعدیل نے سخت تنقید کی ہے بلکہ بعض نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ واقعی کی طرح جھوٹی اور من گھڑت حدیثیں گھڑتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ سیف بن عمرؓ بہت ہی کمزور اور ضعیف راوی ہے جس پر ائمہ نہیں کیا جاتا۔ اور صرف اس کی روایت پر اعتماد کر کے اس شخص سے حضرت بلال بن الحارث المزنیؓ مراد لینا صحیح نہیں۔ لہذا روایت میں اس شخص کو بہ طور ایک نامعلوم شخص سمجھا جائے گا۔ اس کے جواب میں قائلین کہتے ہیں اگر مان لیا جائے کہ خواب دیکھنے والے کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ وہ کون تھے لیکن مالک الحداد ایک ثقہ راوی ہیں جو اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں تو اس مسئلہ کو ایک نامعلوم شخص کے خواب اور اس کے توسل کرنے پر استدلال کر کے اس کو ثابت نہیں کیا جاتا، بلکہ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ وہ شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور انہیں خبر دی تو حضرت عمرؓ روپڑے اور فرمایا اسے میرے رب میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی مگر جس امر سے میں عاجز ہو گیا تو یہاں استدلال اس بات سے ہے کہ حضرت عمرؓ کا اس شخص کے خواب اور اس کے اسی طرح توسل کرنے پر کوئی انکار نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس توسل کو جائز سمجھتے تھے ورنہ حضرت

عمر اس پر ضرور انکار فرماتے اور اس کی اس کارروائی پر اس کی تفسیل کرتے۔

اسی طرح اس حدیث میں قائلین اور مائلین دونوں کے لئے بحث کی کافی گنجائش ہے۔ نیز دونوں فریق اس حدیث کی سند پر بھی بحث کرتے ہیں۔ کوئی اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کسی نے اس کو کمزور اور ناقابل اعتبار بنانے کی زور آزمائی کی ہے۔ لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ جس طرح اس حدیث کو بالکل صحیح اور بجا ثابت کرنا سخت مشکل ہے۔ اسی طرح یہ بھی آسان نہیں کہ اس کو ایسا کمزور اور ناقابل اعتبار ثابت کر کے بالکل مسترد کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

(۴) اور سنن الدارمی میں حضرت ابو الجوزا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ کے لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کر کے اس کا علاج دریافت کیا۔ فقال النضر واقبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاجعلوا منہ کوا الخ السماء حتی لا یکون بیتہ وبین السماء سقف ففعلوا فمطر وامطرا حتی لا یکون بیت العشب وسمنت الابل حتی لفظت من الشجر وحشی عامر الفتح۔ (رداء الدارمی مشکوٰۃ باب الکرامات)

اس واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے توسل میں مہالغہ کی وجہ سے یہ سب کچھ کیا، جیسا کہ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ اشعت اللغات میں لکھتے ہیں۔ کہ درحقیقت استسقاء واستنشاع ست بذات شریف و کشف قبر مبالغہ است در آن اشعت اللغات کتاب الفتح، باب الکرامات الفصل الثالث، یعنی حقیقت میں یہ استسقاء اور ذات شریف پر توسل کرنا ہے اور قبر کی طرف اور پر سے کھڑکی اکھولنا توسل میں مبالغہ کے لئے ہے۔

اسی طرح ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ میں لکھا ہے دیکھئے
مرقاۃ ج ۱ ص ۲۳۱ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ بلتان پاکستان

منکری تو اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ پہلے تو اس حدیث کی سند پر
تفتیش موجود ہے۔ اگر اس کی سند کو معتبر بھی تسلیم کیا جاتے پھر بھی اس سے قولی توکل
یعنی زبانی یوں کہنا کہ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہم پر بارش نازل فرما دیتے
ثابت کرنا صحیح نہیں۔ قائلین تو اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا
توکل میں مبالغہ ہے۔ واللہ اعلم۔

(۵) حضرت فاطمہ بن اسد رضی اللہ عنہما (جو حضرت علیؑ کی والدہ ہیں) کی وفات پر
حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں گئے اور ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ماں! اللہ تعالیٰ تجھ پر
رحم فرمائے۔ اسی حدیث میں ہے کہ آگے حضورؐ نے یہ دعا کی۔

اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو جلتا اور مارتا ہے	اللہ الذی یحییٰ ویمیت وھو حی
وہ زندہ ہے کبھی نہیں مرنے والا اے اللہ بخش دے	لہ یموت اغفر لہ فی فاطمة بنت
میری ماں فاطمہ بنت اسد کو اس کو بخت ملے	الاسد ولعنہا حجتہا ووسع علیہا
اور فراموش کر دے اس کی قبر قبر ہے نبی صلی اللہ علیہ	مدخلہا بحق نبیک والہ نبیہا قبلی
وسلم کے حق کے ذریعہ اور جو نبی علیہم السلام	فانک الرحمة الراحمین

سے پہلے گزر چکے ہیں ان کے حق کے طفیل پر شک
(رواہ الطبرانی فی الکبیر والاصطلاح)
آپ ہی رحم الراحمین (سب سے زیادہ رحم کرنے والے) ہیں۔

اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس پر استدلال کرنا صحیح نہیں
(۶) حضرت عثمان بن عفیف رضی اللہ عنہ کی روایت جو متحدہ کتابوں میں موجود ہے
اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اسے نقل کیا ہے ایسی ہے۔

ایک نامی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ
حضرت آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو عافیت اور بیانی دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
فرمایا: اللہ تعالیٰ عافیت دے اور بیانی دے۔

نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو دعا کروں اور اگر چاہے تو صبر کرے اور صبر ہی تیرے لئے بہتر ہے اس نے کہا کہ حضرت آپ دعا کیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کرے اور یہ دعا کرے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتُوجَّهُ إِلَيْكَ بِحَبِيبِكَ مُحَمَّدٍ بِنِيِّ الرَّحْمَةِ إِلَيَّ أَنْ تَجْعَلَ لِي بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذَا لِقَاضِيًا
بِإِلَّهِكَ فَشَوْقَةً فِي رَأْوَاهِ التَّزَمِي فِي
الْبَابِ الدَّعَوَاتِ وَقَالَ هَذَا صِدْقٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے نبی محمد رحمت والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے متوجہ ہوتا ہوں اسے نبی میں تیرے وسیلے کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری کی جائے

(اے اللہ آپ میرے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کو قبول فرمائیں۔
اس حدیث کے جواب میں منکرین توسل کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ اس میں درخواست اللہ تعالیٰ و تبارک ہی سے ہے کہ میرے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور شفاعت کو قبول فرماویں حدیث کے الفاظ میں صراحت موجود ہے وَشَفَعَهُ فِي يَعْْنِي اَسْأَلُ اللّٰهُ تَوَانْ كِي شَفَاعَتِ مِيرے بارے میں قبول فرما تو یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہی پر توسل ہے۔ ذات مبارک صلی اللہ علیہ وسلم پر توسل ثابت نہیں ہو سکتا۔ تاہم توسل نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں یہاں وہی کو نقل کیا جاتا ہے۔ اول اگر یہاں صرف دعا کی قبولیت کے بارے میں اللہ سے درخواست تھی یعنی صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا پر توسل مقصود تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی لمبی دعا کیوں تعلیم فرمائی جس میں توسل بالذات کی بھی تصریح موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی تعلیم فرمایا وَاتُوجَّهُ إِلَيْكَ بِحَبِيبِكَ مُحَمَّدٍ بِنِيِّ الرَّحْمَةِ اور تیری طرف تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو نبی رحمت ہیں کے وسیلے سے متوجہ ہوتا ہوں پس توسل لے اس کے جواب میں منکرین توسل کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے کہ تیری طرف تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو نبی رحمت ہیں کی دعا کے وسیلے اور ذریعہ سے متوجہ ہوتا ہوں اس لئے آخر میں یوں درخواست کی کہ اے اللہ تو ان کی شفاعت اور دعا میرے حق میں قبول فرما۔

بالذات یہاں صراحتہ موجود ہے فشفعه فت۔ تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت پر توسل کے ساتھ ساتھ یہ دعا بھی مانگی کہ اے اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہمارے حق میں قبول فرما۔ بہر کیف حدیث شریف میں ذات مبارک صلی اللہ علیہ وسلم پر توسل واضح طور پر موجود ہے۔ وہ سب احباب یہ دیا گیا ہے کہ اگر مراد صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا پر توسل کرنا ہوتا تو اس حدیث شریف کے راوی عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے خود یہ دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اوروں کو تعلیم نہ کی ہوتی۔ کیونکہ حدیث کا راوی حدیث شریف کا مطلب اور معنی دوسروں سے بہتر طور پر جانتا ہے خصوصاً جب کہ بات بھی سیدھی سادی ہے اس میں کوئی خاص پیچیدگی نہیں۔ چنانچہ طبرانی معجم کبیر میں نقل کرتے ہیں ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ضروری کام کے سلسلہ میں آیا یا اگرنا تھا حضرت عثمان بن عفان خلیفہ راشد ابوجہ مصروفیت اندہ اس کی طرف توجہ فرماتے اور نہ اس کی حاجت براری کرتے۔ وہ شخص حضرت عثمان بن حنیف سے ملا اور اپنی حاجت کی شکایت کی۔

فقال لہ عثمان بن حنیف ایت المیضاۃ
فتوضا تھا ایت المسجل فصل ثید
رکعتین ثم قل اللهم انی استسئلت
وانتوجه الیک ینبیا محمد صلی اللہ
لے منکرین توسل اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اگر اس حدیث کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی حضرت عثمان بن حنیف کا یہی اجتہاد ہے کہ انہوں نے اس سے یہی سمجھا اور دوسروں کو تعلیم کی۔ درہ حدیث میں "تَوْشَفِّعُهُ فَت" کے الفاظ اس بات کی وضاحت کے لئے کافی ہیں کہ یہاں مراد اس سے یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرے کہ اے اللہ تو میرے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور دعا کو قبول فرما۔

لے اور قائلین اس کے جواب میں یوں فرماتے ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

علیہ وسلم نبی الرحمة والهدی

محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی نبی رحمت کے وسیلے سے۔

اسی طرح مذکورہ بالا حدیث کی پوری دعا ان کو بتائی اور انہوں نے اسی طرح کیا روایت کے آخر میں ہے کہ اس دعا کی برکت سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی تعظیم و تکریم کی اور اس کا کام بھی کر دیا۔

امام طبرانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور علامہ منذری رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو نقل کر کے طبرانی رحمہ اللہ کے اس قول الحدیث صحیح کی تائید کی ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی اس کو دو طریق سے نقل کیا ہے۔ علامہ ابوالحسن المتینی مجمع الزوائد میں اس حدیث شریف کو نقل کر کے اس کی صحت کا گواہ اقرار کرتے ہیں یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے عہد کا ہے۔ اس پر نہ کسی صحابی نہ خود خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ نے انکار کیا جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ توسل بالنبی بعد الوفاۃ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں بلا کسی تکبر ہوتا رہا۔

اس کا جواب منکرین توسل کی طرف سے یوں دیا جاتا ہے کہ خلیفہ راشد حضرت عثمان بن عفان کو اس توسل کرنے والے نے یہ نہیں بتایا کہ میں نے اس طرح توسل کر کے دعا مانگی ہے بلکہ دعا مانگ کر حاضر ہوتے انہوں نے اس کا کام کر دیا۔ تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ اس شخص کے اسی طرح توسل یا حضرت عثمان بن حنیف کے اس توسل کی تعلیم کرنے کی اطلاع امیر المومنین حضرت عثمانؓ بن عفان کو ہو گئی ہوگی اور انہوں نے ان پر تکبر نہیں فرمائی البتہ حضرت عثمانؓ بن حنیف نے اس سے یہی توسل سمجھ لیا تھا اس لئے انہوں نے دوسرے کو بھی تعلیم کی۔

لہذا قال الطبرانی عقبہ الحدیث صحیح بعد ذکر طرق التی روی بہا (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۷۹)

کہ یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ حضرت مالک الدارمازن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت پر بھی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ وہاں مالک الدارمازن اس شخص کی آمد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی حالت بیان کرنا روایت کرتے ہیں تو وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ثابت ہو سکتی ہے اور ان کا تکبر نہ کرنا یعنی رکنا ہے بلکہ یہاں خلیفہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کو اطلاع کے ثبوت کے بغیر ان کے تکبر نہ کرنے کو کہنا صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح اس کے جواز اور عدم جواز پر مذاہب اربعہ کے اور دیگر متاخرین علمائے
 بہت طویل بحثیں کی ہیں۔ لیکن یہاں صرف علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ جو اہل حدیث
 (غیر مقلدین) کے امام سمجھے جاتے ہیں، اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے معتقدین بھی ان کو حق
 کہتے ہیں، انہی سے کچھ نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں،

یہ بالکل واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی زندگی میں وسیلہ بنانا اور
 آپ کے انتقال کے بعد دوسرے بزرگوں کو وسیلہ بنانا صحابہ کرام کے اجماع سکوتی سے
 ثابت ہے۔ کیونکہ جو حضرت فاروقؓ نے حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنایا تو کسی صحابی نے
 بھی اس کا خلاف نہیں کیا۔ میرے خیال میں جواز توسل نبی کریم سے مخصوص کر دینا جیسا کہ
 عز الدین (ابو محمد عبدالسلام) کو وہم ہو رہا ہے اس کی کوئی وجہ نہیں۔ اس عدم تخصیص کی دو وجہیں
 ہیں۔ پہلے تو وہی صحابہ کا اجماع جس سے ہم مطلع کر چکے ہیں، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ
 اللہ تعالیٰ کے دربار میں ارباب فضل اور کمال کو بطور وسیلہ پیش کرنے کا دراصل یہ مطلب
 ہے کہ ان کے اعمال صالحہ اور کمالات کو وسیلہ بنایا جاتا ہے کیونکہ کوئی شخص وسیلہ بننے
 کے قابل ہی تب ہوتا ہے جب کہ وہ اعمال صالحہ کرے تو گو یا جب کوئی شخص یوں کے
 کہ اسے اللہ میں غلاں صاحب کمال کو تیرے دربار میں وسیلہ پیش کرتا ہوں تو اس کا
 وسیلہ بننا بلحاظ کمال کے ہوگا اور نیک عمل کو وسیلہ بنانا حدیث سے ثابت ہے جیسا
 مسلم و بخاری وغیرہ میں موجود ہے کہ نبی کریم نے ان تین شخصوں کا قصہ بیان کیا جو غار
 میں آئے اور غار کے منہ پر پتھر آگیا تھا ان میں سے ہر ایک نے اپنے بڑے عمل
 کو وسیلہ بنایا اور پتھر غار سے ہٹ گیا۔ تو اگر اعمال صالحہ سے توسل ناجائز ہو یا تشریک
 ہوتا جس طرح عز الدین وغیرہ سخت گیر لوگ کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان تین آدمیوں کی
 دعا قبول نہ کرتے اور نبی کریم ان کا قصہ بیان کرنے کے بعد ان کے فعل توسل کو ضرور
 ناجائز قرار دیتے (خاصی مرحوم) توسل کو ثابت کر کے اب منکرین توسل کے حائل کا
 جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سب واضح ہو گیا کہ توسل ناجائز ہے تو اب معلوم
 ہو گیا کہ جو دالیل منکرین توسل پیش کرتے ہیں مثلاً احساناً منہ یا لیقولوا لا اله الا

زُلْفٰی اور فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا اور لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ ہمارے دعویٰ جواز تو سل بالنبی والصلحاء کے لئے مشر نہیں بلکہ اگر ان آیات کو امتناع تو سل کے لئے پیش کیا جائے گا تو یوں کہا جائے گا کہ محل نزاع اور امتناع تو سل سے یہ دلائل بالکل اجنبی ہیں کیونکہ مشرکوں کے اس قول سے کہ ما نعبدہم الا اللہ اہصاف واضح ہے کہ مشرک قرب الہی حاصل کرنے کے لئے بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے جو شخص بزرگ کو وسیلہ بناتا ہے وہ اس کی عبادت نہیں کرتا بلکہ یہ سمجھ کر خدا کے دربار میں اس کی عزت ہے اس کو وسیلہ بناتا ہے اسی طرح یہ آیت فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا جواز تو سل کے خلاف نہیں کیونکہ اس میں تو صرف یوں کہا گیا ہے کہ خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو نہ پکارو اور یوں نہ کہو یا اللہ یا فلان اور جو کسی بزرگ کو وسیلہ بناتا ہے وہ تو صرف اللہ کو پکارتا ہے یا اللہ کے کسی نیک بندہ کو بوجہ کمال وسیلہ بناتا ہے جس طرح ان غار والے تین اشخاص نے اپنے نیک اعمال کو وسیلہ بنایا تھا اور اسی طرح یہ آیت وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ جواز تو سل کے خلاف نہیں کیونکہ مشرک تو ان کو بلاتے تھے جو ان کی سنتے نہیں تھے اور خدا کو جو ان کی سنتا ہے اس کو نہیں بلاتے لیکن کسی بزرگ کو وسیلہ بنالے والا تو صرف اللہ کو بلاتا ہے کسی دوسرے کو نہیں بلاتا ہمارے سابق کلام سے منکرین تو سل کے تمام دلائل کی بھی قلعی کھل جاتی ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان دلائل کو منع تو سل سے دور کا بھی واسطہ نہیں مثلاً ان کا یہ استدلال کہ قُلْ مَا تَدْعُوا لَكُمْ نَفْسٌ لِّغَفْوَةٍ شَيْئًا وَلَا تَسْمَعُ لِقَوْلِ اللَّهِ شَيْئًا جواز تو سل کے منافی نہیں کیونکہ اس آیت میں صرف یہ بیان ہو رہا ہے کہ قیامت کو سب اختیارات اللہ کو ہوں گے اور کسی دوسرے کو کوئی اختیار نہیں ہوگا لیکن جو شخص کسی بزرگ کو وسیلہ بناتا ہے اس کا تو کبھی عقیدہ نہیں ہوتا کہ یہ بزرگ اختیارات آخری میں خدا کا شریک ہے جو عقیدہ کے کہ غیر اللہ کو امر آخرت میں کچھ اختیار ہے اس کو تو ہم بھی گمراہ سمجھتے ہیں لیکن مسلمان کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہوتا اسی طرح منکرین تو سل کا آیت لَنْ يَسْتَجِيبَ لَكُمْ

مِنْ اَلَمْ يَشْفِ اَوْ رَاَيْتَ قُلَّ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا سَ اَسْتَدْلِلُ كَرَامَا
 غلط ہے کیونکہ ان آیتوں میں تو اس کی تصریح ہو رہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 کو امر اللہ میں کوئی دخل نہیں ہوگا۔ اور یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے نفع
 ونقصان کے مالک نہیں تو دوسرے کے نفع ونقصان کے کس طرح مالک ہو سکتے
 ہیں۔ لیکن کسی نبی ولی یا عالم کے توسل کے عدم جواز میں ان آیتوں کا کیا دخل متوسل
 کا تو یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ غیر اللہ کو امر آخرت یا نفع ونقصان میں کوئی اختیار ہے۔
 توسل کا انکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا انکار ہے اور شفاعت کا انکار
 قرآن کا انکار ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود
 یعنی مقام شفاعت عظمیٰ کے اعزاز سے مشرف فرمایا ہے۔ اور مخلوق کو یہ ہدایت کی
 ہے کہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس شرف عظیم کی درخواست کیا کریں اور اللہ تعالیٰ
 نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ مقام محمود کی درخواست کیا کرو آپ کو دیا جائے
 گا۔ اور امت کی سفارش کرو تمہاری سفارش مقبول ہوگی۔ ہاں شفاعت کا حق اللہ تعالیٰ
 کی اجازت سے ہوگا۔ پھر خاص اس کو جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرمائیں۔ اسی طرح منکرین
 توسل کا نبی کریم کے اس ارشاد کو اسے فلاں بن فلاں میں تیرے لئے اللہ کی طرف سے
 کسی چیز کا مالک نہیں پیش کرنا جواز توسل کے خلاف نہیں کیونکہ اس کا تو صرف یہ مطلب
 ہے کہ جب کسی کو اللہ نفع یا نقصان پہنچانا چاہے تو میں اس کا خلاف نہیں کر سکتا۔ اور
 یہ بات ہر انسان جانتا ہے لیکن یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ توسل ناجائز ہے کیونکہ متوسل
 کا یہ عقیدہ تو نہیں ہوتا کہ وسیلہ امر اللہ میں دخل ہے بلکہ اس کا تو
 یہ مطلب ہوتا ہے کہ اختیار کُلّی صرف اللہ کو ہے اور میں صرف اسی سے درخواست کرتا
 ہوں۔ ہاں کسی ایسے بزرگ کو جس کے فیصل دعا قبول ہو سفارشی بنانا ہوں اور وسیلہ پیش
 کرتا ہوں۔ (ترجمہ قرآن فیہ مصنفہ قاضی شوکانی)

اور یہاں یہ شبہ بھی بالکل غلط ہے کہ امعاذ اللہ جس شخص کے ذریعہ توسل کیا
 جاتا ہے اس کا رتبہ یا شان اللہ تعالیٰ سے زیادہ نہ آتا ہے یا اس کا اس پر کوئی زور

وجہ پر مل سکتا ہے کیونکہ یہ صرف ایک ورحم ہے ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ جن حضرات کے وسیلے سے دعا مانگی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نیک و مقرب بندے ہوتے ہیں اور ان سے محبت و تعلق ان رَحْمَتِ اللہِ قَرِیْبَتِ قَبْلِ الْمُحْسِنِیْنَ دے شک اللہ کی رحمت محسنین سے قریب ہے کے مصداق نزول رحمت کا ذریعہ ہے پس توسل کا حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں بلقی کہ اسے اللہ فلال مقبول بندہ پر جو رحمت ہے اس کے توسل سے دعا کرتا ہوں اور یہاں وہ ان الفاظ سے اپنے پوشیدہ تعلق و محبت کا اظہار کرتا ہے جس میں نہ کوئی خطرہ ہو سکتا ہے نہ مذکورہ بالا شبہ کیا جاسکتا ہے۔

بلکہ توسل بالاعمال جو بالا جماع جاتے ہیں اور توسل بالانسان میں کوئی خاص فرق نہیں ہے اور ان کے درمیان یہ نزاع لفظی معلوم ہوتا ہے کیونکہ جو حضرات انبیاء اور صالحین کے توسل سے دعا کے قائل ہیں ان کی مراد یہ ہرگز نہیں کہ وہ ان کی شخصیتوں کو الیاء بناتے ان کے اوصاف کمالیہ اور ان کی دینی خدمات وغیرہ سے الگ کر کے توسل کرتے ہیں بلکہ ان کی دینی خدمات اور خداداد خوبیاں پیش نظر رہتی ہیں، صالحین پر ان کے نیک کاموں کی برکت سے اللہ کی رحمتیں برتی ہیں، ان کے ساتھ محبت ان کی دین کی خاطر عظیم قربانیوں کی وجہ سے کی جاتی ہے، ان حضرات کے ساتھ یہ محبت اور تعلق بذات خود ایک پوشیدہ نیک عمل ہے اب اس محبت کے عمل کے ساتھ آواز بھی شامل ہو جاتی ہے اور ان حضرات کے توسل سے اللہ سے سوال کیا جاتا ہے گویا توسل بالاعمال اور توسل بالاشخاص اکٹھے ہو جاتے ہیں، اور یہ مسئلہ بلا نزاع جاتے ہو سکتا ہے۔ اور اس بات کے حضرت حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی قائل ہیں پناہ پڑوہ بخیر فلال کے ذریعہ سوال کرنے کے مختلف اسباب بیان کرتے ہوئے تحقیق کرتے ہیں۔

فیجمل قول العالم استلک بنیاد محمد علی اندادانی بایمانیہ
یہ حجتہ و التوسل الیہ بایمانیہ
یعنی اس قول کے کہنے والے اسے اللہ میں تجھ سے تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ اس پر عمل کیا جائے کہ اس سے اس کی دعا دے کہ اسے اللہ عزوجل سے محمد

ان هذا جائز بله نزاع قبل من اراد
 هذا المعنى فهو في ذالک باء نزاع
 واذا حمل على هذا المعنى الكلام من
 توسل بالنبي صلى الله عليه وسلم بعد مماته
 من السلف كما نقل عن بعض الصحابة
 والتابعين وعن الامام احمد وغيره كان
 هذا حسنا وحيفا فلا يكون في
 المسألة نزاع ولكن اشترى من العوام
 يطاعون هذا اللفظ ولا يريدون
 هذا المعنى فهو له الذين انكر عليهم
 من انكر من ۲۲ قاعدة بطريق التوسل والوسيلة

صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور ان کے ساتھ محبت
 کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں اور اسی طرح اور
 کوئی معنی مراد لیا جاسے تو آپ کو یاد ہوگا کہ یہ بلا نزاع
 اور بالاتفاق اہل سنت اور کما گیا ہے کہ جس کا بھی
 مقصد ہو تو وہ بلا نزاع صحیح ہے اور اگر اسی معنی
 پر ان اسلاف کے کلام کو محمول کیا جاسے جنہوں نے
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی آپ پر توسل کیا جیسا
 کہ بعض صحابہ تابعین اور امام احمد سے نقل کیا گیا
 ہے تو یہ اچھا ہوگا اور اسی حالت میں مسئلہ اختلافی
 نہیں رہتا لیکن بہت سے عوام اس لفظ کو مطلق
 بولتے ہیں اور اس سے یہی معنی مراد نہیں لیتے۔

یہی لوگ ہیں جن پر انکار کرنے والوں نے انکار کیا ہے۔

پس حضرت حافظ یہاں یہ فرماتے ہیں کہ عوام یہ الفاظ ویسے ہی (بلا سمجھے) بول دیتے ہیں اور ان کی مراد اس سے جائز معنی نہیں ہوتا۔ بلاشبہ امام ابن تیمیہؒ نے
 جو کچھ فرمایا وہ کسی قدر صحیح ہے تاہم اس کا جواب توسل کو ماننے والے یہ دے سکتے ہیں
 کہ قابل غور بات یہ ہے کہ جس شخص پر وہ توسل کرتا ہے اگر اس کا اس پر ایمان نہیں اور
 اس کے ساتھ (اللہ تعالیٰ کے لئے) تعلق ہی نہیں تو وہ اس پر توسل ہرگز نہیں کرے گا
 مسلم کذاب یا غلام احمد قادیانی وغیرہ دجال و کذاب پر کوئی مسلمان توسل نہیں کرتا اور نہ
 ہی عیسائی یہودی یا کسی اور باطل فرقہ کے سربراہ پر توسل کرتا ہے اگرچہ وہ اس کا باپ ہی
 کیوں نہ ہو یا وہود پر مبنی محبت کے وہ ہرگز اس پر توسل نہیں کرے گا تو یہ بات اس کی
 شہ گونج ہو یا کہ اتباع اور اطاعت رسول اعمال کا ہر ذریعہ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا
 اور آپ کے ساتھ محبت و تعلق رکھنا باطنی اعمال میں سے ہے چونکہ توسل بالاعمال بالاجماع جائز ہے اسی
 لئے یہ توسل بھی بالاجماع جائز ہو سکتا ہے۔

دلیل ہے کہ جب وہ دعا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صالح شخص پر توسل کرتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کے ساتھ (اللہ تعالیٰ کے لئے) تعلق و محبت کی وجہ سے ہی کرتا ہے۔ اگرچہ وہ اس پر تصریح نہیں کرتا تاہم ایک مسلمان سے ظاہر یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کے ساتھ عقیدت رکھنے کے طفیل اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے اور وہ اپنے ظاہری اعمال کو نظر انداز کر کے تواضع اور عبدیت کا ثبوت دیتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ اے میرے پروردگار میرا کوئی عمل ایسا نہیں کہ جس کو میں آپ کی بارگاہ عالی میں پیش کر کے اس کے ذریعہ سے دعا کروں البتہ صرف آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت کا تعلق ہے پس اے اللہ آپ اس تعلق (جو ایک قلبی عمل ہے) کی لاج رکھتے ہوئے میری دعا کو قبول فرمائیے۔

الشرع توسل بالذات اور توسل بالاعمال میں کوئی ایسا خاص فرق نہیں جس کی وجہ سے ایک کو دوسرے سے بالکل جدا کر کے پہلے کو شرک اور دوسرے کو جائز قرار دیا جائے۔ اگر توسل بالاشخاص شرک ہوتا تو حضرت عمرؓ کا حضرت عباسؓ کے ذریعے توسل کرنا جس سے متنازع فیہ توسل بھی مراد ہو سکتا ہے، اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عثمان بن حنیف کی روایت میں نابینا صحابی کو ایسی دعا تلقین کرنا جس میں آپ کے ذریعے توسل کرنے کی کافی گنجائش موجود ہے، اور بقول خود ابن تیمیہؒ بعض صحابہؓ تابعین اور امام احمد وغیرہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر توسل کرنا وغیرہ العیاذ باللہ یہ سب شرک میں داخل ہو گا۔

پھر ان روایتوں اور مثالوں سے علما کی اکثریت نے توسل بالذات ہی مراد لیا ہے تو کیا فقہائے کرام، صحابہؓ حضرت عمرؓ اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ انہوں نے العیاذ باللہ امت کی اکثریت کو شرک کے دلدل میں پھنسا دیا۔

اسی طرح پر قرآن کی آیت و کائنات قبل یسئلتہنَّ حوٰن سے بھی توسل کی یہی تم مراد ہو سکتی ہے۔ اور اس کی شان نزول میں جو دوسری روایات وارد ہوئی ہیں وہ اس کے متعارض اور مخالف نہیں اور سب اسباب نزول یہاں بلا کسی تکلف اور بآسانی

جمع ہو سکتے ہیں۔

تو ایسی حالت میں سوچنے کی بات ہے کہ آخر اس توسل میں وہ کون سی خرابی ہے جس کے لئے فقہاء کے اقوال، احادیث اور آثار میں درود اور کئی تاویلیں کرنے کی ضرورت پڑے یا ایسی احادیث جن میں تاویل کی گنجائش نہ ہو تو اس کو ضعیف یا موقوف ثابت کرنے پر پوری طاقت لگادی جائے۔

فی الحقیقت اگر ہم ایسے ہی درود کے احتمالات نکالنے لگیں تو شاید شریعت کا کوئی علم بھی پایہ ثبوت تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اسی طرح اگر قرآن مجید کی من مانی تفسیریں شروع ہو جائیں تو نہ کوئی چیز ناجائز ہوگی اور نہ ہی کوئی عمل مشرک سے خالی ہوگا۔

الغرض یہ متنازع فیہ توسل کوئی مشرک نہیں بلکہ اس میں دعا کی قبولیت کے ساتھ اور ایک فائدہ بھی ہے وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین سے محبت بڑھ جاتی ہے اور محبت ایک ایسی چیز ہے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مخلوق کے درمیان محبوب کے فضائل و اوصاف کو محبت کرنے والے میں اس کی استعداد کے مطابق منتقل کر دیتے ہیں۔ درود شریف کے بارے میں اس آیت مبارکہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ۔ یَاٰیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوا الشَّلٰوٰتِ کے متعدد فوائد اور اسباب میں یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ درود شریف پڑھنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق اور محبت میں اضافہ ہوگا۔ اور یہی محبت درود شریف پڑھنے والے کو حسب استعداد، والہامہ انداز میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع پر ڈال سکتا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات امت کو بھائی سے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدٌ کَرَحْطٰی اَوْ کَرٰحِبٍ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ یعنی اس اختلافی توسل جس میں بزرگوں سے مانگنا نہیں ہوا کہ تاکہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا کی جاتی ہے۔ البتہ دعا کی قبولیت کی امید سے اللہ کے سامنے کسی صالح کے ساتھ اپنی قلبی محبت و عقیدت پیش کر کے، صالح شخصیت پر توسل کرتا ہے۔

الیہ من والدہ وولدہ والناس
اجمعین رستق علیہ مشکوٰۃ کتاب الامان

کہ میں اسی کو اس کے باپ اور اس کی اولاد
اور سارے لوگوں سے زیادہ پیارا ہو جاؤں
پس محبت بڑھانے کے لئے مختلف ذرائع ہوتے ہیں جیسا کہ آپ صلی اللہ
علیہ وسلم کی موجودگی میں آپ کے ساتھ ادب و احترام سے ملاقات کرنا اور آپ سے
دعا قبول کی درخواست کرنا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَوْ اَنَّكُمْ اِذْ ظَلَمْتُمْ اَلْاَنْفُسَ تَحِبَّوْا
فَاَسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفِرْ لَكُمْ الرَّسُوْلُ
لَوْحَدَّثَ اللّٰهُ تَوَّابًا رَّحِيْمًا

یعنی اگر وہ لوگ جب ظلم کر بیٹھے تھے اپنی جانوں
پر حاضر ہوتے آپ کے پاس پھر اللہ تعالیٰ سے
معافی کی باتیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی
ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کرتے تو
اسورۃ النساء آیت ۶۴

وہ موزوں اللہ کو پالتے بہت قوم قبول کرنے والا سنایت رحم کرنے والا۔
یہ بات تو اتر سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے
دعا کی درخواست کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعا کے لئے فرمایا ہے۔
حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آپ سے عمرہ کرنے کی
اجازت مانگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت بھی دی اور فرمایا۔

وَقَالَ امْضِرْ كُنَايَا خِي فِي دَعَائِكَ
اے ہمارے چھوٹے بھائی اپنی دعا میں ہمیں
ولا نفسنا۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کلمہ فرمایا
اسے جس کے بدلے میں مجھ کو تمام دنیا بھی خوش نہیں کر سکتی۔

(رواہ ابو داؤد و الترمذی مشکوٰۃ کتاب الدعوات)
اسی طرح آپ کی عدم موجودگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار اور تبرکات کو کھنا
اور ان کی حفاظت کرنا آپ سے محبت بڑھانے کا سبب بنتی ہے۔ ارشاد
باری تعالیٰ ہے۔

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ رِجَالِهِمْ
اور بنا لو انہیں علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام

مُحَلِّی۔
کے کھڑا ہونے کی جگہ کو جاتے نماز۔

مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر کرتے رہے۔ اس پر ان کے قدم مبارک کے نشان بھی بطور معجزہ چھڑ گئے ہیں (دیکھئے بخاری ج ۲ کتاب التفسیر)

اسی طرح جب بنی اسرائیل کو حضرت طاووس کے بارے میں من جانب اللہ بادشاہ مقرر ہونے میں تردد ہوا تو انہوں نے اپنے پیغمبر سے کوئی خاموشی حجت طلب کی اللہ تعالیٰ و تبارک کا ارشاد ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ
أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ مَكِينٌ
مِّنِّي وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ
آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ - اٰلِیۡہ

ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اس (طاووس) کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ (جو مقدس صندوق تم کوپکے ہو) وہ صندوق تمہارے پاس (واپس) آئے گا۔ اس میں تسلی کا سامان ہو گا تمہارے رب کی طرف سے اور اس میں کچی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں چھوڑ گئے تھے۔
(البقرہ آیت ۱۲۴)

اللہ ہی ان آیات کے اسرار اور حکمتوں کو خوب جانتا ہے۔ پھر بھی اس میں ایک حکمت یہ دکھائی دیتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے آثار و نشانات دیکھ کر ان کی خدا داد صفات اور کمالات اور دینی خدمات سامنے آتی ہیں۔ ان سے تعلق اور محبت مضبوط تر ہو جاتا ہے ان کی صداقت اور حقانیت پر یقین بڑھ جاتا ہے۔

پس اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار اور نہرکات کو رکھا گیا اور آپ نے اس پر کوئی انکار نہیں فرمایا۔

(۱) امام نسائی رحمہ اللہ علق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفد بن کر حاضر ہوئے، ہم نے آپ کے ہاتھ مبارک پر بیعت کی اور آپ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ کو خبر دی کہ ہمارے علاقہ میں (انصاری) کی ایک عبادت گاہ ہے۔ ہم نے آپ سے آپ کے وضو سے بچا ہوا پانی مانگا۔ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا۔

فتوضأ وتمضض ثم صبه لنا ف
الاهة واما من نافعنا اخر حوا فاذا
اتيقنا رضكم فاكسروا بعتكم و
النضحر امكانها بهذا الماء واتخذوا
مسجدا قلنا ان البلد نبىء والحر شديد
والماء ينشف فقال صدوة من الماء
فانه لا يزيله الا طيبا.

(رواہ النائی مشکوٰۃ باب المساجد)

اور وضو فرمایا اور منہ میں پانی ڈالا کل کی پھر اس
کو ہمارے لئے ایک چھانگل میں ڈال دیا اور ہم کو
نکھ دیا کہ جاؤ جس وقت اپنی زمین کو سنبھالو اپنی
عبادت گاہ اور بیت کو توڑ ڈالو اور اس کی جگہ پر
یہی پانی پھیر کر اور اس کو مسجد بنالو ہم نے عرض
کیا کہ شہر درہ ہے اور گرمی سخت ہے پانی خشک
ہو جائے گا فرمایا اس میں اور پانی ڈالو اس لئے کہ
وہ اس کی برکت کو زیادہ کر دے گا۔

(۱۲) بخاری اور مسلم میں ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ حجر میں ابٹھ میں تھے پھر اس کے ایک سرخ خمیر میں تشریف
فرماتے تھے اور میں نے بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے آپ سے بچا ہوا پانی لیا اور
وہ آیت الناس یبندرون ذلک
الوضو فہن اصاب منہ شیئا فسمیہ
ومن لم یصب منہ استذرت بلل
یہ صاحبہ الحدیث

(متفق علیہ مشکوٰۃ باب السترة)

پس بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے آثار اور تبرکات اپنے قدائین
صحابہ پر تقسیم بھی کر دیتے تھے۔
(۱۳) امام ترمذی حضرت کبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ:-

دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فمشرب من فی قربۃ معلقة قائما
فقلت الی فیہا فقطعتہ (من الترمذی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے
آپ نے ٹکی ہوئی مشک کے منہ سے کھڑے
ہو کر پانی پیا میں نے (قربہ) کھڑے ہو کر مشک

البواب الاشریہ وقال بذہن حدیث حسن غریب صحیح

(۴۰) بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی حتی

قالی الجعسۃ فرعھا شقوا فی فمذل فمضی

وتحرر نسکۃ شددعایا بالخلق وناول

الخالق شقۃ الذی عن فخلقۃ شددعایا

طلیۃ الانصاری فاعطایا الا شددناول

الشیق الذی عن فقال اخلق فخلقۃ فاعطاه

ابا طلیۃ فقال اقسو بین الناس

ومتفق علیہ مشکوٰۃ باب الخلق

۱۵) مسلم شریف کی صحیح حدیث میں ہے کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت

ہے کہ اس نے کسروانی طیلسان کا جبہ نکالا جس کے گریبان اور پانگوں پر ریشم کا کپڑا لگا

ہوا تھا کہنے لگیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ جو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے

پاس تھا جب وہ وفات پاگئیں تو میں نے لے لیا۔

وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یلبسہا و

نحن نخلسہا لامرئۃ تستشفی بہا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پہنا کرتے تھے

اور ہم بیماروں کے لئے اس کو دھوئے میں ادا

اس کے ذریعے شفا طلب کرتے ہیں۔

(۴۱) اسی طرح امام بخاری حضرت عثمان بن عبد اللہ بن مویہ رضی اللہ عنہ سے

روایت نقل کرتے ہیں کہ میرے گھر والوں نے مجھے ایک پیالہ دے کر ام سلمہ رضی اللہ عنہا

کے پاس بھیجا۔

وکان اذا اصاب الانسان عیدۃ او

شیء بعث الیہا مخضبتہ فاخرجت

من شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور جب کسی کو نظر لگ جاتی یا کوئی تکلیف ہوتی

وہ بڑا پیالہ ان کے پاس بھیجتا، وہ ام کو لے کر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں مبارک نکالتی اس نے

وكانت تصك في جليل من فضة
فخفضت له فشراب منه قال
فاطلعت في الجليل فز ايت شعرات
سواء رواء البخاري والرقمي مشكوكا في كتاب الطب

انہیں چاندی کی غول میں رکھا ہوا تھا وہ اس پالے
میں اس کو ملائی پھر وہ اسے پی لیتا تھا ابن عمر رضی اللہ عنہما
فرماتے ہیں میں نے غول میں جھانک کر دیکھا اس
میں چند ایک سونے بال تھے۔

اس قسم کے واقعات کی کافی تعداد کتب احادیث میں موجود ہے اب یہاں
اس کے سوا اور کیا بڑا ہو سکتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور محبت کے ظہور
کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ کے موتے مبارک و خیرہ کے فیصل تبرک حاصل
کرتے یا اللہ تعالیٰ سے شغایابی کی امید پر ان (آثار) کے ذریعے گویا عملی توسل کرتے
اس پر حدیث شریفہ میں تصریح بھی موجود ہے۔

۱۷) امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں اکثر تشریف لاتے اور میرے ہاں قیلولہ
فرماتے تھے میں آپ کے لئے چمڑے کا بچھونا بچھا دیتی آپ اس پر
سوتے تھے۔

۱۸) کان کثیر العرق فكانت تصجم عرقہ
وتجعل في الطيب فقال النبي صلى الله عليه
وسلم ما هذا فقلت عرقك فجعل في
طيبنا وهو من اطيب الطيب وفي رواية
قالت ما رسول الله نرجو بركته لصيانا
قال اصبت (متفق عليه)

اس سے برکت کی امید رکھتے ہیں آپ نے فرمایا تم نے خوب کیا۔

الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار دیکھنے سے آپ کے ساتھ تعلق اور محبت میں
انصاف ہو سکتا ہے اور یہی محبت و تعلق اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

۱۹) بعض تابعین توسل ان روایات میں سے تبرک بآثار الصالحین ثابت ہو سکتا ہے انہی رہا باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

غلامیہ کہ متنازع فیہ تو سل عقائد میں سے نہیں جس کے لئے قطعی اور یقینی دلائل
 کی ضرورت ہو اور نہ اسی طرح تو سل کہ یا فرض یا واجب یا سنت منکرہ ہے تاکہ قائلین
 تو سل سے اس کے ثبوت میں صریح اور صحیح احادیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے
 عام معمول کا مطالبہ کیا جائے یا یوں کہا جائے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے
 اسی طرح تو سل کیوں نہ کیا یا فلاں خلیفہ ارشد یا فلاں امام نے اسی طرح تو سل کیوں نہیں
 کیا ان سوالات کی ضرورت تو اس وقت ہوتی جب کہ قائلین تو سل اس کی فرضیت یا
 وجوب کے مدعیہ رہتے، لیکن جب وہ اس کی فرضیت وغیرہ کے قائل نہیں تو صرف
 اس کے جواز کے لئے ان سے یہ مطالبہ درست معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ اسی طرح تو سل
 کرنا مفتی طور پر ایک فرعی مسئلہ ہے جو قرآن و سنت کے خلاف نہیں (بشرطیکہ اللہ
 تعالیٰ کو قادر مطلق قائل حقیقی لینے اور دینے والا صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو سمجھا اور
 مانا جائے اور یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے وہی ہو گا اور جو اللہ جل شانہ کو منظور
 نہ ہو اس کا ہونا ناممکن اور محال ہے) اور جو کچھ قائلین کتاب و سنت سے پیش کرتے
 ہیں اگرچہ اس میں دوسری تفاسیر تاویلات اور احتمالات کو زیادہ اہمیت اور فوقیت
 دی جاسکے تاہم عدم تعارض و تقابلی کی وجہ سے ان نصوص میں اسی طرح تو سل کے
 احتمال کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، پھر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر عمل کرنا اور سنت
 سے جلیل القدر علماء کا اس کے جواز پر تصریح کرنا اور اس پر عمل کرنا اور ائمہ متبوعین میں
 میں سے کسی سے اس کی ممانعت صراحت سے صاف لفظوں میں منقول نہ ہونا بلکہ
 بعض ائمہ کے قول و فعل سے جواز معلوم ہونا یہ ساری باتیں ایسی ہیں جو اس کے جواز
 (بقیہ ہاشیہ صفحہ گزشتہ) روایات سے اس اختلافی تو سل پر استدلال کرتے ہیں لیکن اس میں تامل کیا جاسکتا ہے
 البتہ ان روایات سے صالحین کے آثار پر تبرک حاصل کرنے کا جواز ثبوت ہوتا ہے جس طرح سلف صالحین
 کی سیرت ان کے اقوال و افعال ان کے کارنامے سن کر ان سے محبت بڑھتی ہے اسی طرح ان کے آثار و کچھ
 سے ان کی یاد تازہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کے ساتھ تعلق اور محبت بڑھتی ہے شایر ان کے باقی
 اور آئندہ نسلوں تک منتقل کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہو۔ واللہ اعلم۔

کے لئے کافی و شافی ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اگر کوئی اس طرح توسل کئے بغیر دعا مانگے تو اس کو اللہ قبول نہیں فرمائیں گے۔ اور نہ یہ خیال کیا جائے کہ اس طرح توسل کرنے سے اللہ تعالیٰ کے ذمہ یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس دعا کو قبول فرمائے بلکہ اس کی بیشمیت صرف جو ان کی ہے جس کی وجہ سے دعا کی قبولیت کی امید کی جاتی ہے اگرچہ بہتری اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے ذریعہ دعا مانگی جائے یا صاف الفاظ میں اس طرح توسل کریں کہ یا اللہ میرا کوئی عمل ایسا نہیں جس کو میں آپ کی بارگاہ میں پیش کر کے اس کے ذریعے سے دعا کروں البتہ آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت ہے پس اے اللہ اس تعلق اور ان پر ایمان لانے کی لالچ رکھ کر میری فلاں حاجت پوری فرما، یا اگر ایسا نہ کہیں صرف یوں کہیں کہ اے اللہ فلاں سے جو تعلق و عقیدت ہے اس کے طفیل میرا فلاں کام پورا فرما، اگر تعلق اور عقیدت کی تصریح نہ بھی کرے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں، لیکن نیت میں یہی ہو یا اسی طرح اور کوئی جائز معنی ہو تو اس طرح توسل بالاتفاق جائز ہو گا، البتہ اس طرح مطلق توسل یعنی یوں کہنا کہ اے اللہ فلاں کے طفیل یا واسطے میرا فلاں کام پورا فرما کرنے میں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ جو یہ فرماتے ہیں کہ عوام اس سے جائز معنی مراد نہیں لیتے، یہ بات ان کی کسی قدر صحیح ہے، اگرچہ ایک مسلمان کی اس کے سوا اس طرح کہنے سے اور کیا مراد ہو سکتی ہے تاہم عوام اور ناواقف مسلمانوں کی حالت ہمارے سامنے ہے اور جو کچھ وہ کرتے اور کہتے ہیں، ان سے بھی یہی واقفیت ہے، اس لئے عوام کو مسئلہ کی پوری نوعیت سمجھانی چاہیے تاکہ ایمان اور عقائد کی حفاظت ہو۔ نیز اس باب میں قدرے تفصیل سے بحث کرنے سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسی متنازع فیہ توسل میں دونوں طرف یعنی قائلین اور مخالفین کے لئے بحث مباحثہ کی کافی گنجائش ہے۔ اس لئے جس طرح متنازع فیہ توسل کے زمانے والوں کو گستاخ، گمراہ اور کافر کہنا ممنوع و ناجائز ہے، اسی طرح اس کے قائلین کو مشرک اور گمراہ سمجھنا ناجائز اور بہت بڑا ظلم ہے۔ البتہ حدود سے تجاوز کرنا کہیں بھی جائز نہیں، اسی طرح محبت و احترام کے پردے میں مخلوق کی عبادت

بھی ناجائز ہے، محبت اور عبادت دونوں کے حدود شریعت مطہرہ نے مقرر کئے
 ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا کسی بھی مخلوق کی عبادت کو حرام اور شرک قرار دیا ہے
 اگرچہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے کیوں نہ ہو اس کے بالمقابل قابل
 احترام ہستیوں، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام وغیرہ کی تحکیم و احترام کا ہمیں حکم دیا گیا ہے
 محبت اور عبادت دونوں کے حدود اور احکام جدا ہیں اور ان کو بلا امتیاز ایک
 دوسرے پر چسپال کرنا سراسر ظلم اور قرآن مجید میں معنوی تحریف کے مترادف ہے
 اور عوام کو خواہ مخواہ افراط و تفریط میں مبتلا کرنا ہے۔



باب پنجم

شُرک فی الاطاعت

اور

التقلید

شُرک فی الاطاعت

شُرک فی الاطاعت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کے سوا کسی کی مستقل طور پر اطاعت کی جائے یعنی اگر کسی کا حکم حکم الہی کے خلاف بھی ہو پھر بھی اس کے آگے تسلیم نہ کیا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ و تبارک کا ارشاد ہے۔

اتَّخَذُوا اٰخْبَارَهُمْ دُورًا مِّمَّا يَنْهَوْنَ عَنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَتَذَكَّرْنَ اَنْ يَّوَدَّ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهُمْ سُبُلَ الْحَقِّ ۚ اِنَّ يَوْمَئِذٍ رَبُّهُمْ عَلِيمٌ بِذُنُوبِهِمْ ۝۳۱
انہوں نے اپنے علماء اور راہبوں کو اللہ تعالیٰ کی بجائے اپنا پروردگار بنا لیا ہے۔

اس آیت شریفہ کی تفسیر صحیح ترمذی میں یوں آئی ہے کہ حضرت عدی بن حاتمؓ فرماتے ہیں میں نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا میری گردن میں سونے کی صلیب تھی آپؐ نے فرمایا اے عدی اس بت کو اتار چھینکو اور میں نے آپؐ کو سورہ التوبہ کی یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا اَتَّخَذُوا اٰخْبَارَهُمْ ۙ (کہ ان اہل کتاب نے اپنے علماء اور راہبوں کو اللہ تعالیٰ کی بجائے اپنا پروردگار بنا لیا ہے) چنانچہ آپؐ نے (اس آیت کی تفسیر میں) فرمایا کہ یہ لوگ اپنے علماء اور راہبوں کی پرستش نہیں کرتے تھے لیکن جب وہ کسی چیز کو حلال قرار دیتے تو یہ اس کو حلال سمجھتے اور جب وہ ان پر کوئی چیز حرام کر دیتے تو یہ لوگ اس کو حرام قرار دیتے۔

معلوم ہوا کہ کسی کی مستقل طور پر شارع یا قانون ساز کی حیثیت سے اطاعت کرنا ناجائز اور ممنوع ہے جس طرح کہ اہل کتاب نے حلال و حرام قرار دینے کا مکمل اختیار اپنے علماء اور راہبوں کو دے رکھا تھا مگر جو اطاعت مخلوق کی ہو لیکن حکم الہی کے ماتحت ہی ہو، وہ اطاعت شرک یا حرام نہیں بلکہ مطلوب اور محمود ہے جیسے فقہائے امت

اور آئمہ مجتہدین کی تقلید اور اطاعت۔ کیونکہ ان حضرات کا فہم اور اجتہاد، قرآن و سنت کے تابع ہوتا ہے یعنی الشرب العزیز اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ماتحت ہوتا ہے اور یہ اطاعت عین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکامات کو عقود کر اپنے آباؤ اجداد کی پیروی کرنا بھی حرام اور منوع ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ۔ پ آیت ۱۴۰

ہیں اچھا اگر ان کے باپ دادا عقل اور ہدایت نہ رکھتے ہوں تب بھی۔

اس آیت مبارکہ سے جس طرح آباؤ اجداد کی مذہبی تقلید اور اتباع کی مذمت ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح مخلوق کی جائز اتباع اور تقلید کی شرائط کی نشان دہی بھی ہو گئی ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے باپ دادوں کی مذموم تقلید کے دو سبب بیان فرمادیئے۔ ایک یہ کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو بر ملا رد کر کے انہیں نہ ماننے کا اعلان کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ ان کے آباؤ اجداد عقل اور ہدایت سے گورے تھے (وَلَا يَعْقِلُونَ) اور لَا يَهْتَدُونَ، جس سے معلوم ہوا کہ اگر آباؤ اجداد اور ایک عالم کے متعلق یہ اطمینان ہو جاتے کہ اس کے پاس قرآن و سنت کا علم ہے اور اس کو عقل یعنی درجہ اجتہاد بھی حاصل ہے اگرچہ احکام قرآن و حدیث میں صراحتاً نہ ہوں، ان کو بذریعہ اجتہاد اور عقل نص میں شرعیہ سے نکال سکتا ہے، تو ایسے عالم اور مجتہد کی تقلید اور اتباع اللہ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اطاعت ہے۔

قرآن مجید ہی سے اہل حق، اہل علم و عقل اور اہل رشد و ہدایت آباؤ اجداد، باپ دادوں کی پیروی اور اتباع ثابت ہے جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے

وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے انہوں نے جواب میں عرض کیا۔

نَعْبُدُ اللَّهَ وَآلَهُ أَبَدًا أَبَدًا أَبَدًا
ہم عبادت کریں گے آپ کے خدا کی اور آپ کے
باپ دادوں کے خدا کی یعنی: ابراہیم، اسماعیل
اور اسحاق کے خدا کی، وہ خدا ہے واحد جلا شریک
(البقرہ آیت ۱۳۲)

اور حضرت یوسف علیہ السلام کے کلام میں تقلید کی دونوں قسموں یعنی حق و باطل کی مثال موجود ہے۔

إِنِّي مَنَعْتُ قَوْمًا لَّيْلَةً قَوْمًا لَّيْلَةً مِّنْوَت
بِاللَّهِ وَهَظُّ بِالْأَخْرِ هَظُّ كَا فَرُون
وَأَتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي أَتَّبَعْتُ هَظُّ وَاسْتَقَى
وَيَعْقُوبُ دَسْوَ دَسْوَ دَسْوَ دَسْوَ دَسْوَ

میں نے اس قوم کی ملت و مذہب کو چھوڑ دیا جو
اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور جو آخرت کے منکر ہیں
اور میں نے پیروی کی اپنے باپ دادوں یعنی ابراہیم
اسحاق اور یعقوب کی ملت اور مذہب کی۔

اس سے پوری وضاحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اللہ جل شانہ
اور اس کے انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں بے وقوف باپ دادوں کی تقلید حرام اور
منوع ہے لیکن اگر باپ دادا علم و عقل اور رشد و ہدایت پر ہوں تو ان کی اتباع جائز اور
پسندیدہ ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو تائے امت اور مجتہدین بن کی بعض
و بصیرت، علم و تقویٰ ہر لحاظ سے ایک مسلم حقیقت ہے کی تقلید اور اتباع کرنا جائز اور
مطلوب ہے۔ اور جو لوگ ائمہ مجتہدین کی تقلید کو کافروں کی تقلید پر منطبق کر کے شرک و
کفر قرار دیتے ہیں وہ سخت غلطی اور جهالت میں مبتلا ہیں اس موضوع پر حضرت مولانا
تقی عثمانی دامت برکاتہم نے اپنی کتاب "تقلید کی شرعی حیثیت" میں بہت ہی منصفانہ
بحث کی ہے اس باب میں حضرت کی کتاب سے کافی استفادہ کیا گیا ہے۔

ادین کی اصل دعوت صرف ایک اللہ و وحدہ لا شریک کی عبادت و
تقلید کی حقیقت اطاعت کی طرف ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی
اسی لئے واجب ہے کہ آپ نے اپنے اقوال و افعال سے اللہ کے احکام کی ترجمانی

فرمائی ہے، حلال و حرام اور جائز و ناجائز کو واضح فرمایا۔

قرآن و سنت میں بعض احکام اور باتیں تو ایسی ہیں جنہیں ہر ایک شخص آسانی سمجھ لیتا ہے مثلاً۔

لَا يَغْتَسِبُ الْمُحْضَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا سِوَةَ الْحَجَرَاتِ (تم میں سے کوئی کسی کو بیٹھ نہ پیچھے بڑا رکھے۔
محمولی لکھا پڑھا آدمی اور مخوڑی سی عربی بانسنے والا اس آیت کے معانی جان لے گا
یا مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لَا فَضْلَ بَعْرِي عَلَى عَجَبِي (یعنی کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں۔

یہ ارشاد بھی بالکل آسان اور واضح ہے اور اس میں بھی کوئی پیچیدگی یا الجھن نہیں
لیکن قرآن و سنت کے بہت سے احکام ایسے ہیں جن میں اجمال پایا جاتا ہے۔ کچھ
ایسے بھی ہیں جو دوسری آیت یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی کسی دوسری حدیث سے
متعارض نظر آتے ہیں مثلاً۔

۱) وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِالْفَرْسِ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (اور جو عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو وہ تین قرو
گزرنے تک انتظار کریں گی۔

یہ مطلقہ عورت کی عدت کا بیان ہے جس کی مدت تین قرو بیان کی گئی ہے قرو
کا لفظ عربی زبان میں حیض (ماہواری) کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور طہر (پاکی) کے لئے
بھی، اگر پہلا معنی لیا جائے تو مطلب یہ ہو گا کہ تین مرتبہ ایام ماہواری گزر جائیں، اگر دوسرے
معنی لے جائیں تو تین طہر گزرنے پر عدت پوری ہوگی۔ اب سوال یہ ہے کہ کس معنی کو
لیا جائے؟

۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مَنْ كَانَ لَهُ امَامٌ فَقَرَأَهُ اَوْ امَامٌ لَهٗ (جس شخص کا کوئی امام ہو تو امام کی قرأت اس کے
لئے بھی قرأت بن جائے گی۔

دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے۔

اِنْ صَلَّوْا وَلَمْ يَلْمِزْ اَوْ لِيُتْرَكَ لِفَاتِحَةِ (جس شخص نے سورۃ فاتحہ پڑھی اس کی نماز

الکتاب۔

نہیں ہوگی۔

اب دونوں حدیثوں کو دیکھتے ہوئے یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلی حدیث شریف کو بنیاد بنا کر دوسری حدیث کا مطلب یوں لیا جائے کہ یہ منظور (ایکے کا زری) کے لئے ہے۔ یا دوسری حدیث کو اصل مان کر یوں کہیں کہ پہلی حدیث میں قرأت سے مراد سورۃ فاتحہ کے سوا کوئی دوسری سورت ہے اور سورۃ فاتحہ اس سے مستثنیٰ ہے؟

اب صاف ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث سے احکام نکالنا کوئی آسان کام نہیں اب ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہم اپنی سمجھ کو راہنما بنا کر اس قسم کے احکام میں فیصلے کرنے لگیں۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہو گا کہ ہمارے جلیل القدر اسلاف اور بزرگوں نے ان آیات و احادیث کا کیا مطلب لیا ہے، ظاہر ہے کہ پہلا طریقہ نہایت خطرناک ہے اور دوسرا طریقہ بہت محتاط ہے۔ یہ بات ناقابل انکار ہے کہ علم و فہم، تقویٰ و پرہیزگاری، دین و دیانت، دکاوت و حفاظت کے لحاظ سے ہم لوگ قرونِ اولیٰ کے علماء کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتے پھر وہ لوگ قرآن و سنت کو ہم سے کبتر محض سمجھتے تھے کیونکہ نزول قرآن کے زمانے کے قریب تھے، اور اس زمانے کی معاشرت، طرز گفتگو، قرآن و حدیث کے صحیح پس منظر اور نزول کے ماحول سے مکمل واقف تھے۔

اب اگر ہم اپنی سمجھ پر اعتماد کرنے کی بجائے قرآن و سنت کے احکام میں اس مطلب و مفہوم کو اختیار کر لیں جو ہمارے اسلاف میں سے کسی عالم نے مجھاسے تو یوں کہا جائے گا کہ ہم نے ظالم عالم کی تقلید کی ہے۔

تقلید کی ضرورت یہ بات صاف ظاہر ہے کہ تقلید کی ضرورت وہاں پیش آنے لگی جہاں قرآن و سنت کے کسی حکم کو ہم ٹھیک طرح نہ سمجھ سکیں خواہ اس بناء پر کہ کسی عبارت کے ایک سے زیادہ معنی نکل سکیں ہوں یا اس میں تفصیل مذکور نہ ہو یا اس کے متعارض دلیل موجود ہو۔ قطعی احکام جن کے سمجھنے میں کوئی مشکل نہ ہو، میں کسی امام یا مجتہد کی تقلید کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، مشور حنفی عالم علامہ عبد الغنی ناظمی فرماتے ہیں۔

قالا مر متفق علیہ المعلوم من الدین
بالضرورة لا يحتاج الی التعلیل فیہ
لاحد الاویہ کفرضیۃ الصلوٰۃ والصوم
والزکوٰۃ والحج ونحوها وحرمة
الزنا واللواط وشراب الخمر والقتل
والرقۃ والغصب وما اشبه ذلك
والہ من المختلف فیہ ہوالذی یحتاج
الی التعلیل فیہ

اسی طرح علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

واما الاحکام الشرعیۃ فضرورات
احد ہا علیہ ضرورۃ من دین الرسول
صلی اللہ علیہ وسلم کالصلوات الخمس
والزکوٰۃ وصوم شہر رمضان والحج
ونحریم الزنا وشراب الخمر وما اشبه
ذلك فہذا الیہ یجوز التعلیل فیہ لان
اناس کلہم لیشترون فی ادراک
والعلمیۃ فلا معنی للتعلیل فیہ وضرورۃ
اخری یصلو الیہ بالنظر والاستدلال
کفروع العبادات والمعاملات والفروع
والمناکحات وغیر ذلك من الاحکام
فہذا یسوغ فیہ التعلیل بدلیل قول
اللہ تعالیٰ یا سئلوا اہل الذکر ان کنتم

میں وہ متفقہ مسائل جن کا دین میں ہونا بدہت
معلوم ہے۔ ان میں آثار اربعہ میں سے کسی کی
تعلیل کی ضرورت نہیں مثلاً نماز روزے زکوٰۃ
حج وغیرہ کی فرضیت اور زنا لواط، شراب نوشی
قتل، چوری، غصب وغیرہ کا حرام ہونا۔ دراصل
تعلیل کی ضرورت ان مسائل میں پڑتی ہے
جن میں علما کا اختلاف ہو۔

اور شرعی احکام کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ احکام
ہیں جن کا جزو دین ہونا بدہت ثابت ہے مثلاً
پانچ نمازیں، زکوٰۃ، رمضان کے روزے اور
حج، زنا اور شراب کی حرمت اور اسی جیسے دوسرے
احکام تو اس قسم میں تعلیل جائز نہیں۔ کیونکہ ان
چیزوں کا علم تمام لوگوں کو ہوتا ہے۔ لہذا
اس میں تعلیل کے کوئی معنی نہیں
اور دوسری قسم وہ ہے جس کا علم فکر و
نظر اور استدلال کے بغیر نہیں ہو سکتا، جیسے
عبادات، معاملات اور شادی بیاہ کے
فروعی مسائل اس قسم میں تعلیل درست ہے
کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فاسئلوا اہل الذکر
یعنی اہل ذکر علماء سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے

لہ غلامہ تحقیق فی علم التعلیل والتانیق من تبرہ مطبوعہ مکتبۃ الشیخ۔ استنبول

لَا تَعْلَمُونَ وَإِنَّمَا لَكُمْ فِي الْأَقْلَامِ
هَذَا الْمَسْأَلُ الَّذِي هُوَ مِنْ فُرُوعِ الدِّينِ
لَا حَاجَ كُلِّ أَحَدٍ أَنْ يَتَحَلَّوَ ذَلِكَ وَ
فِي إِيضَابِ ذَلِكَ قَطْعٌ عَنِ الْمَعَالِشِ وَ
حَلَاكَ الْحَرِثِ وَالْأَشْيَةِ فَوَجِبَ
أَنْ يَسْقُطَ

ہو نیز اس سے کہ اگر ہم دین کے ان فردعی مسائل
میں تعلیم کو مشروع کر دیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ
ہر شخص باقاعدہ علوم دین کی تحصیل میں لگ جاتے
اور لوگوں پر اس تعلیم کو واجب کرنے سے زندگی
کی تمام ضروریات برابر ہو جائیں گی اور کمیتوں اور
مویشیوں کی تباہی لازم آنے کی لہذا ایسا حکم نہیں دیا جاسکتا

نذکورہ بالا عبارات سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ
کیا تعلیم شرک ہے؟ تعلیم کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ امام یا مجتہد کو بذات خود
واجب الاطاعت سمجھ کر اس کا اتباع کیا جا رہا ہے بلکہ مقصود تو قرآن و سنت کی پیروی
ہے لیکن امام کی تشریح و تعبیر پر اعتماد کیا جا رہا ہے۔ وہ قرآن و سنت کا شارح و تشریح
کرنے والا ہے شارح و شریعت یا قانون بنانے والا سرگز نہیں۔ مقلد اپنے امام کو
ماخوذ شریعت نہیں سمجھتا بلکہ یہ سمجھ کر اس کے قول پر عمل کرتا ہے کہ امام خود قرآن و سنت
کے علوم میں پوری بصیرت رکھتا ہے اس لئے اس کی تشریح زیادہ قابل اعتماد ہے۔
اب ذرا انصاف کی نظر سے دیکھ کر بتائیے کہ اس میں شرک یا گناہ کی کون سی بات
ہے؟ اگر امام کو شارح (قانون ساز) یا بذات خود واجب الاطاعت مانا جاتے تو بلاشبہ
یہ شرک ہے۔

دیکھئے فی الحال پاکستان میں جو قانون نافذ ہے وہ کتابی شکل میں مرتب اور مدون
ہے۔ کروڑوں کی آبادی میں کتنے لوگ ایسے ہیں جو قانون کو کتابوں سے پڑھ پڑھ کر اس
پر عمل کرتے ہیں؟ اچھے خاصے انگریزی دان بھی وکیل سے مشورہ لیتے ہیں خود قانون کی
کتاب براہ راست سمجھنے کی جرات نہیں کرتے کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے وکلاء
کو حاکم یا قانون ساز تسلیم کر لیا ہے۔
بس اسی طرح قرآن و سنت کے احکام کو ٹھیک طرح سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے

اتمہ مجتہدین پر اعتماد کرنے کو تقلید کہتے ہیں۔

تقلید کا ثبوت آیات قرآن سے | تقلید کی حقیقت کے بارے میں قرآن کریم میں اصولی ہدایات موجود ہیں اللہ تعالیٰ

کا ارشاد ہے۔

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ
وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ
(سورۃ النساء - آیت ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول
کی اطاعت کرو اور اپنے آپ میں سے اولوالامر
کی اطاعت کرو۔

”اولوالامر“ سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک مسلمان حکام ہیں اور حضرت جابر بن
عبد اللہ، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت مجاہد، حضرت عطاء بن ابی رباح، حضرت
عطاء بن السائب، حضرت حسن بصری، حضرت ابو العالیہ اور دوسرے بہت سے مفسرین
نے اس کا مطلب علماء اور فقہاء لیا ہے۔ اور امام رازمی نے اسے ترجیح دی ہے اور علامہ
ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امراء کی اطاعت کا نتیجہ بھی بالآخر علماء ہی کی اطاعت ہے
کیونکہ امراء بھی شرعی معاملات میں علماء کی اطاعت کے پابند ہیں۔

بہر حال اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کو کہا گیا ہے کہ اللہ و رسول کی اطاعت کریں
اور ان علماء اور فقہاء کی اطاعت کریں جو اللہ اور اس کے رسول کے کلام کی تشریح کرنے
والے ہیں اسی اطاعت کو اصطلاح میں تقلید کہتے ہیں، آگے اللہ پاک فرماتے ہیں۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى
اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ الْآيَةُ الْمَذْكُورَةُ بِاللَّهِ

پس اگر کسی معاملے میں تمنا را با ہم اختلاف ہو جائے
تو اس معاملے کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف
توا دو۔ اگر اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

اس جملہ میں مجتہدین کو خطاب کیا گیا ہے اور امام ابو جبر جصاصؒ ”اولوالامر“ کا مطلب
علماء جیسے ہیں اور لکھتے ہیں۔

وقوله تعالى عتیب ذلك فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ
فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ

اور اولوالامر کی اطاعت کا حکم دینے کے فوراً بعد
اللہ تعالیٰ کا یہ فرمایا کہ اگر کسی معاملے میں تمنا را

بیدل ان اولی الامر من بعدہ الفقہاء
 من سائر الناس بطاعتہم شر قال
 فان تنازعتموا فی امر اولی الامر
 من المتنازع فیہ الی مسئلہ نبیہ
 صلی اللہ علیہ وسلم ان کانت العاۃ
 ومن لیس من اهل العلم لیست ہذا
 من قولہم انہم لا یعرفون کیفیۃ
 الرد الی کتاب اللہ والسنة ووجہ
 رد دلہا علی احکام الحوادث فقہت
 اند خطاب للعلماء

در میان اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور
 رسول کی طرف لوٹا دو اس بات کی دلیل ہے کہ
 اول الامر سے مراد فقہاء ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ
 نے تمام لوگوں کو ان کی اطاعت کا حکم دیا اور پھر
 فان تنازعتموا فرما کر اول الامر کو حکم دیا کہ جس معاملے
 میں ان کے درمیان اختلاف ہو اسے اللہ کی کتاب
 اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف لوٹا دو
 یہ حکم فقہاء ہی کو ہو سکتا ہے کیونکہ عوام الناس اور
 غیر اہل علم کا یہ مقام نہیں ہے اس لئے کہ وہ اس بات
 سے واقف نہیں ہوتے اللہ کی کتاب اور سنت کی

طرف کسی معاملے کو لوٹانے کا کیا طریقہ ہے اور انہیں نت سے مسائل اخذ کرنے کے لئے دلائل کے طریقے
 کا علم ہوتا ہے لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ خطاب علماء کو ہے

مشہور اہل حدیث عالم علامہ نواب صدیق حسن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے
 بھی اعتراض کیا ہے کہ فان تنازعتموا کا خطاب مجتہدین کو ہے۔

والظاهر اند خطاب مستقل مسئلہ
 اور ظاہر ہے یہ مستقل خطاب ہے جس میں حکم
 موجبہ للمجتہدین ہے

پس معلوم ہوا کہ جن میں اجتہاد کی اہلیت نہیں مختلف فیہ مسائل میں ان کو
 براہ راست قرآن و حدیث سے رجوع کر کے خود فیصلہ کرنا درست نہیں عام لوگوں
 کو خطاب ہے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں جن کا طریقہ یہ ہے کہ
 اولی الامر یعنی فقہاء سے مسائل پوچھیں اور ان پر عمل کریں جب کہ دوسرے جملہ میں
 مجتہدین کو خطاب ہے کہ تنازعہ کی صورت میں کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ
 علیہ وسلم کی طرف رجوع کر کے اپنی اجتہادی بصیرت کے ذریعہ احکام اخذ کریں۔ لہذا پہلے

جملہ میں عام مومنین کو تعلیہ کا حکم ہے اور دوسرے جملہ میں متبحر علما کو اجتہاد کا۔
(۲) قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

وَإِذَا جَاءَ هَهُمُ امْرُؤٌ مِنَ الْآمِنِ
أَوْ الْخَوْفِ أَذْخُلُوا بِهِمْ قَوْلَ كَذُوبَةٍ
إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ
لَعَلَّهُمْ الَّذِينَ يَسْتَطِيعُونَ مِنْهُمْ
(نساء آیت ۸۳)

اور جب ان رعوام الناس آکے پاس امن یا خوف
کی کوئی بات پہنچتی ہے تو یہ اس کی اشاعت کر
دیتے ہیں اور اگر یہ اس معاملے کو رسول کی طرف
یا اپنے اولوالامر کی طرف لٹا دیتے تو ان میں سے جو
لوگ اس کے استنباط کے اہل ہیں وہ اس کی حقیقت
کو خوب معلوم کر لیتے۔

اس آیت سے یہ اصولی ہدایت ملتی ہے کہ جو لوگ گہری نظر اور تحقیق کی قابلیت
نہیں رکھتے انہیں اہل استنباط الفقہاء مجتہدین کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور وہ اپنی
بصیرت سے جو راوی عمل متعین کریں اس پر عمل کرنا چاہیے۔ اسی کا نام تعلیہ ہے چنانچہ
امام رازنی اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

فثبت ان الاستنباط حجة، والقياس
اما استنباط او داخل فيه فوجب ان
يكون حجة اذا ثبت هذا فنقول الآية
دالة على امور احدها ان في الاحكام
حوادث ما لا يعرف بالنص بل بالاستنباط
وثانيها ان الاستنباط حجة، وثالثها
ان العامي يجب عليه تعليل الطامع في
احكام الحوادث۔

پس ثبات ہوا کہ استنباط حجت ہے اور قیاس یا تو
خود استنباط ہے یا استنباط میں داخل ہے لہذا
وہ بھی حجت ہوا۔ جب یہ بات ملے ہوگی تو اب
ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت چند امور کی دلیل ہے ایک یہ
کہ سنت سے پیش آنے والے مسائل میں بعض امور ایسے
ہوتے ہیں جو آیات سے (صاف طور پر) معلوم نہیں
ہوتے بلکہ ان کا حکم معلوم کرنے کے لئے استنباط کی
ضرورت پڑتی ہے دوسرے یہ کہ استنباط حجت ہے
اور تیسرے یہ کہ عام آدمی پر واجب ہے کہ وہ پیش آنے والے مسائل و احکام کے بارے میں علما کی
تعلیل کرے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ آیت جنگ کے مخصوص حالات کے بارے میں ہے۔ امام رازمی اس کے جواب میں لکھتے ہیں۔

ان قوله وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَعَامَ فِي كُلِّ مَا يَتَّخِذُ بِالْحَرْبِ وَفِيمَا يَتَّخِذُ بِنِزَائِهِمُ الشَّرْعِيَّةِ. لان الامن والخوف حاصل في كل ما يتعلق بباب التكليف ثبت انه ليس في الآية ما يوجب تخصيصها بالحوادث
 اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ جب ان کے سامنے امن یا خوف کا کوئی معاملہ آتا ہے، البالکل عام ہے جس میں جنگ کے حالات بھی داخل ہیں اور تمام شرعی مسائل بھی اس لئے کہ امن و خوف ایسی چیزیں ہیں کہ شریعت کے فرض کردہ احکام کا کوئی باب ان سے باہر نہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو اسے صرف جنگ کے حالات سے مخصوص کر دے۔

اہل حدیث عالم نواب صدیق حسن خاں صاحب فرماتے ہیں۔
 فی الآية اشارة الى جواز القياس وان من العلوم ما يدرك بالاستنباط
 اسی آیت میں قیاس کے ساتھ ہونے کی طرف اشارہ ہے اور بعض علم ایسے ہیں جن کا ادراک (حاصل کرنا) استنباط کے ذریعہ ہوتا ہے۔

۴۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
 فَلَوْ لَمْ تَقْرَأُوا لَآتَيْنَاكُمْ بِالْبُرْهَانِ لَيْسَ لَكُمْ فِي الدِّينِ وَلَيْسَ لَكُمْ فِي الدِّينِ وَإِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ لَعَلَّاهُمْ يَخْذَرُونَ
 پس کیوں نہ مکمل پڑا ان کی ہر شرعی جماعت میں سے ایک گروہ تاکہ یہ لوگ دین میں تفقہ (سمجھ) حاصل کریں اور تاکہ لوٹنے کے بعد اپنی قوم کو ہوشیار کریں۔ شاید کہ وہ لوگ اللہ کی نافرمانی سے بچیں۔
 (سورۃ التوبہ آیت ۱۲۲)

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ علم حاصل کرتے والی جماعت پر یہ واجب ہے کہ وہ دوسروں کو شریعت کے احکام سے باخبر کرے اور دوسروں پر واجب ہے

کہ اللہ کی نافرمانی سے بچنے کے لئے ان کے بتلاتے ہوئے احکام پر عمل کریں۔ اسی کا نام تقیہ ہے۔ اس پر امام جصاص گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

فأوجب الحذر بانهذا هو
والزم الصذرین قبول
قولہ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں پر واجب کیا ہے کہ جب علماء ان کو احکام شریعت بتا کر، ہوشیار کریں تو وہ اللہ کی نافرمانی سے بچیں اور علماء کی بات مانیں۔

(۴۷) اللہ پاک کا ارشاد ہے

فَأَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

اگر تم میں علم نہ ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔

اس آیت شریفہ میں یہ اصول بتلایا گیا ہے کہ جو لوگ عالم نہ ہوں وہ علم و فن کے ماہرین سے پوچھ کر عمل کیا کریں اسی کو تقیہ کہتے ہیں۔ علامہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔

امام ابن یسوع، المتقلید فیہو العالی
الذی لا یعرف طرق الاحکام الشرعیۃ
فیجوز لہ ان یقلد عالمہ بعمل بقولہ
قال اللہ تعالیٰ فَأَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ
كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔

ربانیہ مسئلہ کہ تقیہ کس کے لئے جائز ہے سو یہ وہ عامی شخص ہے جو احکام شریعہ کے طریقے نہیں جانتا، پس اس کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی عالم کی تقلید کرے اور اس کے قول پر عمل کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فاسألوا اہل الذکر۔

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عمر بن عبس کا قول نقل کیا ہے کہ آیاتہ بالامین اہل الذکر سے مراد اہل علم ہیں۔

تقیہ کا ثبوت حدیث شریف سے | **اقرآن کریم کے علاوہ حدیث شریف سے بھی تقیہ کا جو اثر ثابت ہوتا ہے**

۱۱ عن حدیثہ قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادوی ما بقائی

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر مجھے

احکام القرآن للجماعہ ۲۶ ص ۲۶۲ کہ الفقیر والمتفق علیہ خطیب بغدادی ج ۲ ص ۶۸۹ مطبوعہ دار الافتاء
مصر دیر ریاض ۱۳۸۹ھ

زَكَرًا، فَاقْتَدُوا بِالَّذِينَ مِنْ
بَعْدِهِ، الْإِيفَ بَكْرٌ وَعَمْرٌ

معلوم نہیں میں کتنا عرصہ تھا اسے درمیان رہوں
کا۔ پس تم میرے بعد وہ شخصوں کی اقتداء کرنا،
ایک ابو بکرؓ دوسرے عمرؓ

ارواہ الترمذی و ابی ماجہ و احمد

حدیث شریف میں لفظ اقتداء آیا ہے جو دینی امور میں کسی کی پیروی کے لئے
استعمال ہوتا ہے عربی لغت کے مشہور عالم ابن منظورؒ لکھتے ہیں: الْقَدْوَةُ وَالْقِدْوَةُ
مَا تَسَنَّيْتَ بِهِ، یعنی قدوة اس شخص کو کہتے ہیں جس کی سنت پر تعم عمل کرو اور القدوة الالهية
قدوة کے معنی ہیں اسوة الیعنی نمونہ، قرآن کریم میں بھی یہ لفظ دینی امور میں انبیاء علیہم السلام
اور صلحا کی پیروی کے لئے آیا ہے۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَّاهُمْ
اقتداء (سورہ النعام آیت ۹۰)

پس مندرجہ بالا حدیث شریف میں لفظ اقتداء استعمال کیا گیا ہے جو کہ دینی امور
میں کسی کی پیروی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور یہاں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی
اقتداء کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اسی کا نام تقلید ہے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا۔

من افقی بخیر علم کان اثمہ
على من افتاء۔

اس حدیث شریف سے صاف ظاہر ہے کہ تقلید جائز ہے اور عالم کے فتویٰ
پر دلیل کی تحقیق کے بغیر عمل جائز ہے، کیونکہ سارا گناہ بے علم کو ہو گا جو فتویٰ دے۔
اگر فتویٰ کی تحقیق کے بغیر عمل جائز نہ ہوتا تو سوال کرنے والے کو بھی اس بات کا گناہ ہونا
چاہیے تھا کہ اس نے فتویٰ کی صحت کی تحقیق کیوں نہیں کی۔ پس حدیث شریف سے واضح
ہو گیا کہ جو شخص خود عالم نہ ہو اس کا ٹھہرنا صرف اس قدر ہے کہ جو شخص اس کی معلومات

کے مطابق قرآن و سنت کا علم رکھتا ہو مسئلہ پوچھ لے۔ اگر وہ غلط بات تو گناہ عالم پر ہوگا پوچھنے والے پر نہیں۔

۳۱ حضرت ابراہیم بن عبد الرحمن العذری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

يَحْمِلُ هَذَا الْعِلْمُ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عَدُوًّا
يَنْفُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ الْغَالِيَتِ وَ
اِنْتِحَالَ الْمُبْطِلِينَ وَتَأْوِيلَ الْجَاهِلِينَ
(رواہ البیہقی فی المنہل)

ہر آنے والی نسل کے ثقہ لوگ اس علم دین کے حامل ہوں گے جو اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف کو باطل پرستوں کے جھوٹے دعوؤں کو اور جابلوں کی تاویلات کو دور کریں گے۔

اس حدیث شریف میں جابلوں کی تاویلات کی مذمت کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان تاویلات کی تردید علماء کا فرض ہے اور تاویلات بھی وہی آدمی کر سکتا ہے جو علم دین اور عربی کی شد بدرکھتا ہو لیکن ایسے شخص کو بھی حدیث میں جابل قرار دیا گیا اس کی تاویل کی مذمت کی گئی۔ پس جو لوگ مجتہدانہ بصیرت نہیں رکھتے انہیں قرآن و حدیث کے صحیح مطلب کو سمجھنے کے لئے اہل علم کی طرف رجوع کرنا لازمی ہے اسی کو تقلید کہتے ہیں۔

صحابہ کے زمانے میں تقلید | صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں تقلید پر بکثرت عمل ہوتا رہا ہے جو صحابہ تحصیل علم میں زیادہ وقت نہیں لگا سکتے تھے وہ فقہاء صحابہ سے پوچھ پوچھ کر عمل کرتے تھے اور علمائے کرام سے تقلید مطلق اور تقلید شخصی دونوں ثابت ہیں۔ ان روایات جن سے تقلید کا ثبوت ملتا ہے سے قبل تقلید مطلق اور تقلید شخصی کے فرق کو سمجھ لینا چاہیے۔

تقلید مطلق | اگر ایک مسئلہ میں ایک عالم کا مسلک لیا جائے اور دوسرے مسئلہ میں کسی دوسرے عالم کی رائے قبول کر لی جائے تو اس کو تقلید مطلق یا تقلید عام یا تقلید غیر شخصی کہیں گے۔

تقلید شخصی اگر تقلید کے لئے کسی ایک مجتہد عالم کو اختیار کیا جائے اور ہر مسئلہ میں اسی کے فیصلہ کو لیا جائے تو اسے تقلید شخصی کہتے ہیں۔
پہلے تو صحابہؓ کے دور میں تقلید مطلق کی مثالیں آتی ہیں۔

(۱) عن ابن عباسؓ قال خطب عمر بن الخطاب الناس بالجابية وقال يا ايها الناس من اراد ان ليسل عن الشران فليأت ابى بن كعب ومن اراد ان ليسل عن الفران فليأت زید بن ثابت ومن اراد ان يسأل عن الفقه فليأت حماد بن جبل ومن اراد ان يسأل عن الحال فليأتني فان الله جعلني لى واليا وقاسما.
(رواه الطبرانی فى الاوسط)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جابریہ کے مقام پر خطبہ دیا اور فرمایا اسے لوگو! جو شخص قرآن کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہو وہ ابی بن کعبؓ کے پاس جاتے جو میراث کے احکام کے بارے میں پوچھنا چاہے وہ زید بن ثابتؓ کے پاس جاتے اور جو شخص فقہ کے بارے میں پوچھنا چاہے وہ حماد بن جبلؓ کے پاس جاتے اور جو شخص مال کے بارے میں سوال کرنا چاہے وہ میرے پاس آجائے اس لئے کہ اللہ نے مجھے اس کا والی اور قسّم کنہ بنایا ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اس تقریر میں لوگوں کو تفسیر، فرائض اور فقہ کی معلومات حاصل کرنے کے لئے مابہر اور ممتاز صحابہؓ کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کی کہ لوگ ان کے ہتھ کے ہونے مسائل پر عمل کریں یہی تقلید ہے۔

(۲) عن عبد الرحمن قال سألت محمد بن سیرین عن دخول الحمام فقال كان عمر بن الخطاب يكرهه.
دیکھئے یہاں محمد بن سیرینؒ نے صرف اتنا کہا کہ حضرت عمرؓ اسے مکروہ کہتے تھے۔ اس کی کوئی دلیل نہیں بتائی۔

صحابہ کرامؓ میں سے بھی جو حضرات خود کو اہل اجتہاد یا اہل استنباط نہیں سمجھتے تھے وہ فقہاء صحابہؓ سے پوچھتے وقت دلائل کی تحقیق نہیں فرماتے تھے بلکہ اعتماد کر کے مسائل

پر عمل کرتے تھے۔

۳۱ عن سلیمان بن یسار ان ابایوب
الانصاری عنی خرج ما جاحت اذاکان
بالنازید من طریق مكة اصل روضه
وانه قدم علی عمر بن الخطاب یوم النحر
وقد کثر ذلک له فقال عمر بن الخطاب
اصنع ما یصلح المعتمر ثم قد علمت
فاذا ادرکک الصحیح قایلاً فاحجج
واخذ ما استیسر من البعید

حضرت سلیمان بن یسار فرماتے ہیں کہ حضرت ابویوب
الانصاری حج کے ارادے سے نکلا جب مکہ مکرمہ
کے راستہ میں نازید کے مقام تک پہنچے تو انکی سواری
کم ہو گئیں اور وہ یوم النحر اذی الحج میں واجب حج
ہو چکا تھا، حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے تو ان سے
یہ واقعہ ذکر کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا تم وہ ارکان ادا
کر دو جو عمرہ والا ادا کرتا ہے (یعنی طواف اور سعی) اسی
طرح تمہارا احرام مکمل جائے گا۔ پھر اگلے سال جب

حج کا زمانہ آئے تو دوبارہ حج کرو اور جو قربانی میسر ہو ذبح کرو۔

اس مثال میں بھی نہ حضرت ابویوبؓ نے مسئلے کی دلیل پوچھی نہ حضرت عمر رضی اللہ
عندہ نے بتائی۔ انہوں نے فقط حضرت عمرؓ کے علم و فہم پر یقین کر کے عمل فرمایا، اسی کو
تقلید کہتے ہیں۔

۳۲ عن مصعب بن سعد کان ابی
اذ صلی فی المسجد تجوز واقعہ البرکۃ
والسجود والصلوۃ قلت یا ابتلا اذا
صلیت فی المسجد جوزت واذا صلیت
فی البیت اطاعت قال یا بخت انا امۃ
یقتدی بنا (رواہ الطبرانی فی الکبیر و رجالہ
رجال الترمذی)

حضرت مصعب بن سعد فرماتے ہیں کہ میرے والد سعد
بن ابی وقاصؓ جب مسجد میں نماز پڑھتے تو رکوع اور
سجدہ تو پورا کر لیتے مگر اختصار سے کام لیتے اور جب
گھر میں نماز پڑھتے تو رکوع سجدہ اور نماز کے دوسرے
ارکان اطویل فرماتے۔ میں نے عرض کیا ابابان آپ
جب مسجد میں نماز پڑھتے ہیں تو اختصار سے کام
لیتے ہیں اور جب گھر میں پڑھتے ہیں تو اطویل نماز

پڑھتے ہیں، حضرت سعدؓ نے جواب دیا کہ بیٹے ہم لوگوں کے (امام ہیں۔ لوگ ہماری اقتداء کرتے ہیں) یعنی
لوگ میں طویل نماز پڑھتے دیکھیں گے تو اتنی لمبی نماز پڑھنا شروع ہی نہیں گے اور جاوے گا اس کی پابندی

لہذا امام مالکؒ ص ۱۴۹ اپنی من فات الحج کے مجموع الرواۃ للشیخ ص ۱۸۵ باب الاقۃ۔ بالسنۃ۔

شروع کر دیں گے۔

پس ثابت ہوا کہ عام لوگ بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل کو دیکھ کر ان کی تقلید کرتے تھے، اس لئے وہ اپنے عمل میں اتنی باہر یک باتوں کا خیال نہ رکھتے تھے۔

(۵) ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کو دیکھا کہ انہوں نے احرام کی حالت میں رنگا ہوا کپڑا پہن رکھا ہے حضرت عمرؓ نے ان سے کہا طلحہ! یہ رنگا ہوا کپڑا کیا ہے؟ حضرت طلحہؓ نے جواب دیا امیر المؤمنین یہ تو گیسو ہے جس میں خوشبو نہیں ہوتی اور بغیر خوشبو کے رنگین کپڑا پہننا جائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ لوگ امام و مقتدا ہیں لوگ آپ کی اقتداء کرتے ہیں لہذا اگر کوئی ناواقف آدمی (آپ کے جسم پر) یہ کپڑا دیکھے گا تو وہ یہ کہے گا کہ طلحہ بن عبید اللہؓ احرام کی حالت میں رنگے ہوتے کپڑے پہنا کرتے تھے لہذا ہر قسم کے رنگین کپڑے پہننا جائز ہے چنانچہ وہ خوشبودارے رنگین کپڑے بھی پہننے لگیں گے لہذا آپ حضرات اس قسم کے رنگے ہوتے کپڑے نہ پہنا کریں۔

(۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن مسعودؓ کو کوفہ بھیجا اور اہل کوفہ کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا۔

انی قد بعثت الیکم اعمار بن یاسر امیراً و عبد اللہ بن مسعود علماً و وزیراً و هما من الصحابة من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اهل بدر

میں نے تمہارے پاس عمار بن یاسرؓ کو امیر بنا کر اور عبد اللہ بن مسعودؓ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے اور یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریف صحابہؓ میں سے ہیں اور اہل بدر سے ہیں

فما تدر وادبها واسمعوا من قوليهما۔
 (۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قضا کے اصول بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:
 فصن عرض له منكم قضيًا بعد اليوم
 فليقض بما في كتاب الله، فان جاء امر
 ليس في كتاب الله، فليقض بما قضى به
 نبيته صلى الله عليه وسلم فان جاء امر
 ليس في كتاب الله، ولا قضى به نبيته
 صلى الله عليه وسلم فليقض بما قضى
 به الصالحون، فان جاء امر ليس في
 كتاب ولا قضى به نبيه صلى الله عليه
 وسلم ولا قضى به الصالحون فليجتهد رأيًا
 في كرم صلى الله عليه وسلم في السبيل
 اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث کی تشریح میں صالحین کا
 اتباع ضروری ہے یہی تقلید کا مقصد و مطلب ہے۔ مجددِ حدیث قاضی اور عالم کو ہدایت
 کرتی ہے کہ وہ اپنی اجتہادی رائے پر صالحین اسلاف کے فیصلے کی طرف رجوع کرے،
 یہ چند مثالیں سرسری طور پر بیان کر دی گئی ہیں ورنہ کتب آثار ایسے واقعات
 سے بھری پڑی ہیں۔ اس کے علاوہ صحابہ کے زمانے میں شخصی تقلید کی مثالیں بھی ہیں۔
 نصیحا پہ کے زمانے میں تقلید شخصی

عہد سے روایت ہے۔

ان اهل المدينة سألوا ابن عباس
 رضى الله عنهما من امرأة طافت ثور
 راضت، قال ليهن تنفر قالوا لا ناخذ
 بعض اهل المدينة نے حضرت ابن عباسؓ سے ایسی
 عورت کے بارے میں سوال کیا جو طوافِ فرس
 کے بعد راضہ ہو گئی ہو کہ وہ طوافِ وداع کے

بقولت وندۓ قول زیدؑ۔
 لئے پاک ہونے تک انتظار کرے یا طواف واداع
 اس سے ساقط ہو جائے گا؟ اور بغیر طواف کئے واپس آنا جائز ہوگا؟ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ طواف
 واداع کے بغیر جاسکتی ہے۔ اہل مدینہ نے کہا کہ ہم آپ کے قول پر زید بن ثابتؓ کے قول کو چھوڑ کر
 عمل نہیں کریں گے۔

یہی واقعہ مسند البودادہ میں منقول ہے اس میں اہل مدینہ کے یہ الفاظ منقول ہیں
 اے ابن عباسؓ جس معاملے میں آپ زید بن ثابتؓ کی مخالفت کر رہے ہیں اس میں ہم
 آپ کی اتباع نہیں کریں گے اس پر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مدینہ پہنچ کر امام سلیم
 سے پوچھ لینا کہ جو جواب میں نے دیا ہے وہ درست ہے۔
 اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ اہل مدینہ زید بن ثابتؓ کی تقلید شخصی کرتے تھے اور
 انہیں کے قول کو حجت سمجھتے تھے۔ اور ابن عباسؓ نے اہل مدینہ کو ہرگز یہ نہیں کہا کہ تم
 لوگ ایک شخص کو تقلید کے لئے مقرر کر کے شرک اور گناہ کے مرتکب ہو رہے ہو۔
 چنانچہ جب ان لوگوں نے امام سلیم سے پوچھا اور زید بن ثابتؓ سے عرض کیا تو زید بن
 ثابتؓ نے حدیث کی تحقیق کر کے اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیا اور اس کی اطلاع ابن عباسؓ
 کو بھی دی جیسے مسلم، نسائی اور بیہقی وغیرہ کی روایات میں وضاحت آتی ہے۔
 اگر اس حدیث پر اعتراض کیا جائے کہ اگر اہل مدینہ متقلد ہوتے تو امام سلیم سے
 تحقیق کیونکر کرتے یہ بات دراصل اس غلط فہمی پر مبنی ہے کہ کسی مجتہد کی تقلید کے
 بعد احادیث کی تحقیق حرام ہو جاتی ہے۔ حالانکہ تقلید کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ جو شخص
 قرآن و سنت کا مطلب سمجھے، ظاہری تعارض کو دور کرنے اور ناخ و مشوخی کا فیصلہ کرنے
 کی قابلیت خود میں نہیں پاتا وہ کسی مجتہد عالم سے تفصیلی دلائل کا مطالعہ کے بغیر اس
 کے علم پر مجبور کر کے اس کے فتویٰ پر عمل کر لیتا ہے۔ قرآن و حدیث کا مطالعہ اور تحقیق
 تقلید کے بعد بند نہیں ہو جاتا اس کا ثبوت وہ تفسیریں اور شرحیں ہیں جو متقلدین نے
 لکھی ہیں۔

اتباع کریں آپ نے ان کو قرآن و سنت، قیاس و اجتہاد کے مطابق فتویٰ دینے کی اجازت بھی دے دی اس کا تو یہی مطلب ہے کہ آپ نے اہل میں کو تعلیم شخصی کا پابند بنادیا۔

حضرت معاذؓ معلم و مفتی کے طور پر عین گئے تھے، صرف ایک حکمران کے طور پر نہیں ثبوت میں حدیث شریف دیکھئے صحیح بخاری کی روایت ہے،

عن الامام سعد بن ابی یزید قال انا معاذ بن جبل باليمن معلما و امیرا قالوا
عن رجل توفی و ترك ابنته و اخته فاعطى الامم بنته النصف و الامم بنت النصف
حضرت امودیان بزرگ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل ہمارے پاس میں آئے وہ ہمارے امیر بھی تھے اور معلم بھی تھے۔ ہم نے ان سے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص نے وفات کے بعد اپنی بیٹی اور بہن چھ لڑی ہے ان کو کیا میراث ملے گی، تو حضرت

معاذؓ نے بیٹی کو نصف اور بہن کو نصف میراث دی۔ یہاں اگرچہ معاذؓ نے فتویٰ دے کر اس کی دلیل بھی نہیں بتائی، لیکن ان کا فیصلہ تعلیم قبول کیا گیا۔

اسی طرح مسند احمد اور مجمل طبرانی میں روایت ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن تشریف لاتے تو خولان کی ایک عورت پاس آئی اور سلام کے بعد کہنے لگی کہ اسے شخص تمہیں کس نے بھیجا ہے، حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے عورت نے کہا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے اور آپ اللہ کے رسول کے بیٹے ہیں، تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں لے گیا آپ مجھے (دین کی باتیں) نہیں بتائیں گے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، مجھ سے جو چاہو، پوچھو۔ پس حضرت معاذؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر اور ان کے نمائندے کی حیثیت سے احکام دین بتایا کرتے تھے، اسی حدیث میں حضرت معاذؓ نے عورت کو خاوند کے حقوق بتائے، لیکن نہ کوئی آیت اور نہ کوئی حدیث سنائی، بلکہ اصول اسلام کے مطابق

جواب دیا اور لوگ اُن کی تقلید کرتے تھے صرف اہل یمن نہیں بلکہ دوسرے صحابہ بھی ان کی تقلید کرتے تھے چنانچہ ابو مسلم خولانی کی روایت میں ہے کہ اہل دمشق کی ایک مسجد میں ایک علقہ میں ادھیڑ عمر کے صحابہ کرام موجود تھے درمیان میں ایک جوان سرنگیں آنکھوں والے اور چمکے اردانت والے صحابی تھے جب صحابہ میں کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو وہ فیصلہ اسی جوان صحابی سے کرتے خولانی نے اپنے ہم نشین سے پوچھا تو انہوں نے بنایا کہ یہ معاذ بن جبل ہیں۔

یہ چند مثالیں تقلید شخصی کی نظیر ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقلید کی دونوں قسموں تقلید شخصی اور غیر شخصی پر صحابہ کرام کے عہد مبارک میں عمل ہوتا رہا ہے اور حقیقت یہی ہے کہ جو شخص قرآن سنت سے براہ راست احکام نکالنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اصل کے اعتبار سے اس کے لئے تقلید کی دونوں قسمیں جائز اور درست ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

اور تقلید کی ضرورت میں جو باتیں کہی گئی ہیں ان کا اطلاق اس شخص پر نہیں ہوتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کے قول کو حجت نہیں مانتا اور جس کا اعتقاد یہ ہے کہ طاعل صرف وہ ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے طاعل کر دیا اور حرام صرف وہ ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا لیکن چونکہ اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا علم نہیں ہے نہ وہ آپ کے کلام میں سے متعارف احادیث کی تطبیق کے طریقے سے واقف ہے اور نہ آپ کے کلام سے استنباط احکام کے طریقے جانتا ہے اس لئے وہ کسی ہدایت یافتہ عالم کی اس بنا پر اتباع کر لیتا ہے کہ یہ عالم اپنے علم و فتویٰ کے مش نظر اپنے اقوال میں صاحبِ درست ہو گا اور ظاہری طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا قیاس ہو گا چنانچہ اگر اس کا یہ گمان غلط ثابت ہو جائے تو وہ کسی جدال و اصرار کے بغیر اس کی تقلید سے دستبردار ہو جائے گا تو اس قسم کی تقلید سے کوئی کیسے انکار کر سکتا ہے جب کہ فتویٰ پوچھنے اور فتویٰ دینے کا سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے چلا آتا ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ انسان ہمیشہ ایک ہی شخص سے فتوے پوچھا

کرتے (جسے تقلید شخصی کہتے ہیں) یا کبھی ایک شخص سے اور کبھی دوسرے شخص سے
 پوچھا کرے (جسے تقلید مطلق کہتے ہیں) جب کہ اس میں مذکورہ بالا شرائط جمع ہوں۔
 پس فی الحقیقت تقلید شخصی ہو یا مطلق اصلاً جائز ہے۔

تقلید شخصی کی وجہ | اب علماء و فقہاء نے لوگوں کو صرف تقلید شخصی پر عمل کرنے کے
 لئے کیوں فتویٰ دیا؟

فقہائے کرام نے محسوس کیا کہ لوگوں میں دیانت کا میعار روز بروز گھٹ رہا ہے
 احتیاط اور تقویٰ ٹٹھکتے جا رہے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر تقلید مطلق کا دروازہ کھلا رہا
 تو بہت سے لوگ جان بوجھ کر اور بہت سے غیر شعوری طور پر خواہش پرستی میں مبتلا ہو
 جائیں گے۔ مثلاً ایک شخص کا سردی کے موسم میں بخون نکل آیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک
 اس کا وضو ٹوٹ گیا اور امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹا۔ وہ اپنی سستی کی وجہ سے
 اس وقت امام شافعیؒ کی تقلید کر کے بلا وضو نماز پڑھ لے گا۔ پھر اگر اس نے کسی عورت
 کو چھو لیا تو امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا وضو جاتا رہا، لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک برقرار
 ہے۔ اب اس کی تن آسانی اس کو ابوحنیفہؒ کی تقلید پر ڈالے گی۔ غرض جس امام کے قول میں
 اسے فائدہ اور آرام نظر آئے گا اسے لے لے گا اور جہاں کسی کے قول میں نقصان یا فتنہ
 نفس کی قربانی دکھائی دے اسے چھوڑ دے گا۔ جس سے احکام شرعیہ نفسانی خواہشات
 کے ماتحت میں کھلونا بن کر رہ جائیں گے۔ یہ چیز بلا اختلاف حرام ہے۔ اسی چیز کی ضروریوں
 کو واضح کرتے ہوئے امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

امام احمدؒ وغیرہ نے تصریح فرمائی ہے کہ کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ محض
 اپنی خواہشات نفس کے زیر اثر ایک چیز کو پہلے حرام یا واجب سمجھے اور پھر اسی کو جائز یا
 حرام قرار دے دے۔ مثلاً وہ خود کسی کا پڑوسی ہو اور شفیعہ کا دعویٰ کرنا چاہتا ہو تو امام
 ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق، یہ مذہب اختیار کر لے کہ شفیعہ کا حق پڑوسی کو ہوتا ہے
 پھر جب کوئی دوسرا شخص پڑوس کی وجہ سے اس پر شفیعہ کا دعویٰ کرے تو امام شافعیؒ

کے مذہب کے مطابق یہ قول اختیار کر لے کہ شفعہ کا حق پڑوسی کو نہیں ہے یا مثلاً ایک شخص کسی مرتے والے کا بھائی ہو اور میت کا دادا بھی موجود ہو تو یہ مذہب اختیار کر لے کہ بھائی میراث میں دادا کے شریک ہوتے ہیں اور جب خود دادا بنے اور اس کا پوتا اپنے بھائی چھوڑ کر مر جائے تو یہ مذہب اختیار کر لے کہ دادا کی موجودگی میں بھائی وارث نہیں ہوں گے۔

صحابہؓ اور تابعینؓ کے زمانے میں چونکہ خوف خدا اور فکر آخرت کا غلبہ تھا اس لئے اس وقت تعلیم مطلق میں کوئی برائی نہیں سمجھی گئی۔ اب چونکہ دیانت ختم اور نڈانیت کا غلبہ ہے اس لئے علمائے انتظامی مصلحت کی بنا پر یہ فتویٰ دیا کہ اب صرف تعلیم شخصی جائز ہے اور آزاد تعلیم (یعنی تعلیم مطلق) کا طریقہ ترک کر دینا چاہیے اگر ہر شخص کو اختیار ہو کہ جس مسئلہ میں چاہے جس مجتہد کی تعلیم کر لے تو مذکورہ بالا مثالوں کی طرح ایسے اقوال کا ایک مجموعہ تیار ہو جائے گا جو کہ شیطان اور نفس کا مذہب ہو گا دین کا خواہشات کے تابع ہونا کسی کے ہاں جائز نہیں ہے بلکہ فقہائے کرام تو اتنے متاثر تھے کہ وہ اپنے امام کے غیر مشہور اقوال پر بھی فتویٰ نہیں دیتے تھے کہ لوگوں میں تقویٰ کی کمی ہے اور مختلف مذاہب سے آسانیاں تلاش کر کے ان پر عمل کی خواہش رکھتے ہیں۔ علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں۔

اور تمام شہروں میں تعلیم ان ائمہ اربعہ میں محصور ہو گئی، دوسرے ائمہ کے مقلدین ختم ہو گئے اور لوگوں نے ان ائمہ سے اختلاف کا دروازہ بند کر دیا جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ علوم کی اصطلاحات پیچیدہ ہو کر پھیل گئی تھیں اور اس کی وجہ سے اجتہاد کے مرتبہ تک پہنچنا سخت مشکل ہو گیا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ اجتہاد نامہلوں کے قبضہ میں نہ چلا جائے اور ایسے لوگ اسے استعمال نہ کرنے لگیں جن کی رائے اور دین پر اعتقاد نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا علمائے اجتہاد سے عجز کا اعلان کر دیا اور لوگوں کو ان ائمہ اربعہ کی تعلیم شخصی کی طرف لوٹا دیا اور اس بات

کو ممنوع کر دیا کہ ان ائمہ کی بدل بدل کر تقلید کی جائے، کیونکہ یہ طریقہ دین کے کھلونا بن جانے کا سبب ہو جاتا۔

اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

”بلاشبہ یہ چار مذاہب جو مدون ہو کر تحریری شکل میں موجود ہیں، ان کی تقلید کے جائز ہونے کا تمام امت کا اجماع ہے اور اس میں جو مصلحتیں ہیں وہ پوشیدہ نہیں بالخصوص اس زمانے میں جب کہ ہمیں پست ہو چکی ہیں، خواہش پرستی لوگوں کی گٹھی میں پڑ گئی ہے اور ہر ایک صاحب راستے اپنی راستے پر گنبد کرنے لگا ہے۔“

تقلید شخصی کی ایک بڑی مثال | تقلید شخصی کی ایک واضح مثال عہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں جمع قرآن کا واقعہ ہے، حضرت عثمان

غنیؓ نے باجماع صحابہؓ قرآن کے سات لغات یا سات حروف میں سے صرف ایک حرف کو مخصوص کیا، اگرچہ ساتوں حروف قرآن ہی کے تھے اور جبریل امین کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق نازل ہوتے مگر جب قرآن مجید عجم میں پھیلا اور مختلف لغات میں پڑھنے سے تحریف قرآن کا خطرہ محسوس کیا گیا تو باجماع صحابہؓ مسلمانوں پر لازم کر دیا گیا کہ صرف ایک ہی لغت یا حرف میں قرآن لکھا اور پڑھا جائے۔ انہوں نے اسی ایک حرف کے مطابق بہت سے نسخے لکھ کر اطراف عالم میں بھجواتے اور آج تک پوری امت اسی کی پابند ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ باقی دوسرے حروف حق نہیں تھے بلکہ انتظام دین اور حفاظت قرآن کی خاطر ایک لغت کو اختیار کیا گیا، اسی طرح ائمہ مجتہدین سب حق ہیں، اور تقلید شخصی بدعت نہیں کیونکہ عثمانؓ کا واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر امت کو کسی معاملہ میں کئی امور کا اختیار

لے مقدمہ ابن خلدون ص ۴۳۷ مطبوعہ مکتبہ حجازیہ کبریٰ مصر کتاب بلسر باب ۲ فصل ۷۔

تہ حجة الاستدلال لغہ ج ۱ ص ۱۵۴ باب حکایہ اہل الناس قبل المائۃ الرابعة والعبارة۔

تہ اس مسئلہ کی پوری تحقیق حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ کی کتاب علوم القرآن میں ملے گی۔

تہ تفسیر معارف القرآن ص ۳۳۵ ج ۵ مع تفسیر لیسیر۔

ملا ہو تو زمانے کے فساد کے پیش نظر ان میں سے کسی ایک طریقے کو اختیار کر کے باقی طریقوں کو چھوڑ سکتی ہے اور تقلید شخصی کے معاملہ میں اس سے کچھ زیادہ نہیں ہوا۔
ائمہ اربعہ کی خصوصیت | اب سوال یہ کہ مجتہدین تو بہت سے گزرے ہیں مثلاً سفیان ثوری، امام اوزاعی، عبد اللہ بن مبارک،

اسحاق بن راہویہ، امام بخاری، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، حسن بن صالح وغیرہ وغیرہ پھر ان چار اماموں کی کیا خصوصیت ہے کسی بھی مجتہد کو تقلید کے لئے مقرر کر سکتے ہیں بات دراصل یہ ہے کہ ان حضرات کی تقلید نہ کرنے کی وجہ ایک مجبوری ہے اور وہ یہ کہ ان کے مذاہب مدقون شکل میں محفوظ نہ رہ سکے۔ اگر ان حضرات کے مذاہب بھی ائمہ اربعہ کے مذاہب کی طرح مدقون و مرتب ہوتے تو بلاشبہ ان میں سے کسی ایک کو تقلید کے لئے اختیار کیا جاسکتا تھا لیکن نہ تو ان حضرات کے مذاہب کی مصل کتاب مدقون ہیں نہ ان کے مذاہب کے علماء پاتے جاتے ہیں اس لئے ان کی تقلید ناممکن بن گئی ہے۔ اگرچہ صحیح اعتقاد یہی ہے کہ یہ سب حضرات ائمہ ہدایت پر ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر طویل تجشیں کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) شریعت کو سمجھنے کے لئے اسلاف پر اعتماد کئے بغیر چارہ نہیں، لیکن سلف کے اقوال پر اعتماد اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب کہ وہ صحیح اور مشہور کتابوں میں مدقون ہوں یا صحیح سند کے ساتھ ہم تک پہنچے ہوں، نیز بعد کے علماء نے ان کی تشریح و توضیح کی خدمت کی ہو، اگر ان اقوال میں کئی معانی کا احتمال ہو تو ان پر بحث کر کے راجح معنی کو معین و مقرر کیا گیا ہو، بعض مرتبہ کسی فقیہ کا قول بنا ہر عام ہوتا ہے لیکن اس سے کوئی خاص صورت مراد ہوتی ہے اسی لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس مذہب کے علماء نے ایسی صورتوں کو واضح کر دیا ہو اور اس کے احکام کی عین بھی بتادی ہوں جب تک کسی مجتہد کے مذہب کے بارے میں ایسا کام نہ ہوا ہو اس پر امتداد کرنا درست نہیں اور یہ صفات ہمارے زمانے میں مذاہب اربعہ کے سوا کسی مذہب

میں نہیں پاتی جاتیں۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اتبعوا السواد الا عظم۔ یعنی سوادِ اعظم (علماء کی جماعت کثیر) کی پیروی کرو۔

جب ان چار مذاہب کے سوا دوسرے برحق مذاہب نالود ہو گئے تو اب انہی چار مذاہب کا اتباع سوادِ اعظم ہے۔

(۳) اگر مذاہب اربعہ سے باہر بھی کسی مجتہد کے قول پر فتویٰ دینے کی اجازت ہو جائے تو خواہشات نفس سے مغلوب علماء شورا اپنے کسی بھی فتویٰ کو سلف کے کسی مشہور عالم کی طرف منسوب کر دیں گے کہ یہ بات فلاں امام کے فلاں قول سے ثابت ہے جس امام کے اقوال کی تشریح میں علماء حق کی ایک کثیر تعداد مصروف رہتی ہے اس کے مذہب پر عمل کرنے میں تو خطرہ نہیں۔ لیکن یہاں یہ بات نہ ہو بلکہ کسی مجتہد کے اکادکا اقوال ملتے ہوئے ہیں مگر اسی کا سخت اندیشہ ہے کیونکہ لوگ اس مجتہد کی بات کو غلط معنی پہنا کر اس سے من مانے نتائج نکال لیں گے۔

ایک عجیب اعتراض کا مدلل جواب | بعض حضرات نے اس بات پر کہ تقلید

شخصی سے خواہش پرستی کا دروازہ بند کرنا ہے پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پاکستان میں اکثریت حضرات احناف کی ہے اور جتنے رخص و سرود کے کلب موجود ہیں ان کے متکلم متبعی حضرات ہیں اگر تقلید شخصی ہو پرستی کا علاج ہے تو آج ہوا پرستیوں کے یہ عمل جا بجا کیوں موجود ہیں؟

اس کے جواب میں ادب کے ساتھ گزارش ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی کٹلی نافرمانی کا عزم کر لیا ہے اور گناہ کو گناہ سمجھنے کے باوجود خواہش پرستی کی وجہ سے اس کا مرتکب ہو رہا ہے اس کا علاج نہ تقلید میں ہے اور نہ ترک تقلید میں۔ یہاں یہ خواہش پرستی زیر بحث نہیں بلکہ یہاں گفتگو اس سنگین خواہش پرستی کی ہو رہی ہے جس نے آج سودا، شراب، قمار بے پردگی اور ذیابہ

کے منکرات کو شرعی طور پر قرآن و سنت سے حلال ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا ہے۔ آج پورا عالم اسلام اس شجہ و ادرا باحیت پسندی کی لپیٹ میں ہے جس نے اجتہاد اور آزادی فکر کے نام پر دین کو ختم کرنے کی قسم کھائی ہوئی ہے۔ یہ لوگ قرآن و حدیث کے حوالوں سے مضامین لکھتے ہیں اور حرام و ناجائز کو حلال اور جائز ثابت کرنے کے لئے علمی ادارے قائم کر رکھے ہیں۔ یہ سب حضرات تقلید شخصی کو حرام قرار دے کر ہی آگے بڑھے ہیں۔ ان کا پیلا دار اس تقلید پر ہوا ہے جس نے اس قسم کے اجتہادات کا راستہ روک رکھا تھا اور ان کو سب سے زیادہ مدد اسی پروپیگنڈے سے ملی ہے کہ ائمہ کی تقلید حرام اور شرک ہے اور اسلام نے تقلید کی بجائے آزادی فکر کا درس دیا ہے۔ ان صاحبوں نے ہمارے ان اسلاف کی دور بین نگاہوں کی پوری پوری تصدیق کر دی ہے جنہوں نے نفس پرستی کے سد باب کے لئے تقلید شخصی کو لازم کیا تھا۔ جب تک عالم اسلام میں تقلید شخصی کا رواج تھا اس وقت تک دین کے قطعی احکام اور مسلم مسائل کبھی ملحدین کی تحریف کا نشانہ نہیں بنے تھے لیکن جب سے یہ پروپیگنڈہ شروع ہوا ہے کہ تقلید حرام و شرک ہے تو اجتہاد کے نام سے ہر شخص نے قرآن و سنت پر مشق ستم شروع کی ہے اور اس پروپیگنڈے کے بعد سے لے کر آج تک بتنے لگا ہے اور ملحد فرقے سامنے آئے ہیں۔ ان میں سے اکثر نے اپنی مشق کا آغاز اس خود رانی اور ترک تقلید سے کیا ہے۔ حتیٰ کہ یہ بات غیر مقلد علماء کو بھی محسوس ہوتی ہے، چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم جناب مولانا قاضی عبدالواحد صاحب خانپوریؒ اس خود رانی پر غصہ ہو کر تحریر کرتے ہیں۔ پس اس زمانے کے جھوٹے اہل حدیث متبعین مخالف سلف صالحین جو حقیقت بابا جہاں رسول سے جاہل ہیں وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوتے ہیں شیعہ و روافض کے یعنی جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب و دہلیز کفر و فحاشی کے تھے اور مدخل (دروازہ) ملاحدہ اور زنادقہ کے تھے اسلام کی طرف اسی طرح یہ جاہل بدعتی اہل حدیث اس زمانے میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں۔ ملاحدہ اور زنادقہ منافقین کے مثل اہل تشیع کے الی ان قال مقصود یہ کہ رافضیوں میں ملاحدہ تشیع ظاہر کر کے حضرت

علی اور حسین رضی اللہ عنہم کو غلو کے ساتھ تعریف کر کے، سلف کو ظالم کہہ کر کالی دے دیں اور پھر جس قدر الحاد و زندقہ پھیلاتیں کچھ پرواہ نہیں، اسی طرح ان جہال بدعتی کاذب اہل حدیثوں میں ایک دفعہ رفع یدین کر کے، تقلید کار دکرے اور سلف کی ہتک کر کے مثل امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی، جن کی امامت فی الفقہ اجماع امت سے ثابت ہے، اور پھر جس قدر کفر اعتقادی اور الحاد اور زندقیت ان میں پھیلا دے بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں، اور ایک ذرہ چین بچان بھی نہیں ہوتے، اگرچہ علماء اور فقہاء اہل سنت ہزار دفعہ ان کو متنبہ کریں ہرگز نہیں سنتے۔ سبحان اللہ تعالیٰ ماشاء اللہ بالبارئہ اور سرور راز، اس کا یہ کہ وہ مذہب و عقائد اہل سنت والجماعت سے نکل کر اتباع سلف سے مستکف دینی سلف کو حقیر سمجھ کر ان کی اتباع سے روگردانی کرنے والے و متکبر ہو گئے ہیں، فاقہ و دتذہب الی ان قال پھر ملاحدہ مزرانیہ قادیانیہ نکلے تو انہوں نے بھی انہی کے باب اور دلیزہ اور دخل سے داخل ہونا اختیار کیا، اور جماعات کثیرہ کو ایمان سے مرتد اور منافق بنایا، اور جب زمانہ چکر الوریہ نکلے تو بھی انہی کے دلیزہ و دروازہ سے داخل ہوتے اور ایک خلق کو ان سے مرتد بنایا اور جب یہ خاتمہ الملحدین نکلا تو بھی انہی جہال الملحدین کے باب اور دلیزہ سے داخل ہو کر کیا جو کچھ کیا یعنی پہلے اس نے سید متین اور حصن حصین اسلام کہ اجماع امت مرحومہ اور اتباع سلف صالحین سب سے خیر القرون ہیں اس کو توڑا، پھر اسلام میں کفر و نفاق کو داخل کیا اور تحریف کلام الہی و قرآن مجید کی، مذاہب ملاحدہ زنادقہ کی طرح ایسی کی کہ یہودیوں سے بھی بڑھ گیا اور الحاد جہمیہ اور خبیثہ اور کفریات فلاسفہ دہریہ کو اسلام میں بذریعہ مکروہ فریب اور تحریف کے داخل کیا انہی بلفظ کتاب التوحید و السنت فی رد اہل الحاد و الملحد عن ص ۱۶۲ ۱۶۳

اسی طرح مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد حسین بنالوٹی اپنی پچیس سالہ تجربے کے بعد فرماتے ہیں کہ پچیس برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علی کے ساتھ مجتہد مطلق (جو نے کادعوئی کرتے ہیں)، اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو اسلام کہہ بیٹھے ہیں، کفر و ارتداد کے اسباب اور بھی بکثرت موجود ہیں، مگر

دینداروں کے بے دین ہو جانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔ گروہ اہلحدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک مطلق تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں۔ اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہو جاتے ہیں (اشاعۃ السنۃ ج ۱، ص ۱۷۱)۔

تقلید کے درجات چکا۔ اب ایک ضروری بات یہ ہے کہ فقہاء نے تقلید کرنے والوں کے کچھ درجات کی تشریح کی ہے۔

(۱) پہلا درجہ عوام کی تقلید کا ہے، عربی زبان نہ جاننے والے، اسلامی علوم سے بالکل ناواقف، خواہ دوسرے علوم و فنون میں بہت ماہر اور تعلیم یافتہ ہوں۔
 (۲) ایسے لوگ جو عربی جانتے ہوں اور عربی کتابیں پڑھ سکتے ہوں لیکن تفسیر حدیث و فقہ وغیرہ علوم باقاعدہ اساتذہ سے نہ پڑھتے ہوں۔

(۳) ایسے حضرات جو رسمی طور پر اسلامی علوم سے فارغ التحصیل ہوں لیکن علوم دین کے اصولوں میں اچھی استعداد اور بصیرت سے عاری ہوں۔

یہ سب لوگ عوام میں داخل ہیں، اس قسم کے لوگوں کے لئے تقلید محض کے سوا کوئی چارہ نہیں، کیونکہ یہ لوگ براہ راست کتاب و سنت کو نہیں سمجھتے اور نہ احکام کے دلائل میں تطبیق و ترجیح کا فیصلہ کر سکتے ہیں تو وہ کسی امام کا دامن ضرور پکڑیں گے۔
 اب دوسرا درجہ مجتہد عالم کی تقلید کا ہے، ایسا آدمی جو کہ درجہ اجتماع تک نہ پہنچا ہو اگرچہ اسلامی علوم کو ماہر اساتذہ سے حاصل کر کے عرضہ دراز تک ان کی درس و تدریس اور تصنیف کی ندرت میں فقہاء کے زیر نگرانی مشغول رہا ہو۔ اس قسم کا عالم مذہب کے دلائل سے بھی واقف ہوتا ہے اور بحیثیت مفتی اپنے مذہب کے مختلف اقوال میں سے اپنے زمانے اور عرف کے مطابق کسی ایک قول کو اختیار کرنے یا مذہب کی تشریح کرنے کا اہل ہوتا ہے۔

(۴) تیسرا درجہ مجتہد فی المذہب کی تقلید ہے یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو استدلال اور استنباط کے بنیادی اصولوں میں کسی مجتہد مطلق کے پیرو ہوتے ہیں۔ لیکن جزوی

مسائل کو براہ راست قرآن و سنت اور آثار صحابہؓ سے اخذ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں ایسے حضرات اپنے امام سے فروعی احکام میں اختلاف رکھ سکتے ہیں لیکن اصولاً وہ مقلد ہی ہوتے ہیں، مثلاً فقہ حنفی میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فقہ شافعی میں امام مزیؒ اور امام ابو ثورؒ فقہ مالکی میں ابن القاسمؒ اور فقہ حنبلی میں ابراہیمؒ وغیرہ۔

(۱۵) آخری درجہ مجتہد مطلق کا ہے، وہ شخص جس میں تمام شرائط اجتہاد پائی جاتی ہوں وہ اپنے علم و فہم کے ذریعے اصول استدلال بھی خود قرآن و سنت سے اخذ کر سکتا ہے۔ قادر ہو اور ان اصول کے تحت تمام احکام شریعت کو قرآن کریم سے مستنبط بھی کر سکتا ہو جیسے امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ وغیرہ۔ یہ حضرات اگرچہ اصول و فروع دونوں میں مجتہد ہوتے ہیں لیکن ایک طرح کی تقلید ان کو بھی کوئی پڑتی ہے۔ جن مسائل میں قرآن و سنت میں کوئی تصریح نہیں ہوتی وہاں یہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ قیاس اور خالصۃً اپنی رائے کی بجائے صحابہؓ یا تابعینؒ کے کسی قول کی تقلید کریں۔

بہر کیف جس طرح عام آدمی اپنے ملک کا قانون براہ راست نہیں سمجھ سکتا اور کسی ماہر قانون کا مشورہ لیتا ہے اسی طرح عام لوگوں کو اپنے امام کی تقلید ضروری اگرچہ وہ بطور کبریں کسی حدیث کو فقہ سے متعارض پائیں کیونکہ وہ امامیت کی تطبیق کو نہیں سمجھتے۔

تقلید جامد کی مذمت | ایک ضروری بات یہ ہے کہ شریعت کے احکام میں خود راتی اور تقلید کی مخالفت قبیح ہے اسی طرح تقلید میں جمود اور مبالغہ بھی بُرا ہے اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں، مثلاً اگر مجتہدین کو انفعوذ مبالغہ شائع یا انبیاء علیہم السلام کی طرح محصور سمجھنا۔

لے بعض علماء کے نزدیک امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ و امام زفر رحمہم اللہ تعالیٰ اجتہاد مطلق کے منصب پر فائز ہیں۔ انہوں نے اصول میں بھی اپنے استاد سے اختلاف کیا، چونکہ قواعد اور اصول بہ نسبت فروع و جزئیات کے قلیل ہیں اس لئے اصول میں اختلاف اتنا نمایاں نہ ہو سکا جتنا کہ فروع میں ہوا۔ تقریباً ان حضرات کا اختلاف حضرت امام سے ایسا ہے جیسا کہ خود امام کا اختلاف اپنے استاد حضرت عطاءؒ یا اس کا استاد حضرت ابراہیمؒ سے ہے جیسا کہ بعض اہل تحقیق نے ذکر کیا۔

(۲) کسی صحیح حدیث پر صرف اس لئے عمل نہ کرنا کہ اس بارے میں ہمارے امام سے کوئی حکم ثابت نہیں۔

(۳) کسی کمتر عالم کو یقینی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ امام کا قول صحیح حدیث کے خلاف ہے اور حدیث کے مقابل کوئی دلیل نہیں، پھر بھی حدیث کو قابل عمل نہ سمجھنا یہی تعلید جاہد میں شامل ہے لیکن یہ فیصلہ کرنا کہ امام کا قول حدیث کے خلاف ہے اور اس پر اس سے بڑھ کر قوی دلیل موجود نہیں بڑا دشوار امر ہے اور یہی منزلہ الاقدام میں سے ہے خصوصاً آج کل جب کہ نفسانی خواہشات کا زور ہے اور اکثر لوگ دین سے اٹھ کر چند اردو کے رسلے پڑھ کر یا زیادہ سے زیادہ قرآن و حدیث کے چھپے ہوئے ترجمے دیکھ کر اپنے آپ کو اس بات کا حقی دار سمجھنے لگ گئے اور مسائل میں مجتہدانہ انداز میں رائے زنی کر کے اس صحیح حدیث کے مصداق بن گئے ہیں کہ ضلّوا و اضلّوا۔ وہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے علماء کرام کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس کے لئے بھی چند معقول شرائط مقرر کی ہیں تاکہ دین انفس پرستوں کے اٹھوں کھلوں یا بن کر نہ رہ جائے وہ شرائط یہ ہیں،

(۱) وہ عالم ایسا شخص ہو جو اگرچہ رتبہ اجتہاد تک نہیں پہنچا ہو لیکن اسلامی علوم کو باقاعدہ ماہر اساتذہ سے حاصل کرنے کے بعد علوم کی تدریس و تصنیف کی خدمت میں اکابر علماء کی زیر نگرانی عرصہ دراز تک مشغول رہا ہو، تفسیر، حدیث، فقہان کے اصول سے مستحضر ہوں اور کسی کی تحقیق میں اسلاف کے افادات سے بخوبی فائدہ اٹھا سکتا ہو اور ان کے طرز تصنیف و استدلال سے مزاج شناس ہونے کی بنا پر ان کی صحیح مراد تک

لے مثلاً تشہد میں اشہدان لا الہ الا اللہ کہتے ہیں شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا بہت سی احادیث سے ثابت ہے لیکن بعض لوگوں نے اس سنت سے محض اس بناء پر انکار کر دیا کہ امام ابو حنیفہؒ سے اس کے بارے میں کوئی قول منقول نہیں رہا، بعض لوگوں کے مذہم کے مطابق لکھا گیا کہ اس مسئلے میں امام و علم کا قول موجود ہے دیکھتے (رفع التردّد فی عقدہ الصالح عند التشہد للعلما من تابعین رحمۃ اللہ)

پہن سکتا ہو۔

(ب) جس حدیث کی بناء پر وہ امام کا قول ترک کر رہا ہو اس کے بارے میں یہ اطمینان ہو کہ وہ علماء حدیث کے نزدیک صحیح ہے، کیونکہ بعض اوقات کسی حدیث کی تصریح میں مجتہدین کا اختلاف ہوتا ہے جو حضرات اسے صحیح سمجھتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں اور جو حضرات اسے ضعیف سمجھتے ہیں اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر مجتہد نے اس حدیث کو چھوڑا تو ضعیف قرار دے کر چھوڑا ہے۔

(ج) اس حدیث کے معارض کوئی آیت قرآنی یا کوئی دوسری حدیث موجود نہ ہو۔
(د) اس حدیث کا مطلب بالکل صاف اور واضح ہو اور اس کا کوئی دوسرا اطمینان بخش مطلب نہ نکل سکتا ہو کیونکہ بسا اوقات ایک حدیث میں کئی معنی کا احتمال ہوتا ہے، مجتہد اپنی بصیرت اجتہاد سے اس کے ایک معنی کو متعین کر دیتا ہے اور اس کے مذہب کو حدیث کے مخالف نہیں کہا جاسکتا۔
اگر پانچویں بات پر بھی ضروری ہے کہ اس طرح حدیث کی بناء پر جو قول اختیار کیا جائے وہ اگر ارجح کے اجتماع کے خلاف نہ ہو۔

(۴) واضح احادیث کو توڑ مروڑ کر اپنے مذہب کے مطابق بنانے کے لئے ایسی عجیب و غریب تاویلات کرنا جس پر اپنے دل میں بھی شک، شبہ ہو۔

(۵) یہ سمجھنا کہ صرف میرے امام کا مسلک حق ہے اور دوسرے مذاہب ٹھوڑا بڑا باطل ہیں یہ بھی تقلید جامد یا تعلیہ میں غلو ہے۔

(۶) بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں ائمہ کے درمیان صرف افضل اور غیر افضل کا اختلاف ہے، حلال و حرام کا اختلاف نہیں مثلاً آمین آہستہ کہی جائے یا زور سے، رکوع کے وقت ہاتھ اٹھائے جائیں یا نہیں، ہاتھ سینے پر باندھے جائیں یا ناف پر نہ لایا جائے، امام مذہب کے مختلف اقوال میں سے اپنے زمانے عرف کے مطابق ایک قول کو اختیار کرے یا مذہب کی تشریح کرنے کا اہل ہوتا ہے نیز جن مسائل کی تصریح کتب مذہب میں نہیں ہے ان کا جواب مذہب کے اصول و قواعد سے نکالنے کا ہونا بھی اس کو حاصل ہے۔

یہ سب طریقے جائز ہیں اختلاف محض تفصیلت میں ہے ان اختلافات کو طلالِ حرام کی حد تک پہنچا کر امت میں انتشار پیدا کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔
دعا جہاں اللہ میں جائز و ناجائز کا اختلاف ہے وہاں بھی اختلاف کو علمی حدود کی حد تک رکھنا ضروری ہے اسے جنگ و جدل کا ذریعہ بنانا ایک دوسرے کے خلاف ہرزائی، عیب جوئی اور بدگمانی کسی امام کے مذہب میں جائز نہیں۔

مفتدیین کی خدمت میں گزارش مسئلہ تقلید پر جو کچھ نقل کیا گیا اس کا مقصد صرف امت مسلمہ کی اکثریت کا

نقطہ نظر واضح کرنا تھا۔ بعض حضرات جب توحید و شرک پر کوئی کتاب لکھتے بیٹھتے ہیں تو بعض فروعی مسائل جیسے توسل اور تقلید ائمہ متبوعین وغیرہ میں اختلاف کو کفر اور اسلام کا اختلاف بنا کر اچھے خاصے مسلمانوں کو کفار اور مشرکین کی صف میں لاکھڑا کر دیتے ہیں۔ بہر حال اگر کسی کو اس نقطہ نظر سے اختلاف ہو تو وہ اپنے موقف پر قائم رہے لیکن ائمہ مجتہدین پر شریعت سازی یا مقلدین پر کفر و شرک کے الزامات عائد کرنا سب سے بڑا خطرناک طرز عمل ہے جس سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ مسلمانوں کی شان و شوکت اور حیبت و عظمت کو ہمیشہ آپس کی خانہ جنگی نے تباہ کیا ہے اور فروعی مسائل پر لڑائیوں سے ہمیشہ اسلام دشمن لوگوں نے فائدہ اٹھایا ہے۔ مفتدیین غیر مقلدین کے لئے مشہور اہل حدیث عالم نواب صدیق حسن خاں کی یہ تقریر مشعلِ راہ ہے۔

ایک سنت خدا کی مجھ پر یہ ہے کہ میں فقط جماعتِ اہل سنت کو فرقہ ناجبر جانتا ہوں۔ حنفی ہوں یا شافعی، مالکی ہوں یا حنبلی، یا ظاہری یا اہلحدیث، یا اہل سلوک اور کسی کے حق میں، ان میں سے گمان بد نہیں رکھتا۔ اگرچہ مجھ کو یہ بات معلوم ہے کہ ہر گروہ کے اندر ان میں سے کچھ مسائل خلافِ دلائل بھی ہیں اور بعض موافقِ نصوص۔ بعض فتاوے ان کے صحیح اور بعض ضعیف یا مردود ہیں، اس لئے حکم اکثر کو ہے نہ اقل کو۔ اور اگر طائفہ سے جو عمل بعض احادیث میں متروک ہو گیا ہے اس کے آپس حذر میں جو کتاب چاپِ انصاف میں لکھے گئے ہیں، ائمہ سلف پر طعن مخالفت سنت کا کرنا انصاف کا خون بہانا ہے

علامہ احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے اظہار کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ وضع الخلفاء بھی

ہاں جو مقلدان کے بعد وضوح دلیل کتاب وسنت کے تقیید راستے بحث پر جامد
ہیں ان کو غلطی سمجھتا ہوں لیکن گمراہ بحث نہیں جانتا نہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے
سے انکار کرتا ہوں نہ معاذ اللہ ان کو کافر کہوں۔

مسائل و عبادات و معاملات میں اختلاف اہل علم مکفر نہیں ہوتا ہے غایۃ
ما فی الباب یہ ہے کہ خطا فی الاجتماع یا خطا فی الفہم ہوئی ہے جس کو علماء پہچانتے
ہیں۔ اللہ سے امید کرتا ہوں کہ اگر قائل و فاعل اس خطا کا اپنے قصد میں شخص
غیر متعصب تھا اور کسی وجہ قوی سے شبہ میں گرفتار ہو گیا تو وہ خطا اس کی معاف
ہو جاوے اور اگر جمہور اس خطا پر عبد ابراہہ احناف و شقاق خدا اور رسول کے ہے تو
محل نہایت کا اندیشہ ہے لیکن کسی مسلمان راجی و مخالف کی نسبت ایسی بدگمانی کرنا کچھ
منزوری نہیں ہے، سخن شکم بالنظر اہر واللہ اعلم بالسر اسرار

باب ششم

شرک کی مذمت

شرک کی مذمت

انسان فطری طور پر فقیر و محتاج ہے اور زندگی کی ہر شکل میں فطرۃً ایک اللہ کی طرف مائل اور متوجہ ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے نفع و نقصان پر اسباب و عوامل کا پردہ ڈال رکھا ہے اسی لئے انسان اسباب و اشیاء کو نفع و ضرر کا مالک، حقیقی بھنا شروع کر دیتا ہے۔ اور جب اس کی توجہ اور میلان مخلوق کی طرف مائل اور سام جاتا ہے تو اسی کو اپنا رب مان لیتا ہے۔ اس کو مستقل طور پر نفع اور ضرر رساں سمجھ کر اپنی حاجات پوری کرنے کے لئے اس مخلوق سے مدد طلب کرتا ہے اور یہی چیز اس کو غیر اللہ کے آگے سجدہ ریز کر دیتی ہے۔ پھر غیر اللہ سے محبت اور غیر اللہ کی عبادت اس کی زندگی کا مقصد بن جاتی ہے۔

اگرچہ ایسا انسان بعض اوقات زبان سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت کا اعتراف کرتا ہے لیکن اس کا دل کبھی ایک اللہ کے ذکر اس کی حمد و ثناء اسے مالک اور تصرف ماننے سے خوش نہیں ہوتا، جب تک کہ اس کے ساتھ دوسرے جھوٹے معبودوں کے مالک اور تصرف ہونے کا ذکر نہ کیا جاتے۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مشرکین کی یہ حالت بیان کرتے ہیں۔

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ
قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ
وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ
يَسْتَبْشِرُونَ (زمرا آیت ۱۷۵)

جب صرف ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (کہ وہ بلا شرک غیرت تمام کائنات کا مختار مالک اور تصرف ہے) تو ان لوگوں کے دل متعجب ہو جاتے ہیں اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر

کیا جاتا ہے تب وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں۔

مشرکین کی ایک عام عفت

الغرض مشرکین کے سب گروہوں میں یہ بات مشترک ہے کہ مخلوق میں سے

جس شے کی بھی پرستش یا اطاعت کرتے ہیں دراصل اس چیز کو نفع و نقصان پہنچانے والی خیال کر کے ہی اس کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ عمل ایک عظیم جرم ہی نہیں بلکہ خالق کائنات کے خلاف بغاوت بھی ہے۔ اللہ کی فرماں روائی اور اس کے ملک میں کسی کو شریک کرنا اس کی بادشاہی میں کسی کو مستقل طور پر متصرف ماننا اور حقیقت یہ اللہ تعالیٰ کو احکام الناکین اور رب العالمین زمانے کے برابر ہے۔ دنیا کے مجازی حکمران سخت سے سخت جرم کو معاف کر دیتے ہیں لیکن باغیوں کے ساتھ نرمی نہیں کرتے جب ان عارضی حکام کی حکومت سے انکار کرنا اتنا بڑا جرم ہے تو پھر خالق کائنات اور مالک حقیقی کے باغیوں کا انجام کیا ہوگا؟ سوچ اور عبرت کا مقام ہے کیونکہ کفر و شرک کی حالت میں مرنے والے ہرگز نہیں بخشے جاتے گئے۔ ان کی سزا دائمی ہوگی۔ البتہ کفر و شرک کے سوا دوسرے گناہ چھوٹے ہوں یا بڑے، سب قابل معافی ہیں اور اللہ تعالیٰ جس کو پاس ہے کچھ عذاب دے کر یا بلا عذاب اس کے سارے گناہ بخش دے۔ ارشادِ ربانی سب سے

بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس جرمِ عظیم کو کہ شریک ٹھہرایا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے اس کے سوا جرمِ چاہے جتنے ہوں، اور جس نے شریک ٹھہرایا کسی کو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ
وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ
وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا
بَئِيسًا (النساء آیت ۱۱۶)

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے۔

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا
عِبَادِنَا دُونِ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِذَا اتَّخَذْنَا
جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا (مرزہ المفہوم ص ۱۶)

کیا گمان کرتے ہیں کفار کہ وہ بنائیں گے میرے بندوں کو میرے سوا کارساز بے شک ہم نے جہنم کو کفار کی معافی کے لئے تیار کر رکھا ہے۔

جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی مخلوق کے سامنے جھکتا ہے اللہ جل شانہ کی بے نیاز ذات کی طرف سے اس پر جہنمی نصرت و برکت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں

اور یہ شخص کل قیامت کے دن بے کسی، شرمندگی اور رسوائی کی حالت میں ہوگا
جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتُعَذِّبَكَ اللَّهُ مَوْمًا تَخْذُكَ ذَا بَنِي إِسْرَءِيلَ آيَةُ ۲۲
مشرقا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود اور نہ پھر تم
بیشمار اور خوار ہو کر بیٹھ رہو گے۔
دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

تَخْلُقُ فِي سَكْنَتِكَ مَا مَأْمُورًا
رَبِّ اسْرَءِيلَ رَكُوعًا ۱۱
ایسی اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ ٹھہراؤ اور تم کو
دورخ میں ملامت نہ دو اور دیکھ کر چپک دیا جائیگا

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنی قوم اور عوام ان اس کو کتنی نصیحتیں کی ہوں گی
لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے صرف ان اقوال کو بیان فرمایا ہے جو انہوں نے اپنے
بیٹے کو فرماتے کیونکہ باپ اپنے بیٹے کو جو نصیحت کرتا ہے وہ سراسر سچائی اور خلوص
ہوتی ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يُعَلِّمُهُ
يَبْنِيَّ كَيْفَ تُشْرِكُ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ
لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۱۲
اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے
ہوئے کہا اے میرے بچو! بے کسی کو اللہ کا شریک

دھڑلانا، شرک بہت بھاری نا انصافی ہے۔
اس سے بڑھ کر نا انصافی کیا ہوگی کہ عاجز مخلوق کو خالق مختار کا درجہ دیا جائے اور
اپنی جان پر اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا کہ اشرف المخلوقات ہو کر عاجز مخلوق کے
سامنے سر بسجود ہو جائے۔

جب نصاریٰ نے پولس کی تعلیمات کے زیر اثر عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا
بیٹا اور عزیز قرار دیا تو قرآن مجید میں ان کے عقیدہ کی تردید یوں نازل ہوئی۔

أَفَذَكَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ مَوْءِدُ الْمَسِيحِ
ابْنِ مَرْيَمَ فَقَالَ الْمَسِيحُ بَنِيَّ اسْرَءِيلَ
اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّ اللَّهَ
يُشْرِكُ بِاللَّهِ فَتَدْحَرُهُ اللَّهُ عَلَيْهِ
بے شک کافر جو کہ جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تو مسیح
ان مریم سے علاحدہ مسیح نے خود یہ کہا کہ اے بنی اسرائیل
ہندگی کرو تم اللہ کی جو میرا اور تمہارا رب ہے تمہارے
جس نے شرک پر عمارت اللہ کے ساتھ عوام کی اس

الْحَيَّةَ وَمَا فِيهِ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ
مِنْ النَّصَابِ (المائدہ آیت ۷۲)

پر اللہ نے جنت اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور
کوئی نہیں ہے الصافیوں کا مدد کرنے والا۔

مشک کا انجام اور جو بد بخت اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا کار ساز اور

ہیں کہ جب ان پر کوئی آفت آئے گی تو وہ (مجھوڑے معبود) انہیں پہچالیں گے، ایسے
لوگوں کی مثال کو اللہ تعالیٰ نے کس خوبی سے بیان فرمایا ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ
أَوْلِيَاءَ كَثَلًا ۖ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ
الْعُقُوبَةَ ۖ وَأَنَّ أُولَٰئِكَ هُمُ
الْعَاقِبُونَ ۖ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ
(سورۃ العنکبوت آیت ۲۶)

ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور
عاجی بنا لئے ہیں مکڑی جیسی ہے کہ بنایا اس
نے جانے کا گھر اور تم سب جانتے ہو کہ سب گھر
میں مکڑی ترین گھر مکڑی کا گھر ہوتا ہے کاش
ان کو سمجھ ہوتی۔

ان کی توقعات مکڑی کے جانے سے بھی زیادہ کمزور ہیں، وہ تو ہوا کے تھونکے
کو بھی برداشت نہیں کر سکتا چہ جائیکہ بار و باراں یا طوفان سے ان کی حفاظت کرے
پس جو بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو بچانے والا اور محافظ سمجھے گا اور اللہ تعالیٰ سے
تعلق توڑ کر غیروں کے ساتھ تعلق جوڑے گا یا ان پر بھروسہ کرے گا۔ ان کی مثال اسی
نادان مکڑی کی سی ہے جو اپنے جانے کے تاروں پر بھروسہ کرتی ہے اور امیدوں
کے مصات تعمیر کرنا چاہتی ہے۔

بلاشبہ خالق کائنات کو چھوڑ کر کسی اور کو معبود بنالینا اور اسے اپنا کار ساز
سمجھنا انتہائی بد بختی اور حماقت ہے۔ کائنات میں موجود مخلوقات اور مصنوعات
میں جب کوئی عاقل غور و فکر کرتا ہے تو سمجھ جاتا ہے کہ عالم کا پیدا کرنے والا، باقی رکھنے
والا اور اس میں ہر قسم کے تصرفات کرنے والا صرف ایک اللہ ہی ہے۔ اس کے
دست قدرت میں سارے آسمان و زمین ہیں، ہر چیز فرشتے، سورج و چاند اور جن و
انس سب اپنی ذات اور کمالات میں ہر دم اسی کے محتاج اور دستہ بگر ہیں، پس عباد

کے لائق بھی بجز اس کے کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

اس کے علاوہ تمام انبیاء علیہم السلام اور اریان سماویہ توحید کی صحت اور شرک کے غلط اور باطل ہونے پر متفق ہیں۔ اب بھی ان تحریریں شدہ کتب یعنی تورات، انجیل زبور اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے صحاح فیہ میں ایسے جملے بکثرت ملتے ہیں جن سے انبیاء علیہم السلام کا ایک اللہ کی بندگی اور عبادت کرنا اور اپنی اقوام اور امتوں کو ایک اللہ کی عبادت اور اسی پر عبور و سر کرنے کی دعوت دینا ثابت ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے اپنے اقوال اور اعمال سے واضح کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرتے ہیں اور نہ ہی اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی اور کی بات کو ترجیح دیتے ہیں بلکہ ہر نئی کو بزرگوار و تعظیم کیا اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کی عبادت بھی کرے تو اس کی تمام نیکیاں ضائع ہو جائیں گی۔ اور شرک کا انجام حیران و شمران کے سوا کچھ نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

جو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو جس کی اس کے پاس کوئی سند نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے جسے شک کامیاب نہیں ہوں گے انکار کرنے والے۔

وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا يُشْرِكُ بِعِبَادَةِ اللَّهِ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ (المومنون: ۱۷)

اور سورہ النعام میں فرماتے ہیں۔

ذَٰلِكَ هُدَىٰ اللَّهِ يَسِيرٌ ۚ وَإِلَىٰ ذَٰلِكَ الْمَصِيرِ ۚ عِبَادُوا اللَّهَ وَلَا تَشْرِكُوا لَهُ بِالْعِبَادَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ مُبْصِرٌ ۚ

سورۃ النعام آیت ۱۰۶

اسی طرح سورۃ زمر میں ارشاد ہے کہ۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَلِیِّهِ يَوْمَئِذٍ ۖ وَتُجِبُّ أَلْفًا مِّنْ ذُرِّیَّةٍ مِّنْ قَوْمٍ ۚ لَّنِیْ أَمْرٌ لِّمَنْ شَرَكَتَ لِيُخْطَبْنَ عَلَیْكَ

بے شک وحی کی گنتی سب سے بڑھ کر اور بڑے عقیدے سے ہے جسے کہ اگر (بغرض حال) تو نے بھی شریک مان لیا

وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ هَلْ يَلْعَنُ اللَّهُ فَعَاءً ۖ
 كُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ
 حَقَّ قَدْرِهِ ۖ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ
 يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ وَالسَّمُوتُ مَطْوِيَّتٌ
 بِيَمِينِهِ ۖ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ
 (الزمر آیات ۲۵ تا ۲۷)

تو حنائی ہو جائیں گے تیرے اعمال اور تم بھی نقصان
 اٹھائے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ
 کی عبادت کرو اور ہو جاؤ شکر کرنے والوں میں سے
 اور زمینیں پیچانی انہوں نے
 کی قدر جیسے کہ حق تھا اس کی قدر پہچاننے کا۔ اور
 اس کی شان تو ایسی عظیم ہے کہ زمین ساری اس کا

منہ میں ہوگی قیامت کے دن اور سارے آسمان لپٹے ہوئے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ سے۔ وہ
 پاک ہے ہر عیب سے اور بہت بالاتر (اوپر) ہے اس سے جو کہ اس کا شریک بتلاتے ہیں۔

حدیث شریف میں شرک کی مذمت | اگرچہ شرک کی نفی اور مذمت میں
 بہت سی احادیث ہیں لیکن یہاں صرف

تین احادیث پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

یا رسول اللہ! ای الذنب اکبر عند اللہ؟
 قال ان تدعوا للہ فذاد هو خلقت
 (الحديث متفق عليه مشکوٰۃ باب الکبائر)

۱۲) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک نقل
 کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اجتنبوا السبع الموبقات قالوا! ما هن يا رسول الله؟ قال الشرك
 بالله، والسحر، وقتل النفس التي
 حرم الله، الا بالحق، واكل الربوا واكل
 مال اليتيم، والتولي يوم الزحف
 کوسات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو بھائیو! تم
 نبی اللہ عنہم نے عرض کیا اے رسول اللہ! کیا ہیں؟
 فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق
 قتل کرنا، سود کھانا اور بیچ کا مال کھانا اور لڑائی
 کے دن پیٹھ پھیر کر (ہنگ سم) جھانکنا اور پھرتنا

وَقَدْ كُنَّا الْمَحْضَاتِ الْمُؤَمَّنَاتِ الْعَاقِلَاتِ (۱۹۱) پاکرامن بے خبر عورتوں پر نعمت لگانا۔

(۱۳) اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس باتوں کے ساتھ وصیت کی ہے۔

قَالَ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ شَيْئًا وَإِنْ قِيلَتْ
أَوْ حَرِّقَتْ، الْحَدِيثُ (رواه احمد بن حنبل) فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اگرچہ
تجھے قتل کر دیا جائے یا ٹوٹا دیا جائے۔

مشترکاً نہ عقائد کے اثرات حقیقت یہ ہے کہ مشرک کا عقائد ایسے کثیف اور دہیز
پردے میں جو ہمیشہ صاحب عقیدہ اور اصل حقیقت

کے درمیان حجاب بن جاتے ہیں اور مشرک حقائق کے دریافت کرنے سے محروم
ہو جاتا ہے جب ایک شخص کوئی غلط عقیدہ مان لیتا ہے تو اس کی عقل اور فکر اس
عقیدہ پر مبنی رہتی ہے اور اس کے افکار کی ترقی اور جہد و جدوجہد رک جاتی ہے۔ پھر وہ
بہت سے خرافات کو مان لیتا ہے اور حقیقی کمالات سے دور ذلت اور پستی کے
گڑھے میں گر جاتا ہے اس کی ساری زندگی وحشت، اودھم اور خوف و ہراس کی نذر ہو
جاتی ہے۔ حیوانات کی معمولی سی حرکت اور پرندوں کی پھڑپھڑاہٹ سے اس پر وحشت
طاری ہو جاتی ہے۔ غلط تصورات کی بدولت وہ دنیوی زندگی میں خوشحالی کے کافی
وسائل سے محروم ہو جاتا ہے اور آخرت میں بھی دائمی عذاب اور پریشانی میں گرفتار
رہے گا۔

صحیح راستہ اس لئے ہر شخص (مختارہ النس ہو یا جن) پر فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی
ذات و صفات میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرے۔ اسی ذات

کو خالق کائنات، رب العالمین مانے، وہی ہمارا پیدا کرنے والا، ہمارے مصائب و مشکلات
کو دور کرنے والا، ہمارے حاجتوں کو پورا کرنے والا ہے۔ ہماری عزت و ذلت، عزائم،
اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہی علیم و خبیر عالم الغیب والشاہدۃ اور کائنات کی تمام
حقیقتوں کو جاننے والا ہے۔ وہی ذات ہے جس کے علم نے کائنات کے ہر ذرے کا
اعمال کیا ہوا ہے۔ کائنات کی ہر چیز کے ظاہر و باطن ہر آن دیکھنے اور جاننے والا ہے۔ کائنات

کا کوئی ذرہ مخلوقات کا ملل و قول کوئی سوچ و سوسہ اور رائز کی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰی عَلَیْهِ شَيْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاوٰتِ بے شک اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں خواہ وہ زمین میں ہو یا آسمان میں۔ (آل عمران آیت ۱۵)۔

نیز ہم پر یہ بھی فرض ہے کہ تمام مخلوق خواہ انس یا جن، فرشتہ ہو یا نبی مرسل بھالی ہو یا ولی، بادشاہ ہو یا فقیر، حاکم ہو یا محکوم، چاند اور ہوا بے جان سب کلاس کے محتاج و غلام ہوں لیکن ہر طرف سے کٹ کر صرف ایک اللہ تعالیٰ کے وفادار اور شکر گزار بننے میں اس کی عظمت اور جلالت کو سمجھیں، اس کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیں۔ اور اپنی عبادت کو ہر قسم کی مشرکانہ آمیزش سے پاک کر کے دل و جان سے اس کی عبادت کریں اور اس کے احکام کے مطابق زندگی بسر کریں۔

بندے پر فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تقرب حاصل کرنے کے لئے یا سعادتی بنانے کے لئے بھی کسی مخلوق کی عبادت نہ کرے اور نہ ہی عبادت کی شکل و صورت اختیار کرے۔ کفار و مشرکین کا یہی طریقہ تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی پرستش کرتے اور حجب انہیں نوکارتا تو جواب میں کہتے کہ بے شک بڑا خدا تو ایک ہی ہے جس نے آسمان و زمین پیدا کئے ہیں، لیکن ہم ان چھوٹے خداؤں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ ہم خدا سے واحد کے قریب ہو جائیں، اور کبھی کہتے کہ یہ احسان اور نعت ہماری عبادت سے غرضت ہو کر مٹے خدا کے حضور میں ہمارا فی سناش کریں گے اور ہماری عبادتیں اور دعائیں وہاں تک پہنچا دیں گے، قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا يَنْفَعُكُمْ دُؤُنٌ مِّنْ دُؤُنِ اللّٰهِ مَا لَا يَشَاءُ
وَلَا يَنْفَعُكُمْ وَلِيَّتُكُم مَّا لَمْ يَشَأْ لَكُمْ
عِندَ اللّٰهِ مَبِیْعَتٌ وَلِلّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ

اور یہ مشرک عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا
ایسی چیزوں کی جو عبادت نہ کرنے کی صورت میں
اللہ تعالیٰ پہنچا سکتی ہیں اور نہ عبادت کرنے کی
صورت میں نفع دے سکتی ہیں اور کہتے ہیں

(سورہ یونس آیت ۱۸)

(معبود تو ہمارے سناش ہیں اللہ کے نزدیک اس لئے ہم ان کی عبادت کرتے ہیں)

دوسری جگہ ارشاد ہے

إِلَّا لِلَّهِ الَّذِينَ الْخَالِصُونَ وَالَّذِينَ
اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا لَكُمْ بِهِمْ
إِلَّا لِيَقْرَبُوا إِلَى اللَّهِ ذَلِكُنَّ آيَاتُ اللَّهِ
يُحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهَا خَلْفُونَ
إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ
كَفَّارٌ (سورة الزمر آیت ۳)

اسی کو جو چہرہ چھوٹا حق نہ ماننے والا۔

ان آیات میں یہی بتایا گیا ہے کہ مشرکین بنوں کی عبادت، ان کو خالق و مالکِ حقیقی سمجھ کر نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کو خالق و مالکِ حقیقی اور کائنات میں متصرف مانتے تھے۔ لیکن قرب الہی و دعاؤں اور عبادت کو اللہ تک پہنچانے کے لئے اصنام اور بزرگ، مستیوں کی عورتیوں کی پوجا کرتے تھے۔ اسی لئے مشرکین ٹھہرتے گئے اور توحیدِ خالص سے محروم ہو کر دائمی خسارے میں پڑ گئے۔

اللہ و دعا کی درخواست کے لئے علماء کرام اور صالحین کی خدمت میں حاضر ہونا اس سے بالکل جبراً ہے۔ کیونکہ جب کوئی مسلمان کسی اللہ والے صالح آدمی سے دعا کی درخواست کرتا ہے تو اس کی عبادت نہیں کرتا اور مسلمان سے دعا کی درخواست کرنا قرآن و سنت اور اجماعِ امت سے ثابت ہے جیسا کہ توشل کے باب میں مفصل طور پر چکا ہے۔

اسی طرح انبیاءِ علیہم السلام، اولیاء اور علماء سے محبت رکھنا اور ان کی تعظیم و احترام کرنا اس ضمن میں شمار نہیں اور نہ ہی یہ غیر اللہ کی عبادت ہے بلکہ ہم کو ان مشرکوں سے محبت اور ان کی تعظیم و تعظیم کا حکم ہے کہ اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔

مشرک خفی کوئی عبادت یا دینی کام یا نیک عمل اس لئے کرتا تاکہ لوگوں کے دل میں اسے یہی لگے کہ کوئی نیک عمل لوگوں کو دھمکانے کے لئے اس لئے کرتا ہے کہ وہ اسی طرح کامل کریں تو اس میں مسافہ نہیں لیکن ایسا کرنے سے اکثر لوگ باغی ہو جاتے ہیں کہ اپنی برائی کا کام بھی نہیں ہوتا۔

انسان کی وقعت اور قدر و منزلت پیدا ہو جاتے، شرک، غفلت اور ریا گمانا ہے اس کی کئی قسمیں ہیں۔

۱۔ کوئی شخص نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہو نہ اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور نہ ہی آخرت پر، لیکن لوگوں کو باور کراتے کہ وہ مسلمان ہے اور بظاہر دینی اعمال بھی کرتا رہے یہ اصل ایمان میں ریا ہے اسے اتفاق کہتے ہیں اور اس کے کرنے والے کو منافق، چلی اور عظیم شرک سے بھی زیادہ خطرناک ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم میں دوسرے مشرکین و کفار سے زیادہ سخت اور اس کا ٹھکانہ سب سے نیچے انتہائی ٹراب اور بُرا ہے۔

اتفاق کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ اندر سے اسلام کا بالکل منکر ہے لیکن مسلمانوں میں افتراق و انتشار پھیلانے اور فتنہ برپا کرنے کے لئے خود کو مسلمان ظاہر کرے اور ظاہری فرمانبرداری جیسے نماز وغیرہ ادا کرے۔ دوم یہ کہ اندر سے تو صاف منکر ہے لیکن مسلمانوں سے اپنے مفادات حاصل کرنے کے لئے ایمان و اسلام کا اظہار کرے اگرچہ فتنہ انگیزی کا خیال نہ ہو۔ سوم یہ کہ دل سے اسلام کا صاف منکر تو نہ ہو لیکن اسلام کے برحق ہونے پر کامل یقین نہ ہو بلکہ کفر و ایمان میں متزلزل اور متذبذب ہو۔ لیکن صرف مسلمانوں کی جماعت میں رہنے کی وجہ سے بظاہر اسلام کا نام لیا ہو، حسب دنیا اور شہوات کے غلبہ لئے اس کو ایسا نکما بنا دیا ہو کہ دنیا کی خاطر وہ اسلام اور مسلمانوں کی برابری اور دین کے مذاق اڑانے کو مباح عمل کی طرح برداشت کر لیتا ہو اور ایسے حالات میں بھی جہاد سے جی چراتا ہو جب کہ اسلام اور مسلمانوں کو اس کی سخت ضرورت ہو۔ قرآن مجید نے مختلف مقامات پر ان مختلف قسم کے منافقین کی نشاندہی کی ہے اور ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ	یعنی اس رِقاصت کے دن جب کہ تم میں مردوں
يَسْعَىٰ نَوْزَهُمْ بَنِينَ يُدْثِرُ بِهُمُ وَبِأَيِّمَانِهِمْ	اور عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نوران کے آگے آگے
أَبْشَرُ لَكُمْ يَوْمَ جَنَّتِ تَجْرِي مَمْت	اور ان کے دامن جانبِ دوریا ہو گا ان سے کہا
تَحِيَّتُهَا أَلَمْ تَكُنْ مِنْ قَوْمٍ مُّشْرِكِينَ	جائے گا آج بشارت ہے تم سے لئے ایسی باتوں

هُوَ الْغَوْرُ الْعَظِيمُ يَوْمَ يَقُولُ الْمَافِقُونَ
وَالْمُنَافِقُونَ الَّذِينَ ابْشَرُوا الظُّرُومَ
لَقَدْ بَشَّرَ بَيْنَ ثَوْرٍ كَوْفٍ قِيلَ اَرْجِعُوا
وَرَاءَكُمْ لَوْ كُنَّا لَتَمَسَّسُوا الْوَرْدَ فَصُرِفَ
بَيْنَهُمْ اِسْوَرٌ لَ بَابٌ بَاطِنٌ فِيهِ
الرَّحْمَةُ وَالْمَظْهَرَةُ مِنْ رَقِيبَةِ الْعَذَابِ
يَا دُونَ هُمَا الْفَرَكَانِ مَعْلُومٌ مَا الْعَوَا
بَلَى وَكَذَلِكَ كُفِّرَتْ تَوَالِفُكُمْ وَتَرْتَضَمُ
وَارْتَبْتُمْ وَعَوَّيْتُكُمْ اَلَا مَا لَمْ حَتَّى
جَاءَ اَمْرُ اللَّهِ وَعَسَى كُوبُ اللَّهِ الْعَزُورُ
فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ
وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مَا اَوْكُمُ النَّارُ
هِيَ مَوْلَاكُمْ وَبَشَّرَ الْمُصْطَفِيَّ

(سورة النجم آیہ ۱۵ تا ۲۴)

کی جن کے پیچھے ضرر ہی بہرہ ہی ہوں گی ان میں وہ
ہمیشہ رہیں گے یہی ہے بڑی کامیابی اس روز
مناقی مردوں اور عورتوں کا حال یہ ہوگا کہ وہ کوئی
سے کہیں گے ذرا ہماری طرف دیکھو اگر تم ہمارے
نور سے کچھ فائدہ اٹھاتے ہو تو ان سے کہا جائے گا
کہ نیچے کی طرف لوٹ جاؤ اور روٹوں نور تلاش کرو
پھر ان کے درمیان ایک دیوار مائل کر دی جائے
گی جس میں ایک دروازہ ہو گا اس کے اندر رحمت
ہوگی اور باہر کی جانب عذاب ہوگا منافق اہل العیا
کو پھاریں گے کیا تم ہمارے ساتھ نہ تھے ہم میں
جواب دیں گے ہاں، مگر تم نے اپنے آپ کو حق تعالیٰ
میں ڈال دیا ہماری تباہی کا انتظار کرتے رہے
شک میں پڑے رہے اور معذہ کو میں ڈال دیا تمہیں
محبوبی توقعات یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آپسچا اور

دھوکا دینا ہائیں اللہ کے بارے میں وہ بڑا غافل و شیطان پسند آج ہم سے کوئی تفریق قبول کیا جائے گا
اور نہ ان لوگوں سے جنہوں نے کھلا کھلا کفر کیا تھا تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے وہی تملہ ہی خبر گیری کرنے والا
ہے اور یہ بدترین انجام ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

اِنَّ الصَّافِقِينَ فِي الدَّرَجَاتِ اَلْوَسَطِ
مِنَ السَّارِّ وَلَنْ يَجِدَ لَهُمْ نَصْرًا

(النساء آیہ ۱۴۵)

یقین بالآخر منافق جہنم کے سب سے نچلے
درجے میں جائیں گے اور تم کسی کو ان کا مددگار
نہ پاؤ گے۔

۴۱) یہاں دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ اور رسول پر ایمان تو ہے لیکن عبادات اور
دوسرے خیر کے کام لوگوں کو دکھلاوے اور نام و نمود کے لئے کرتے ہیں مثلاً لوگوں کے
سامنے نماز پڑھنا زکوٰۃ دینا لیکن اگر پاس کوئی دیکھنے والا نہیں ہے تو نہ نماز ہے اور نہ

زکوٰۃ۔ یہ بھی نہایت خطرناک ہے اور ایمان میں خلل کی علامت ہے۔

(۳) ریا۔ کی تیسری قسم یہ ہے کہ فرائض میں تو ریا نہ ہو لیکن اگر کوئی پاس ہو تو نفل نمازوں، صدقات اور دیگر مستحبات کا اہتمام ہو لیکن اگر کوئی نہ دیکھے تو نہ نوافل ہوتے ہیں نہ مستحبات۔ یہ ریا بھی بہت خطرناک ہے۔

(۴) چوٹھی قسم یہ کہ تمنائی میں اتنی عبادت یا کار خیر نہیں کرتا جتنی لوگوں کی موجودگی میں کرتا ہے، ایسی عبادت پر بھی شدید عذاب کا اندیشہ ہے۔

۵) پانچویں قسم کی ریا یہ ہے کہ جو عبادت اور نیک عمل لوگوں کے سامنے کرتا ہے وہی ان کی غیر موجودگی اور تمنائی میں بھی کرتا ہے لیکن لوگوں کے سامنے زیادہ نشاط، مسرت اور حسن ادا کرتا ہے۔ مثلاً کوئی ہمیشہ تہجد پڑھتا ہو لیکن مہمان کے سامنے زیادہ نشاط اور خوبصورت طریقے سے پڑھے اس میں بھی ریا ہے۔ اگر پہلی اقسام سے کم۔

۶) چھٹی قسم ریا کی وہ ہے جس میں کسی کی موجودگی یا غیر موجودگی کی پروا تو نہ ہو لیکن چسکا لگا ہوا ہو کہ کسی طرح لوگوں کو میرے نیک اعمال اور باطنی عبادت کی خبر پڑ جائے اور مختلف طریقوں سے اس کا اظہار کرتا ہو۔

۷) ہر ایک ساتویں قسم یہ ہے کہ کسی نیک عمل کو حسن اس لئے ترک کر دے کہ لوگ اسے ریاکاری کا طعنہ دیں گے یا اپنی خفیہ مجلسوں یا اپنے خیال میں اسے ریاکار کہیں گے۔ یہ بھی ریا کی ایک بہت خطرناک قسم ہے کیونکہ یہ شخص بد عملی کے ساتھ لوگوں کے سامنے اپنے اعمال اور بزرگی کا ثبوت میاں کرنا پاتا ہے جب کہ دوسرے ریاکار عمل کر کے اپنی نیکو کاری وغیرہ کی شہرت چاہتے ہیں۔ شرک، غی اور ریا کی کچھ قسمیں اور بھی ہیں جو بہت باریک ہیں لیکن قابل ممانعت۔

تعالیٰ اگر کار خیر میں رضا اور خوشنودی تو اللہ کی مقصود ہو اور جب کوئی دیکھتے دیکھتے دانا ہو تو نشاط اور حسن ادائیگی بھی نہ ہو مگر طبیعت خوش ہو جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مسافہ فرمائے اور اس عمل کو قبول فرمائے بلکہ اگر اس کو خوشی صرف اس بنا پر ہو کہ الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے نیک عمل کو ظاہر فرمایا اور ہمارے جیسے اعمال اور گناہوں کو پوشیدہ رکھا کہ جو نیک کارنامہ کرنا اور گناہوں پرستاری کی اقامت کی روحانی سے بچاؤ کی علامت ہے۔ اس قسم کی خوشی میں کوئی مشاعرہ نہیں۔

جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ازالۃ الخفا میں مقل بن یسار سے روایت نقل کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا ابے ابو بکر شرک تم میں چھوٹی کے پاؤں کی آواز سے بھی زیادہ چھپا ہوا ہے حضرت ابو بکر نے کہا اگر کیا شرک اس کے علاوہ اور بھی کچھ ہے کہ کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی معبود بنا سکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ البتہ شرک چھوٹی کے پاؤں کی آواز سے بھی زیادہ چھپا ہوا ہے کیا میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں جو تم کو یاد آئے تو اس شرک کا قلیل اور کثیر سب جا کر رہے (یعنی معاف ہو جاتے) فرمایا کہو۔

اللہم اے اعد ذلک ان اشکرتک بک وانا اعلو واستغفرک

لما انا اعلو (ازالۃ الخفا ص ۱۴۰)

شرک خفی اور ریا کی مذمت | جو شخص ریا کرتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر یقین نہیں

تھو لوگ تو ایسے ہیں جو افعال کرتے اور اپنے اندر کچھ کیفیات محسوس کرتے ہیں اور ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ہمارے اعمال اور اندرونی کیفیات کا اظہار ہو تاکہ لوگوں میں ان کی کثرت ہو لیکن اصل لوگ ایسے بھی ہیں جو محض ظاہری حالت اور کیفیت بڑے لوگوں کی طرح بتا دیتے ہیں اور ایسے ظلال کا اظہار کرتے ہیں جو انہوں نے کئے نہیں ہیں مثلاً کسی نے اپنی روز سے نیل دیکھے فلیں بچوں کو شنگ دیکھے یا کہتا ہے کہ یہ روزہ ہے یا تھوڑی سی بڑھ چکا مثلاً ایسی حالت بنالیت ہے یا ایسے الفاظ اور اشارے کرتا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ بڑا شہد گراہ ہے یا سونیا کی چند باتیں سمجھ کر انہیں دہراتا ہو تاکہ لوگ اس کو بڑا صوفی اور تصوف کا ماہر سمجھیں یا چند روایات و حکایات سمجھ لے اور انہیں صرف اس لئے بیان کرتا ہے کہ لوگوں پر یہ ثابت کر دے کہ بڑا عالم ہے یا کوئی نیکیں اور دینی صوفیت بناتے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کو بڑی کاشت بڑا غم ہے وغیرہ وغیرہ تو یہ ایسی شہ و رقم کی ریا اور دکھائی ہے جو کسی بھی احیا انسان سے اس کا صدور ممکن نہیں میاں یہ خیال ہے کہ یہ چیزیں دوسروں میں صلاحی دیکر کیونکہ یہ فعل فائدہ روزہ شہد ذکر استہکاک و تعانی کو ذکر اور یاد رکھنا اور دین کا غم وغیرہ تو بہت اہم امور ہیں لیکن صرف یہاں کو بڑھایا اور شرک و خفی بن جاتے ہیں اس لئے دوسروں کے بارے میں تو خیال میں ہی رہتا کہ وہ اس کا اچھی نیت سے کرتے ہیں اور اس کی کینہ و بغض ہے البتہ اپنے بارے میں ہر وقت یہ گمان رہتا ہے اپنی جان کا ماسکرت اور اپنی نیت کو غافل تر بنانے کی ہوشیار رہی اور ہر گز غف سے کسی مل کو بھی نہ بھولیں یہ بھی شیطانی کام ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک منادی اعلان کرے گا کہ جس شخص نے اپنے کسی عمل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کیا ہے وہ اس شریک سے اپنا ثواب مانگ لے اللہ جل شانہ، شرک سے بے نیاز ہے (مشکوٰۃ)

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ ہمارے پاس تشریف لاتے تو ہم لوگ دجال کا تذکرہ کر رہے تھے حضورؐ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں جس کا میں تم پر دجال سے بھی زیادہ خوف کرتا ہوں، ہم نے عرض کیا کہ حضورؐ بتائیں، حضورؐ نے فرمایا کہ وہ شرک خفی ہے، مثلاً ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے و انکس سے شروع کی ہے، کوئی شخص اس کی نماز کو دیکھنے لگے، وہ آدمی کے دیکھنے کی وجہ سے اپنی نماز لمبی کر دے۔

ایک دوسرے صحابی حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف چھوٹے شرک کا ہے، صحابہؓ نے عرض کیا، چھوٹا بشرک کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا، یہ ایک حدیث میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ جس دن حق تعالیٰ شانہ، بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ عطا فرمائیں گے، ان لوگوں سے یہ ارشاد ہو گا کہ جن کو دکھانے کے لئے کتے تھے، و کھواں کے پاس تمہارے اعمال کا بدلہ ہے یا نہیں (مشکوٰۃ)

قرآن پاک میں بھی حق تعالیٰ شانہ کا پاک ارشاد ہے عَمَّن كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا، کہنے والے جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے اور ان کا محبوب و مقرب بننا چاہے، تو نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے؟

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں بعضے دینی مواقع میں اللہ جل شانہ کی رضا کے واسطے کھڑا ہوتا ہوں مگر میرا دل بہتا ہے کہ میری اس کوشش کو لوگ دیکھیں، حضورؐ نے اس کا کوئی جواب مرحمت نہیں فرمایا، حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہو گئی۔

حضرت مجاہدؓ کہتے ہیں کہ ایک صاحب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں عرض کیا کہ میں صدق کرتا ہوں اور صرف اللہ جل شانہ کی رضا مقصود ہوتی ہے مگر دل ریچا ہوتا ہے کہ لوگ مجھے اچھا کہیں، اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔

ایک حدیث قدسی میں ہے حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے عمل میں میرے ساتھ کسی دوسرے شخص کو شریک کرتا ہے تو میں اس عمل کو سارے ہی کو چھوڑ دیتا ہوں میں صرف اسی عمل کو قبول کرتا ہوں جو نہ اس میرے لئے ہو اس کے بعد حضورؐ نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی: ایک اور حدیث میں ہے اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے ساتھی کے ساتھ بہترین تقسیم کرنے والا ہوں جو شخص اپنی عبادت میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو سا بھی کر دے میں اپنا حصہ بھی اس سا بھی کر دے دیتا ہوں، ایک حدیث میں ہے کہ جہنم میں ایک وادی ایسی ہے جس سے جہنم کو دھبی چار سو مرتبہ روزانہ پناہ مانگتی ہے، وہ ریاکار قاریوں کے واسطے ہے۔

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آیا ہے کہ بہت انحراف سے پناہ مانگا کر رہی غم کے کنوئیں سے جو جہنم میں ہے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس میں کون لوگ رہیں گے حضورؐ نے فرمایا کہ جو اپنے اعمال میں ریاکاری کرتے ہیں، ایک صحابی کہتے ہیں کہ یہ آیت شریفہ قرآن پاک میں سب سے آخر میں نازل ہوئی اور منشور قرآن پاک میں دوسری جگہ ارشاد ہے یٰٰٓاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبَدِّلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْعَنَنِ وَالْاِذٰی مَا لَیْسَ فِیْہِ فِیْقَ مَا لَیْسَ فِیْہِ النَّاسِیْبُ (البقرہ: ۲۶۷)

اے ایمان والو! تم احسان جتنا کر یا ایذا پہنچا کر اپنی عبادت کو برباد مت کرو جس طرح وہ شخص ربا بدار کرے جو اپنا مال لوگوں کو دکھلانے کی غرض سے خرچ کرتا ہے اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور قیامت کے دن پھر اس شخص کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک چمنا پتھر ہو جس پر کچھ مٹی لگتی ہو اور اس مٹی میں کچھ سبزہ وغیرہ غم گیا ہو پھر اس پتھر پر زور کی بارش پڑ جائے سو وہ اس کو بالکل صاف کر دے گی اسی طرح ان احسان رکھنے والوں، ایذا دینے والوں اور ریاکاروں کا خرچ کرنا بھی صاف ار جائے گا اور قیامت کے دن ایسے لوگوں کو اپنی کافیت ذرا بھی ساتھ نہ لگے گی (یعنی یہ جو نیکیاں کی تھیں، صدقات دیتے تھے یہ سب منافع باقیں گے)

اس کے علاوہ اور بھی کئی بگ قرآن پاک میں ریا کی مذمت فرماتی ہے ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جن لوگوں کا فیصلہ ہوگا ان میں ایک کو شہید ہوگا اس کو بلایا جائے گا اور بلائے کے بعد دنیا میں جو اللہ جل شانہ کے انعامات اس پر ہوتے تھے وہ اس کو یاد دلائے جائیں گے اس کے بعد اس سے مطالبہ ہوگا کہ اللہ جل شانہ کی ان نعمتوں میں رہ کر تو نے کیا نیک عمل کیا وہ عرض کرے گا کہ میں نے تیری رضا جوئی میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا اور تجھ پر قربان ہو گیا ارشاد ہوگا کہ یہ جھوٹ ہے تو نے جہاد اس لئے کیا تھا کہ لوگ بڑا بہادر بنائیں گے وہ تجھے بہت بڑا بہادر بتا دے گی جو عرض کرے گی تھی وہ پوری ہو گئی ہے اس کے بعد اس کو جہنم میں پھینک دینے کا حکم کیا جائے گا اور تعمیل حکم میں اس کو منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

دوسرا شخص ایک عالم ہوگا جس کو بلا کر اللہ جل شانہ کے انعامات اور احسانات حتیٰ کہ اس سے بھی دریافت کیا جائے گا کہ اللہ جل شانہ کی ان نعمتوں میں تو نے کیا عمل کیا وہ کہے گا کہ میں نے علم سیکھا اور لوگوں کو سکھایا تیری رضا جوئی میں قرآن پاک پڑھا رہا ارشاد ہوگا یہ سب جھوٹ ہے یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا تھا کہ لوگ کہیں گے کہ فلاں شخص بڑا عالم، بڑا قاری ہے سو لوگوں نے کہہ دیا ہے اور جو مقصد اس محنت سے تھا وہ حاصل ہو چکا ہے اس کے بعد اس کو بھی جہنم میں پھینکے کا حکم کیا جائے گا اور تعمیل حکم میں منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

تیسرا شخص ایک سخی ہوگا جس پر اللہ جل شانہ نے دنیا میں بڑی وسعت فرما رکھی تھی ہر قسم کے مال سے اس کو نوازا تھا اس کو بلایا جائے گا اور جو انعامات اللہ جل شانہ نے اس پر دنیا میں فرمائے تھے وہ جہاں سوال کیا جائے گا کہ ان انعامات میں تیری کیا کارگزاری ہے وہ عرض کرے گا کہ میں نے شہر کا کوئی موقع جس میں خرچ کرنا آپ کو پسند ہو ایسا نہیں چھوڑا جس میں آپ کی خوشنودی کے لئے خرچ نہ کیا ہو ارشاد ہوگا یہ جھوٹ ہے تو نے محض اس لئے خرچ کیا کہ لوگ کہیں گے بڑا سخی شخص ہے سو کہا جا چکا ہے اس کے بعد اس کو بھی جہنم میں پھینکے کا حکم ہوگا اور تعمیل حکم میں منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک

دیا جائے گا، مشکوٰۃ بروایہ مسلم اس حدیث میں اور اسی طرح اور احادیث میں یہاں ایک شخص کا ذکر آتا ہے اس سے ایک اقسام آدمیوں کی مراد ہوتی ہے یہ مطلب نہیں کر یہ معاملہ صرف تین آدمیوں کے ساتھ کیا جائے گا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ تینوں قسم کے آدمیوں سے یہ مطالبہ ہوگا اور مثال کے طور پر ہر قسم میں سے ایک ایک آدمی کا ذکر کر دیا۔

ان کے علاوہ اور بھی احادیث میں کثرت سے اس پر تنبیہ کی گئی ہے اور بہت زیادہ اہمیت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس پر متنبہ کیا ہے کہ جو کام بھی کیا جائے وہ خالص اللہ جل شانہ کے لئے کیا جائے اور جتنا بھی اہتمام ہو سکے اس کا کیا جائے کہ اس میں ریا اور نمود و شہرت اور دکھاوے کا شائبہ بھی نہ آنے پائے، مگر اس جگہ شیطان کے ایک بڑے مکر سے بے فکر نہ ہونا چاہیے، دشمن جب قوی ہوتا ہے وہ مختلف انواع کے اپنی دشمنی نکالا کرتا ہے یہ بہت مرتبہ آدمی کو اس وسوسہ کی بدولت کہ خلاص تو ہے ہی نہیں اہم ترین عبادتوں سے روک دیا کرتا ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ شیطان اول تو نیک کام سے روکا کرتا ہے اور ایسے خیالات دل میں ڈالا کرتا ہے جس سے اس کام کے کرنے کا ارادہ ہی پیدا نہ ہو، لیکن جب آدمی اپنی بہمت سے اس کا مقابلہ کرتا ہے اور اس کے روکنے پر عمل نہیں کرتا تو وہ کہا کرتا ہے تجھ میں اخلاص تو ہے ہی نہیں یہ تیری عبادت، محنت بیکار ہے، جب اخلاص ہی نہیں پھر ایسی عبادت کرنے سے کیا فائدہ؟ اور اس قسم کے وسوسے پیدا کر کے نیک کام سے روک دیا کرتا ہے اور جب آدمی رُک جاتا ہے تو اس کی غرض پوری ہو جاتی ہے (اجاب) اس لئے اس خیال سے نیک کام کرنے سے رُکنا نہیں چاہیے کہ اخلاص تو ہے ہی نہیں، بلکہ نیک کام کرنے میں اخلاص کی کوشش کرتے رہنا چاہیے اور اس کی دعا کرتا رہے کہ حق تعالیٰ شانہ محسن اپنے لطف سے دشمنی فرماتے تاکہ نہ تو دین کا مشغلہ متائع ہو نہ برابر ہو۔ وَمَا ذَلِكْ عَلَيَّ اللَّهُ يَبْنِيْ

باب ہفتم

محبتِ مطلوبہ

محبت

۱۔ شرابِ روح پرور ہے محبت رب بزرگوار کی

اللہ رب العزت نے انسان میں ایک مادہ محبت کا ایسا رکھ دیا ہے جس نے اسے فوق پیش سے آشنا کر دیا ہے اسی کی برکت سے زندگی کا سوز و ساز ہے اور ہر دم ایک نیا محشر پیا ہے، اسی کی وجہ سے دل مضطر سیما ہے، خود تڑپتا اور ول کو تڑپاتا ہے اور اس کے نالہ راتے غم آسمان کی بجلیوں سے کھلتے ہیں۔

محبت کا یہ مادہ انسان کو محبوب کے حصول اور رضا کے لئے جان کی بازی لگانا پر آمادہ کرتا ہے۔ اس کی محبت جس چیز سے وابستہ ہو جاتے ہیں اس کا غلام و بندہ بن کے رہ جاتا ہے۔ یہی محبت اس کے تمام امراض و پریشانیوں اور تکلیفوں کا سبب بھی بن جاتی اور علاج بھی۔ اگر محبت دنیا سے فانی ہے ہو تو انسان آشفۃ حال راگ بگول بن کر دنیا کے حصول کے لئے محنت و مشقت کرتا ہے، دور دراز ممالک دریافت کرتا ہے دولت و عزت و شہرت حاصل کرنے کے لئے خون پسینہ ایک کر دیتا ہے۔ اور کبھی حسن فانی کا پروانہ بن کر اپنے آپ کو تباہ و برباد کر لیتا ہے۔

محبت اگر اس تغیر پذیر دنیا سے بے ثبات ہے جھوٹی تو انسان ناکام و نامراد ہو گا۔ لیکن اگر یہی محبت جمالِ لازوال سے، اور اس کا سوز و گداز حسنِ ازلی وابد کی خالق کائنات رب العالمین کے لئے ہو، اس کی وفا اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہو جائے تو اللہ کی کتاب اور سنتِ رسول سے ان کی رضا اور احکام کو معلوم کر کے دنیا میں ایمان و عمل سے اُبالا کر دے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت انسان کی ساری پراگندگی اور پریشانی کا حل ہے۔ یہ وہ آبِ حیات ہے جو اس کو تباہتے دوامِ عطا کرتی ہے اور اس کے لئے دنیا و آخرت میں سرمایہ فلاح و نجات ہے۔

کہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم کو تعزیر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
آگے لکھتے ہیں۔

”عزروہ ونصروہ۔“ فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا ایسا اتباع مقصود نہیں جیسے دنیا کے حکام کا اتباع جبراً و قہراً کرنا پڑتا ہے بلکہ وہ اتباع مقصود ہے جو عظمت و محبت کا نتیجہ ہو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت دل میں اتنی ہو کہ اس کی وجہ سے آپ کے احکام کے اتباع پر مجبور ہو کیونکہ امت کو اپنے رسول سے مختلف قسم کے تعلقات ہوتے ہیں، ایک یہ کہ وہ امیر و حاکم ہے اور امت محکوم و رعیت، دوسرے یہ کہ رسول محبوب ہے اور پوری امت ان کی محب۔ ایک یہ کہ رسول اپنے کلمات علی، عملی، اخلاقی کی بنا پر صاحب عظمت ہے اور ساری امت ان کے مقابلے میں پست و عاجز۔ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں سب شانیں درجہ کمال میں پائی جاتی ہیں، اس لئے امت پر لازم ہے کہ ہر شان کا حق ادا کریں، بحیثیت رسول کے ان پر ایمان لائیں، بحیثیت امیر و حاکم کے ان کے احکام کی پیروی کریں، بحیثیت محبوب ہونے کے ان کے سامنے گہری محبت رکھیں اور بحیثیت کمالات نبوت ان کی تعلیم و تکریم بجالائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع تو امت پر فرض ہو چکی ہے مگر یہ بھی کہ انبیاء کے پیچھے کا مقصد ہی اس کے بغیر پورا نہیں ہوتا لیکن حق تعالیٰ نے ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صرف اس پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ امت پر آپ کی تعلیم و توفیر اور احترام و ادب کو بھی لازمی قرار دیا ہے اور قرآن کریم میں جا بجا اس کے ادب سکھاتے گئے ہیں اس آیت میں عزروہ ونصروہ کے الفاظ سے اس کی طرف ہدایت کی گئی ہے اور ایک دوسری آیت میں بھی ”عزروہ ونصروہ“ کے الفاظ سے

(معارف القرآن ج ۴ ص ۸۷)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت کی ترغیب دی ہے جو نئے فرمایا۔

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ
النَّفْسِ الْمَوْتِ

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں کی جانوں
سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ وہ محبت اور تعلق بیان فرما رہے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کو مؤمنین سے ہے کہ تمہارے ساتھ بھدر دمی و خیر خواہی اور تربیت و غیرہ میں آپ
صلی اللہ علیہ وسلم تم پر تمہارے نفوس سے بھی زیادہ مہربان ہیں، حضور کا لطف و کرم اور
تمہاری دنیا و آخرت کی کامیابی اور خیر خواہی کا جو خیال آپ رکھتے ہیں وہ خود تمہارے نفوس
بھی اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا:

سَامِعْنَ مَوْلَانِ الْإِلَهِ وَأَنَا أَوْلَى النَّاسِ
بِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ أَقْرَبُ وَإِلَّ
شَيْئَةُ النَّبِيِّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ
النَّفْسِ الْمَوْتِ ۚ

کوئی مومن ایسا نہیں جس کے لئے میں دنیا اور آخرت
میں سارے انسانوں سے زیادہ اولیٰ اور اقرب
نہ ہوں اگر تمہارا دل چاہے تو اس کی تصدیق کے لئے
یہ آیت پڑھ لو اَللّٰہِی اَوَّلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ الْاِیْمَہ

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے ساتھ ایسا گہرا تعلق ہے اور ہم میں سے ہر ایک
پر ساری دنیا سے زیادہ شفیق اور مہربان ہیں تو پھر اس کا لازمی اثر اور حق یہ ہونا چاہیے
کہ ہر مومن کو آپ سے محبت تمام مخلوقات اور اپنی جان سے بھی زیادہ ہو، آپ کی تحریک
و تعظیہ بھی سب سے زیادہ کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی تمام مخلوقات اور نفس
کی ساری خواہشات پر مقدم رکھے اور سب سے زیادہ واجب التعمیل سمجھے جیسا کہ اللہ
تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ
وَأَخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ
وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ
تَخْتَمُونَ كَسَادَهَا وَمَسْكُوتٌ وَ

آپ کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی
اور تمہاری بیویاں اور تمہاری برادری اور وہ
مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ کاروبار جس کے بند
ہونے کا تمہیں اندیشہ ہے اور وہ مکانات جس کو تم

تَرْتَمُونَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ
وَرَسُولِهِ فَبِهَاجِدْ سَبِيلَ
فَتَرْتَمُونَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ بِأَمْرِهِ
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ

(سورۃ التوبہ آیت ۲۴)

پسند کرتے ہو تو تم کو زیادہ پیار سے ہیں اللہ سے
اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں لڑنے
سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ بھیجے اللہ اپنا
حکم اسے اور اللہ ہدایت نہیں دیتا مفسدین
لوگوں کو۔

اپنی اولاد، ماں باپ، اجماعتی اور اپنی بیوی وغیرہ سے محبت اور تعلق انسانی فطرت
کا تقاضا ہے اسی طرح کاروبار، مال اور مکانات وغیرہ کے ساتھ انسان کا لگاؤ
اس لئے ہے کہ وہ آرام و چین، عزت و راحت سے زندگی گزارنے میں ان کا محتاج ہے
اسلام دین فطرت ہونے کی وجہ سے انسان کے فطرتی تقاضوں اور ضرورتوں کا صحیح اور
مناسب خیال رکھتا ہے اور ہمیں ان اشیاء کے ذمہ حاصل کرنے یا ان کی طرف کمال
بے توجہی کا حکم نہیں کرتا، بلکہ صرف ان کی محبت میں کھو جانے سے منع کرتا ہے تاکہ یہ چیزیں
اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر غالب نہ آجائیں اور احکام شریعت
پر عمل کرنے کے خلاف رکاوٹ نہ بن جائیں، بہاد و ہجرت جیسے عظیم اعمال کے لئے
مانع نہ ہو جائیں۔

اگرچہ ان آیات میں ان لوگوں سے خطاب ہے جنہوں نے ہجرت و جہاد فرض
ہونے کے وقت ان اشیاء کے لگاؤ اور محبت سے مغلوب ہو کر ہجرت و جہاد نہ کیا
لیکن آیات شریفہ کے الفاظ عموم کے ساتھ تمام مسلمانوں کو یہ حکم دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس درجہ کی محبت لازم ہے جس پر کوئی دوسری
محبت اور تعلق غالب نہ آئے جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے۔

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک رہو، مرنے
نہیں ہوگا جب تک میں اس کو اپنی اولاد، والدین اور
تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔

لَا يُوْمِنُ أَحَدٌ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ
إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ
اجمعین و بخاری و مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۱۴۱

اسی طرح بہت سی صحیح احادیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب تک ایک امتی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دنیا کی ہر چیز حتیٰ کہ اپنی ذات سے بھی زیادہ نہ ہو، اس وقت تک اس کو ایمان کی حقیقت اور لذت نہیں حاصل ہو سکتی۔

محبت کے اسباب | یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ محبت کرنے کے چند اسباب ہوتے ہیں۔ پہلا سبب قربت ہے اس میں محبت کا سبب صرف قرب ہوتا ہے کسی خارجی چیز جیسے حسن و کمال کی مزید ضرورت نہیں پیش آتی، بلکہ یہاں بقدر قرب ہوتا ہے وہاں اتنی ہی زیادہ محبت ہوتی ہے جیسے والدین کی محبت اولاد سے، دوسرے اقرباء سے زیادہ ہوتی ہے اسے طبعی محبت کہتے ہیں۔ محبت کا دوسرا سبب احسان ہے، یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ بچے محسن سے محبت کر رہے ہوتے ہیں۔ تیسرا سبب حسن و جمال ہے، کیونکہ حسن صورت، حسن سیرت اور آواز کا حسن یہ سب اپنے اندر کشش رکھتے ہیں۔ محبت کا چوتھا سبب کمال ہو سکتا ہے، کسی میں غیرت، شجاعت، دانائی وغیرہ کے کمالات ہوں تو انہیں دیکھ کر پاس کر صاحب کمال سے محبت ہو جاتی ہے۔

بعض اوقات محبت کا نشا صرف عقلی ہوتا ہے اگرچہ طبعی طور پر آدمی کراہت اور گھبراہٹ محسوس کرے، بیمار کو تلخ دوا آپریشن یا سنجاش وغیرہ سے تکلیف و گھبراہٹ ہوتی ہے مگر عقلاً اس کو صحت یابی کا ذریعہ سمجھتا ہے اور یہ دوا میں وغیرہ اس کی محبوب و مطلوب بن جاتی ہیں۔

حضور سے اختیاری محبت | چوتھہ محبت طبعی ایک اضطراری اور غیر اختیاری چیز ہے اور اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی طاقت اور اختیار سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت سے مراد شب عقلی ہے یعنی یہ بات سچ سمجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرے کہ ہر مومن پر اللہ تعالیٰ کی محبت لازم ہے اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اتباع ضروری ہے لہذا اگر کسی شخص کے دل میں طبعی دنیاوی تعلقات ہوں

لیکن وہ ان سے اتنا مطلوب نہ ہو کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کی پروا نہ کرے تو وہ بھی آیات مذکورہ کی وعید سے خارج ہے اور اللہ و رسول کی محبت کو غالب رکھنے والا ہے جیسے دوا کی تلخی یا آپریشن سے طبیعت گہرا ہٹ قابل ملامت نہیں۔ اسی طرح اگر کسی کو مال و اولاد کی محبت کی وجہ سے شریعت کے کسی حکم کے بجالانے میں غیر اختیاری تکلیف محسوس ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود اس تکلیف کو برداشت کر کے وہ اس حکم کی تعمیل کرتا ہے تو وہ قابل ملامت نہیں۔

عقلی محبت اختیاری ہوتی ہے لیکن اس پر قناعت کر لینا درست نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی محبت ابتداء میں اختیاری اور عقلی ہوتی ہے لیکن اس میں اس قدر ترقی ہوتی چاہیے کہ یہ محبت طبیعت پر غالب آجائے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی تعمیل میں وہ لذت محسوس ہو جو ہر تکلیف کو راحت اور ہر تلخی کو شیریں بنا دے۔ یہی محبت کا اعلیٰ مقام ہے اور اسی درجہ کی محبت کی ترغیب دی گئی ہے جیسے صحیحین کی ایک حدیث میں ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةً
الْإِيمَانُ أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولَهُ
أَحَبَّ إِلَيْهِ مَا سِوَاهُمَا - الحديث.

یعنی جس میں تین باتیں ہوں گی وہ ایمان کی مشاققت
پائے گا ایک یہ کہ اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے
رسول کی محبت سب چیزوں سے افضل ہوتی ہے۔

زیادہ ہو۔

بخاری و مسلم کتاب الایمان

اس حدیث شریف میں حلاوت ایمان سے مقصود محبت کا یہی درجہ ہے جو انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو اور بڑی سے بڑی مشقت، حتیٰ کہ اپنی جان کی قربانی تک کو لذت بنادے اور ہر قسم کی محبت چاہے طبعی ہو یا عقلی پر اس کی تعمیل احکام کو ترجیح دے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی اس پر شاہد ہے۔ چند واقعات بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی محبت | بنی ذبیار کی ایک مسلمان خاتون کے والد بھائی اور خاوند مفروضہ احمد بن شریک ہوتے تھے جب اس کو ہر ایک کے متعلق یہ خبر ملتی کہ وہ شہید ہو گیا ہے تو وہ اتنا لہو لیا کہ راجھون پڑھتی اور بے قرار رہی سے دریافت کرتی رہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس حال میں ہیں لوگوں نے بتایا کہ آپ بالکل صحیح و سالم ہیں اس پر بھی اطمینان نہ ہوا اور کہنے لگی مجھے بتاؤ تاکہ دیکھ کر یقین کر لوں جب اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا تو فرماتے گئیں کہ آپ کے ہوتے ہوئے تمام مصیبتیں سچ ہیں (سیرت ابن ہشام)

۲۱ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبت تھی آپ نے فرمایا کہ خدائے پاک کی قسم حضور ہم لوگوں کے نزدیک اپنے مالوں سے اور اپنی اولادوں سے اور اپنی ماقول سے اور سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب تھے (شفا حکایت صحابہ)

۲۲ حضرت عبداللہ بن زبیر کے مولیٰ کیساتھ فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے پاس ایک پشت ہے اور یہ جو کچھ اس میں ہے اسے پی رہے ہیں اتنے میں حضرت عبداللہ بن زبیر حضور کی خدمت میں آئے آپ نے ان سے پوچھا کہ وہ کام کر آتے؟ حضرت عبداللہ نے عرض کیا جی ہاں! حضرت سلمان نے دریافت کیا یا رسول اللہ! کیا کام؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے ان کو اپنے پھنے کے خون کا غسل دیا تھا تاکہ جو کچھ اس میں ہے یہ اسے ہاویں حضرت سلمان نے فرمایا قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اسے تو یہ پی گئے۔ آپ نے پوچھا کیا تم اسے پی گئے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا کیوں؟ انہوں نے عرض کیا مجھے یہ بات پسند آئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خون مبارک میرے پیٹ میں ہو۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن زبیر کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا تجھے لوگوں سے نقصان پہنچے گا اور لوگوں کو تجھ سے

میں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت رکھتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم (قیامت میں) اسی کے ساتھ ہو گے جس سے محبت رکھتے ہو حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم اسلام کے بعد کبھی کسی چیز پر ایسے خوش نہیں ہوئے جتنا کہ حضور کے اس فرمان سے خوش ہوئے دیکھو جو صحابہؓ کو آپ سے واللہ انہ محبت تھی، اس کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اللہ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ابو بکرؓ و عمرؓ سے محبت رکھتا ہوں، اور مجھے امید ہے کہ میں اپنی اس محبت کی وجہ سے ان کے ساتھ ہوں گا، اگرچہ میں نے ان حضرات جیسے بہت زیادہ اعمال نہیں کئے ہیں (بخاری باب الاحکام و مسلم کتاب البر والصلاہ والافعال)

(۱۰) ان غرض صحابہ کرامؓ کو آپ کے ساتھ جو واللہ انہ محبت تھی اس کی کوئی نظیر نہیں مل سکتی صلح حدیبیہ کے موقع پر عمرو بن مسعودؓ گفتی جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے قریش کے سفیر کی حیثیت سے حضور کے سامنے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے طویل گفتگو کرتے رہے، اور نظر میں بھیجا کہ صحابہ کرامؓ کے حالات معلوم کرتے رہے واپس جا کر کفار قریش کے سامنے صحابہ کرامؓ کی محبت اور تعلق کو ان الفاظ میں بیان کیا، ”اے قریش میں بڑے بڑے بادشاہوں کے یہاں گیا ہوں، فیصلہ کسریٰ اور نجاشی کے درباروں کو بھی دیکھا ہے اور ان کے آداب بھی دیکھے ہیں، خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کی جماعت اس کی ایسی تعظیم کرتی ہو جیسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت ان کی تعظیم کرتی ہے، جب وہ وضو کرتے ہیں تو صحابہ کرامؓ آپ کے پیچے ہوئے پانی پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور اگر وہ تھوکتے ہیں تو لپک کر لے لیتے ہیں اور جس کے ہاتھ پر پڑ جاتے اس کو بدن اور منہ پر مل لیتا ہے اور جب ان کو کسی بات کا حکم فرماتے ہیں تو وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے سامنے بولتے ہیں تو بہت نچی آواز سے، ادب کی وجہ سے ان کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتے، اگر ان کے سر یا ہاتھ کسی کا کوئی بال گرتا ہے تو اس کو تہرکا اٹھا لیتے ہیں غرض میں نے کسی جماعت کو اپنے آقا کے ساتھ اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محمدؐ

صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت ان کے ساتھ کرتی ہے۔ تو جس قوم کو اپنے سردار سے
 اتنی محبت ہو اس پر غالب آنا ناممکن ہے (ماخوذ از صحیح بخاری و شیخ ابن ہشام ۲۲۸)
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہی ایمان و
 دین کی روح ہے لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ
 ازہمیت اور اس کے ثمرات سے محبت کرنا چاہے گا اس کے لئے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی محبت لازمی اور ضروری ہے کہ وہ ایسے جہان
 اسباب اختیار کرے جس سے محبت میں ترقی ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو فیوض
 و برکات آپ کے ذریعے پہنچائے ہیں اس لئے جو کوئی بھی آپ کو چھوڑ کر اللہ سے
 محبت کا اظہار کرے وہ بالکل غیر معتبر اور جھوٹا ہے صحابہ کرام کی زندگیوں کے مطالعہ
 سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کی عظیم قربانیوں اور اعمال کا اصل محرک یہی جذبہ تھا۔ اللہ اور
 رسول کی محبت ان کی والہانہ زندگی کا سبب تھا۔ محبت ہی ایک ایسی چیز ہے جو
 دل میں بس جانے کے بعد محبوب کو ہر چیز پر غالب کر دیتی ہے۔ پھر نہ مال و جان کی
 پرواہ ہوتی ہے نہ تنگ و ناموس کی اور نہ ہی تکلیف و مشقت کا اندیشہ رہتا ہے
 الغرض کسی دوسری چیز کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ جب انسان کے دل میں یہ جذبہ
 محبت جوش مارتا ہے تو پھر شریعت پر پابندی نہایت آسان ہو جاتی ہے اور دینی
 تکالیف میں راحت محسوس ہوتی ہے اور جذبہ محبت کی آگ دل میں بھڑک اٹھے تو
 انسان محبوب کے احکام کی تعمیل اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جان کی
 بازی لگا دینے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ اور یہی حالت درحقیقت سچے مومنین کی ہے
 توحید اور محبت کوئی حکایت کی چیز نہیں بلکہ یہ ایک کیفیت ہے موجد اور محب ایسا
 ایسا ہوتا ہے کہ اس کی نگاہ مستقل طور پر سوائے محبوب کے کسی اور چیز پر نہیں جمی۔ تاریخ
 اس بات کی شاہد ہے کہ جب تک مسلمانوں کے قلوب میں محبت بھڑکتی رہی ان کا
 سر دنیا کی کسی طاقت کے سامنے اور کسی درپردہ جھک سکا۔

حضور کے ادب و احترام کا حکم درحقیقت اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی اطاعت کا حق اور ای تب ہو سکتا ہے جب دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت ہو، ورنہ بغیر محبت کے اطاعت ریا اور نفاق ہوتا ہے۔ شریعتِ مطہرہ میں اسی لئے تعظیم و محبت کو فرض کیا گیا ہے اور جو ذرا بھی توہین کریگا فیضِ رسالت سے ابد الابد تک محروم رہے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زور سے بولنے اور ان کی آواز پر آواز بلند کرنے کی ممانعت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا
أَصْوَاتَكُمْ فَتَكُونَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا
تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ
لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ
لَا تَشْعُرُونَ (سورۃ الحجرات آیت ۲)

اے ایمان والو! بلند نہ کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اور نہ ان کے ساتھ
زور سے بات کیا کرو جس طرح اپنی آواز سے تم ایک
دوسرے سے بائیں کرتے ہو کیسے ایسا نہ ہو کہ
بے ادبی کی وجہ سے تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں
اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

اس آیت شریفہ کے اول مخاطب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، جن کا شمار اور قرار کیا
بے مثال ہیں، جن کی عبادات خشوع و خضوع میں رنگی ہوتی ہیں جو ہر معاملہ میں اور ہر
وقت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی و صوفیہ نے والے تھے۔ انہیں
کہا جا رہا ہے کہ اگر تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آواز اونچی کی تو یہ بھی ایسی
بے ادبی اور گستاخی ہوگی کہ تمہارے سارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تمہیں خبر
ابھی نہ ہوگی۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، اس آیت کے نزول سے
صحابہ کرام کا یہ حال ہو گیا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ قسم ہے
کہ اب مرے دم تک آپ سے اس طرح بولوں گا جس طرح کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہو
اور مشورہ منی البیتنی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات
دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا کہ فی الصبح، اور حضرت ثابت بن قیس قدرتی طور پر بہت بلند

آواز تھے۔ یہ آیت سن کر بہت ڈر گئے اور روتے اور اپنی آواز کو گھٹایا۔ بیان القرآن
از روز غشور، چند سطر آگے لکھتے ہیں۔

اس جگہ کلیات شرعیہ اور اصول مسلمہ کے اعتبار سے چند سوالات پیدا ہوتے
ہیں، ایک یہ کہ ضبط اعمال یعنی اعمال صالحہ صانع کر دینے والی چیز تو باتفاق اہل سنت
والجماعت، صرف کفر ہے۔ کسی ایک معصیت اور گناہ سے دوسرے اعمال صالحہ صانع
نہیں ہوتے اور یہاں خطاب مومنین اور صحابہ کرام کو ہے اور اقل یا ایہا الذین آمنوا
کے ساتھ ہے جس سے اس فعل کا کفر ہونا ثابت ہوتا ہے تو ضبط اعمال کیسے ہوا۔
دوسرے یہ کہ جس طرح ایمان ایک فعل اختیاری ہے، جب تک کوئی شخص اپنے قصد
سے کفر کو اختیار نہ کرے وہ کافر نہیں ہو سکتا اور یہاں آیت کے آخر میں یہ تصریح ہے
کہ انتہو لا تشعروا یعنی تم میں خبر بھی نہ ہو تو ضبط اعمال جو خالص کفر کی سزا ہے
وہ کیسے جاری ہوتی۔

سیدی حضرت حکیم الامت نے بیان القرآن میں اس کی توجیہ ایسی بیان فرمائی ہے
جس سے یہ اشکالات و سوالات ختم ہو جاتے ہیں، وہ یہ ہے کہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ
مسلمانو تم رسول اللہ کی آواز سے اپنی آواز بند کر دے، جابجا جہر کرنے سے بچو کیونکہ ایسا کرنے
میں خطرہ ہے کہ تمہارے اعمال ضبط اور صالح ہو جائیں اور وہ خطرہ اس لئے ہے کہ
رسول سے پیش قدمی یا ان کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کر کے غالب کرنا ایک ایسا امر ہے
جس سے رسول کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہوئے گا بھی احتمال ہے جو سبب ہے
ایذا سے رسول کا، اگرچہ صحابہ کرام سے یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ بالقصد کوئی ایسا کام
کریں جو آپ کی ایذا کا سبب ہے، لیکن اعمال و افعال جیسے تقدیم اور رفع صوت اگرچہ
بقصد ایذا نہ ہوں، پھر ان سے ایذا کا احتمال ہے اس لئے ان کو مطلقاً منوع اور
معصیت قرار دیا ہے اور بعض معصیتوں کا خاصاً یہ ہوتا ہے کہ اس کے کرنے والے
سے توبہ اور اعمال صالحہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے اور وہ گناہوں میں منہمک ہو کر انجام کا
کفر تک پہنچ جاتا ہے جو سبب ہے ضبط اعمال کا، معارف القرآن ص ۱۰۲، ۱۰۳

اور ایک آیت میں اس کی ہدایت فرمائی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے وقت ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے عام آدمیوں کی طرح آواز نہ دیا کریں۔
 لَا تَجْعَلُوا دَعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ
 كَدَعَاءِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ
 (سورہ النور آیت ۶۳) کو بلائے ہو۔

اور اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا زَعْمًا
 وَقُولُوا الظُّرُنَّ وَأَسْمِعُوا ذَٰلِكَ يُخْزِي
 عَذَابُ الْيَتِيمِ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۱۰)
 اے ایمان والو! تم لفظ زعم نہ کہنا کرو اور
 انفرنا کہنا کرو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات
 تو بہ سنو اور کافروں کیلئے دردناک عذاب ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اگر آپ کے کسی ارشاد مبارک کو کبھی اچھی طرح نہ سمجھ پاتے تو عرض کرتے یا رسول اللہ راعنا، یعنی ہماری رعایت فرمائیے گا، کیونکہ ہم پوری طرح نہیں سمجھ سکے ہیں، دوبارہ سمجھا دیجئے لیکن چونکہ یہودی زبان یعنی عبرانی میں یہی لفظ ایسے معنی رکھتا ہے جس میں گستاخی درجہ اولیٰ پائی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکو دیا کہ ایسے الفاظ سے احتراز کریں جس میں گستاخی کا ادنیٰ شائبہ تک ہو، اور ہر ایسے راستے کو بند کر دیا ہے جس طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت کا رشتہ کمزور ہو سکتا ہو، مثلاً آپ کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے عقد کرنے کو قرآن کریم میں ناجائز قرار دیا کہ ایسی صورت میں دل میں وہ عظمت و لحاظ اور ادب و احترام باقی نہیں رہ سکتا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ضروری ہے۔

صحابہ سے محبت | اسی طرح قرآن کریم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف اور مناقب کو نہایت حکیمانہ انداز میں اسی مقصد کے لئے پیش کیا گیا ہے کہ حضور کے ساتھ محبت و تعظیم میں اضافہ ہو۔
 کیونکہ کسی ڈاکٹر یا حکیم کی قابلیت کا اندازہ اس کے سپرد کئے ہوئے مریضوں کی حالت

سے لگایا جاتا ہے اور استاذ کا کمال اس کے شاگردوں کی خوبیوں سے پیمانہ جاتا ہے۔ لو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور اوصاف اور ان کی تربیت کا صحیح رنگ بھی ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا
أَشَدُّ دَلَالَةً عَلَى الْكَافِرِينَ لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ
تَوْبَتُهُمْ لَيُكْفَرْنَ أَسْبَغَ اللَّهُ فِي وَجُوهِهِمْ
مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے صحبت یافتہ ہیں وہ کفار کے مقابلہ میں سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں اسے مخاطب تو ان کو دیکھئے گا کبھی رکوع کرتے ہوئے کبھی سجدہ کرتے ہوئے اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طلب گار ہیں ان کے ایمان اور عبادت کی علامت ان کے چہرہ پر سجدوں کے اثر سے آشکار ہے۔

سورۃ النج آیہ ۲۸

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

لِلْمُفْقَرِ مِنَ الْمُجَاجِرِينَ الَّذِينَ
أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالُهُمْ
يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا
وَيُنصِرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ
هُمُ الصَّادِقُونَ

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْأَيْمَانَ
مِنْ قَبْلِهِمْ لِيَحْمِلُوا فِي صُدُورِهِمْ
حَاجَةً تَحْمِلُوهَا لِيُؤْثِرُونَ عَلَى
أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ
وَمَنْ يُؤْتِ شَيْئًا فَنَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ
هُمُ الْمُتَلَبِّحُونَ۔ سورۃ الحشر آیہ ۹

یعنی مال فقی ہیں حق، ان حاجت مند مہاجرین کا حق ہے جو اپنے گھروں سے اور مالوں سے جدا کر دیئے گئے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں۔

اور ان لوگوں کا حق ہے جو دارالاسلام اور ایمان میں ان کے قبل قرار پچھٹے ہوئے ہیں جو ان کے پاس ہجرت کر کے آئے ہیں اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دیا جاتا ہے اس سے انصار اپنے دلوں میں کوئی غلی محسوس نہیں کرتے اور اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود ان پر فاقہ ہی ہو اور جو شخص غل سے محفوظ نہ رکھا گیا ہے وہی لوگ نفاق پانے والے ہیں۔

والذین جاؤا من بعدہم یقولون
ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذین
سبقونا بالایمان ولہ تجل فی
قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا
انک رؤوف رحیم سورۃ الاحزاب ۱۰

اور ان لوگوں کا (حق ہے) جو ان کے بعد آئے
یعنی مہاجرین اور انصار کے بعد جو دعا کرتے ہیں
کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے
ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور
ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ
نہ ہونے دیجئے۔ اے ہمارے رب! آپ ہی سے شفیق و رحیم ہیں۔

مہاجرین و انصار صحابہ کرامؓ کے مناقب اور اوصاف بیان کرتے ہوئے حضرت
مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:

اس مقام میں حق تعالیٰ شانہؑ نے پوری امت محمدیہ کے عین طیفے کئے مہاجرین
و انصار اور باقی تمام امت۔ مہاجرین و انصار کے خاص اوصاف اور فضائل بھی اس جگہ
ذکر فرماتے مگر باقی امت کے فضائل و کمالات اور اوصاف میں سے صرف ایک چیز
یہ بتلائی کہ وہ صحابہ کرامؓ کی بہت ایمانی اور ایمان کے ہم کمر پہنچانے کا ذریعہ ہونے کو
پہچانے اور سب کے لئے دعائے مغفرت کریں اور اپنے لئے یہ دعا کریں کہ ہمارے
دلوں میں کسی مسلمان سے کینہ و نفرت نہ رہے اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے بعد
آنے والے جتنے مسلمان ہیں ان کا ایمان و اسلام قبول ہونے اور نجات پانے کے لئے
یہ شرط ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کی عظمت و محبت اپنے دلوں میں رکھتے ہوں۔ اور ان کے
لئے دعا کرتے ہوں جس میں یہ شرط نہیں پائی جاتی وہ مسلمان کلمانے کے قابل نہیں
اسی لئے حضرت مصعب بن سعدؓ نے فرمایا کہ امت کے تمام مسلمان تین درجوں میں
ہیں جن میں سے دو درجے تو گزر چکے (یعنی مہاجرین و انصار) اب صرف ایک درجہ باقی
رہ گیا یعنی وہ جو صحابہ کرامؓ سے محبت رکھیں ان کی عظمت پہچانیں اب اگر تمہیں امت
میں کوئی جگہ حاصل کرنی ہے تو اسی تیسرے درجہ میں داخل ہو جاؤ حضرت حسینؓ سے کسی
نے حضرت عثمانؓ کے بارے میں سوال کیا جب کہ ان کی شہادت کا واقعہ پیش آچکا تھا
تو انہوں نے سوال کرنے والے سے پوچھا کہ تم مہاجرین میں سے ہو؟ اس نے انکار کیا

پھر پوچھا انصاریں سے ہو؟ اس نے اس کا بھی انکار کیا تو فرمایا پس اب تفسیری
آیت وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ لَنْ يَرَوُوهُمْ اَنْفُسًا اُولَٰئِكَ يَنْفَكُ عَنْهُمْ
وَشَبَّحَ بِمَا كَرِهَ اَنَّا جَاءُوهُمْ مِنْ اَنْفُسِهِمْ لَنْ يَرَوُوهُمْ اَنْفُسًا اُولَٰئِكَ يَنْفَكُ عَنْهُمْ
خبر پہنچی نے فرمایا کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ صحابہ کرامؓ کی محبت ہم پر واجب
ہے حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ جو شخص کسی صحابیؓ کو برا کہے یا اس کے متعلق برائی
کا اعتقاد رکھے اس کا مسلمانوں کے مال میں کوئی حصہ نہیں پھر اسی آیت سے استدلال
فرمایا اور چونکہ مال فقہ میں حصہ ہر مسلمان کا ہے تو جس کا حصہ اس میں نہ رہا اس کا
اسلام و ایمان ہی مشکوک ہو گیا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ
تعالیٰ نے سب مسلمانوں کو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استغفار اور دعا کرنے
کا حکم دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان کے آپس میں جنگ و جدال کے فتنے بھی پیدا
ہوں گے اس لئے کسی مسلمان کو مشاجرات صحابہؓ کی وجہ سے اُن میں سے کسی سے
بدگمان ہونا جائز نہیں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ یہ امت اس وقت تک ہلاک نہیں ہوگی جب تک
اس کے پچھلے لوگ انگلوں پر اُمت و ملامت نہ کریں گے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے
فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ کسی صحابیؓ کو برا کہتا ہے تو اُس سے کہو کہ جو تم میں زیادہ بڑا
ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت رہے ظاہر ہے زیادہ بڑے صحابہؓ تو ہو نہیں سکتے یہی وہ
گاجو اُن کی برائی کر رہا ہے خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو برا کہنا سبب
لعنت ہے۔

عوام بن حوشب نے فرمایا کہ میں نے اس امت کے پہلے لوگوں کو اس بات پر
مستقیم اور مضبوط پایا ہے کہ وہ لوگوں کو یہ تلقین کرتے تھے کہ صحابہ کرامؓ کے فضائل
اور محاسن بیان کیا کہ تو ان لوگوں کے دلوں میں اُن کی محبت پیدا ہو اور مشاجرات اور
اختلافات جہان کے درمیان پیش آتے ہیں ان کا ذکر نہ کیا کہ جس سے اُن کی حرمت
بڑھے اور وہ بے ادب ہو جائیں ایسے سب روایات تفسیر قرآنی سے لی گئی

ہیں۔ (معارف القرآن صفحہ ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰)

صحابہ سے محبت کی وجہ | بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پاک و مقدس جماعت امت کے عام افراد کی طرح انہیں۔ بلکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام امت کے درمیان محکم اور مضبوط واسطہ ہیں۔ ان کی حیثیت حضور کے مانندوں کی ہے اور اسی لئے عام امت سے جدا ایک خاص امتیازی شان رکھتے ہیں۔ ان کی تقدیس اور تعظیم پر ہمارے قرآن کریم، سنت نبویؐ اور دین کے تمام عقائد و احکامات کا دار و مدار ہے۔ وہ رسالت کے اولین مبلغ ہیں جن کے ذریعے دین حق پوری امت کو پہنچا۔

قرآن مجید میں رحمۃ اللہ علیہم کے تلامذہ یعنی صحابہ کرام کی پاک سیرت اور بے مثال کردار کی مدح اور ستائش بہت کثرت اور تکرار کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ انہیں رضائے الہی اور رحمت کی انبشار میں دی گئی ہیں اور امت کو ان کے ادب و احترام اور ان کی اقتداء کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ اور ان میں سے کسی کو برا کہنے پر سخت وعید بھی فرمائی ہے۔ ان کی محبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان سے بغض کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض قرار دیا ہے۔

صحابہ کے بارے میں حضور کی تاکید | حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں۔

اللہ اللہ فی السحاب لا تحذوهم من بعدی غرو صاف من اجتہدہم فاجتہدوا من الغضہم فبغضنی البغضہم الحدیث (رواہ الترمذی) ساتھ بغض کی وجہ سے بغض رکھا۔

اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ جس نے ان کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی

اور جن نے مجھے ایذا پہنچائی اس کے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی اور جو اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانا چاہے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عذاب میں گرفتار کر دے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَسْبُوا اصْحَابِي فَلَوْ اَنَّ احَدَكُمْ
الْمُتَّقِ مِثْلَ احَدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ
احَدِهِمْ وَلَا لَصَفَةٍ۔
میرے اصحاب کو برا مت کہو، اگر تم لوگوں میں سے
کوئی ایسا ہو کہ برابر سونا صدقہ کرے تو صحابہ میں سے
کسی ایک کے ایک مد کے برابر ثواب کو نہیں پہنچ سکتا
ہے نہ آدھ مد کے برابر۔

اور ترمذی کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم ایسے لوگوں
کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو تم کو اللہ کی لعنت ہو تمہارے اس شر پر یعنی
تمہاری اس شر کی بات پر۔

مقام صحابہ رضی اللہ عنہم | اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا تقدس اور عدالت اور ان کے
ساتھ محبت، ان کی تعظیم و تکریم یقینی طور پر ثابت ہے
جس شخص کی زندگی مجموعی طور پر پھٹی اور پاکیزہ ہو اس پر کسی گناہ کبیرہ کا الزام عقل اور فطرت
کی رُو سے بھی اس وقت تک درست تسلیم نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ وہ مضبوط اور
قطعی دلائل سے ثابت نہ ہو۔ اور صحابہ کرام کا مقام تو بہت ہی بلند ہے، ان حضرات کا
تقدس اور عدالت قرآن و سنت متواترہ اور اجماع اُمت سے ثابت ہے پس
تاریخ کی جھوٹی بات نہ اور ضعیف روایات کی یہاں کوئی حیثیت ہی نہیں، اسی لئے
علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جو لوگ صحابہ کرام سے بغض یا ان میں سے بعض کے ساتھ
بغض رکھتے یا ان کو برا بھلا کہتے، ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے ایسے لوگوں
کا قرآن پر ایمان سے کیا واسطہ جو ان لوگوں کو برا بھلا کہتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے
راضی ہونے کا اعلان کیا ہے۔

صحابہ کرام پر تنقید و استہزاء کرنا دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی تربیت

پر اعتراض کرنا ہے۔ کیونکہ پھر تو یہ وسوسہ پیدا ہو سکتا ہے کہ (خود باللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تزکیہ صحیح اور کامل نہ تھی، ورنہ جن حضرات نے اپنی جانیں آپ کے سر پر کی تھیں اور جن کی خوبیوں پر خود قرآن مجید اور حضور شاہد ہیں ان حضرات میں روحانی بیماریاں، بددیانتی اور خود غرضی کیسے آتیں۔

الغرض صحابہ کرام کے بارے میں پوری امت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے زیادہ مقدس اور پاکیزہ ہستیاں یہی ہیں، ان کا ہر فرد اتنا بلند کردار اور نفسانیت سے اس قدر دور تھا کہ انسانیت کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ اور تمام صحابہ کرام کی نظیر و تحریم ان سے محبت رکھنا، ان کی صحت کرنا واجب ہے۔ اگر کسی سے بظاہر کوئی لغزش ہوئی کبھی ہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما کر ان کے جنتی ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ اور ان کے باہمی اختلافات میں کون حق پر تھا اور کس سے کس وقت کیا غلطی سرزد ہوتی تھی سو اس قسم کے سوالات کا واضح جواب قرآن کے الفاظ سے لیا جائے گا۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ
وَلَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَا تَسْأَلُونَهَا
كَأَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ
یہ ایک امت تھی کہ جو گزر گئی ان کے اعمال ان کے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے اور تم سے نہ پوچھا جائے گا کہ انہوں نے کیا عمل کیا تھا۔

لہذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ صحابہ کرام کی عظیم الشان جماعت کے بارے میں اپنی زبان یا قلم سے کوئی ایسا حرف نہ نکالے جس سے کسی طبیبی کی تنقید یا کسر شان ہوتی ہو اور یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو کوئی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کا دروازہ کھولتا ہے وہ دین اسلام کی بنیادوں کو کھوڑتا ہے اور وہ کبھی اسلام کا فخر خواہ نہیں ہو سکتا۔

اللہ حضور اوصیائہ اور اسلاف سے محبت
الغرض اللہ جل شانہ کی ذات عالی
ہی اللہ محبت کی مستحق ہے
کیونکہ محبت جن وجوہات کی بنا پر جو کرتی ہے وہ بدرجہ اتم ان میں جنت ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس لئے نہایت ضروری ہے کہ آپ کی محبت ہی اللہ تعالیٰ کی

محبت اور اس کی اطاعت کا ذریعہ ہے۔ آپ ہی اقرب الناس الی اللہ یعنی سب انسانوں سے زیادہ اللہ سے قریب ہیں۔ اس کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم کے ساتھ محبت نہایت ضروری ہے۔

گویا یہ محبت کی ایک زنجیر ہوتی جس کی کڑیاں یعنی سلف صالحین کی محبت، صحابہ کی محبت، نبی کریم کی محبت اور اللہ کی محبت ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں جس طرح کہ علمی سلسلہ کی زنجیر ہے کہ قرآن و سنت کا علم صحابہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صحابہؓ سے تابعین کو منتقل ہوا اور پھر ان سے ان کے تلامذہ یعنی تبع تابعین کو قرآن و سنت کے حاملین کا یہ سلسلہ الحمد للہ آج تک جاری ہے۔

سلف صالحین سے محبت رکھنا ان کے نقش قدم پر چلنا ہی ہماری کامیابی و فلاح کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ کسی شخص سے محض اللہ تعالیٰ کے لئے محبت و تعلق رکھنا اللہ پاک کی عظمت کا حق ادا کرنا ہے۔ اور اس کا شمار بھی عبادات میں سے ہے۔ حدیث شریفہ میں آتا ہے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندہ نے مجھے اللہ پاک کے لئے کسی دوسرے بندہ سے محبت کی اس لئے اپنے رب کی عظمت و توقیر کی۔ (مسند احمد مشکوٰۃ)

اللہ پاک سے محبت کے لئے اس کے محبوبین کی محبت ایک ناگزیر واسطے کی حیثیت رکھتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کا ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان سے محبت کا ذریعہ صحابہ کرام ہیں، اسی طرح صحابہ کرام سے محبت کا واسطہ سلف صالحین ہیں۔ مجنوں جو لیلیٰ کے عشق میں مست تھا۔ لیلیٰ کی گلی کے کتے کو محبت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ کتے سے محبت تو ہرگز مقصود نہ تھی لیکن یہ لیلیٰ کے ساتھ محبت ہی کا اثر تھا۔ جب وہ لیلیٰ کے گھر جاتا تو وہاں کا خوف کرنے لگتا۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو تو کہا۔

لعلی الذی یار دیار کینا
و اقبل ذالحداد و ذالجلاد
میں گزرتا ہوں ان شہروں پر جو لیلیٰ کے شہر
ہیں تو چرمٹا ہوں اس دلیر کو اور اٹس دیوار کو

وَمَا حُبِّ الدِّيَارِ شَقْفُنْ قَلْبِي اور ان شہروں کی محبت نے میرے دل
وَلَكِنْ حُبٌّ مِّنْ مَّسْكِنِ الدِّيَارِ میں گھر نہیں کیا ہے مگر اس کی محبت نے
جو ان شہروں میں رہ چکی ہے

محبوب لذاتہ یعنی اصل محبوب تو صرف ایک ہی ہے لیکن محبوب سے متعلق
اشیاء کی محبت اس کی محبت کی علامت اور دلیل ہوتی ہے اور اس کی محبت بڑھانے
میں مدد و معاون ہوتی ہے۔ اسی طرح جو شخص اللہ سے محبت کرتا ہے وہ ضرور بالضرور
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھے گا اور جو حضور سے محبت کرتا ہے وہ یقیناً صحابہ
تابعین، تبع تابعین اور سلف صالحین کو علی الترتیب محبوب رکھے گا۔ گویا سلف صالحین
صحابہ کرام اور انہما میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کا عشق
اور قرب حاصل کرنے کا ایک واسطہ اور اس کی محبت کی علامت ہے۔

اللہ تک پہنچنے کا دوسرا واسطہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی کتاب ہے۔ یعنی اللہ جل شانہ
نے ہمیں اپنا قرب حاصل کرنے کے لئے دو واسطے مقرر فرما دیئے ہیں جن کے ذریعے ہیں
اللہ کی پسند اور ناپسند، اوامر اور نواہی کا علم ہو جاتا ہے۔ کتاب جو تمام انسانیت کے لئے
قانون اور ہدایت نامہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور دوسرے اپنے ایسے چنے ہوئے مقبول
بندے جن کو نبی آدم ہی میں سے منتخب فرما کر اپنی پسند اور ناپسند کا عملی نمونہ اور کتاب
کی عملی تفسیر بنا کر بھیجا۔

تجربہ گواہ ہے کہ کوئی کتاب کتنی ہی آسان، مفصل اور جامع کہوں نہ ہو انسان کی
تعلیم و تربیت کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ انسان کی تربیت اور اصلاح کرنے والا
انسان ہی ہو سکتا ہے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی اصلاح اور تعلیم کے لئے دو چیزوں کا سلسلہ
باری رکھا۔ ایک کتاب اللہ اور دوسرے رجال اللہ (اللہ والے لوگ) جن میں انبیاء علیہم السلام
ان کے نائبین، علماء و مشائخ سب داخل ہیں۔

ووشد مدیر غلطیاں | رجال اللہ (اللہ والوں) کے بارے میں لوگ دو مذہب غلطیوں کا نشانہ

مربے ہیں یعنی افراط اور تفريط۔ دین میں اکثر فتنے اور فرقے تبدیل ہوتے ہیں انہی دو غلطیوں کا نتیجہ ہیں۔ کہیں تو برجال اللہ کو اتنا بڑھا دیا کہ کوبت برجال پرستی بندوں کی عبادت تک پہنچ گئی اور کہیں گھٹا دیا کہ حبیب کتاب اللہ (یعنی صرف اللہ کی کتاب ہی ہمارے لئے کافی ہے) کا اعلان کرنے لگے اور حبیب کتاب اللہ کی غلط تفسیر میں نبی کریم، صحابہ تابعین اور سلف صالحین کو بالکل نظر انداز کرنا اپنا طریقہ بنا لیا۔

اصل اور صحیح طریقہ تو یہ تھا کہ رجال اللہ سے ان کے شایان شان محبت رکھتے ہو کہ نہایت ضروری ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور ایسے شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس کو ایک جماعت سے محبت ہے لیکن وہ ان کے ساتھ نہ ہو سکا، آپ نے فرمایا جو شخص جس سے محبت رکھتا ہے اسی کے ساتھ ہے یعنی آخرت میں اسی کے ساتھ ہو گا یا کر دیا جائے گا۔ سائل کا مقصد بظاہر یہ معلوم کرنا تھا کہ ایک شخص جو اہل تقویٰ کے کسی گروہ یا کسی مرد صالح و متقی سے محبت کرتا ہو لیکن عمل اور سیرت میں ان کے درجہ کا نہ ہو بلکہ میچے ہو اس کا انجام کیا ہو گا۔ تو نبی کریم کے جواب کا حاصل داری مناسبت سے ایر ہوا کہ یہ شخص عمل میں کم ہونے کے باوجود انہیں اللہ کے محبوب لوگوں کے ساتھ کر دیا جائے گا جن کے ساتھ اس کو محض اللہ کی خاطر اور دین کے تعلق سے، محبت تھی، اسی مفہوم یعنی اکرم مع من احبہ کر آدمی کا حشر قیامت میں اسی کے ساتھ ہو گا جس سے وہ محبت رکھتا ہو کوبت سے صحابہ کرام سے مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

لہذا ہمیں چاہیے کہ اپنی عاقبت کو کامیاب و شاندار بنانے کے لئے اللہ والوں سے محبت کا اطلاق قائم کر کے قیامت میں ان کی جمعیت حاصل کر لیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے۔

عن احب للہ والفضل للہ فخذ
استكمل الایمان
جس کسی نے اللہ تعالیٰ کے لئے کسی سے محبت کی
اور اللہ تعالیٰ (رحمہ) کے لئے کسی سے دشمنی کی اس کا
ایمان کامل ہے۔

گمراہ فرقوں کی ابتدا | پس دین میں تفریق و اختلاف کا منبع سلف صالحین و صحابہ
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے سے کٹ جانا ہے، خواہ
اس سلسلے کی کسی ایک کڑی سے ہو۔

مسلمانوں میں اٹھنے والے تمام فتنے اسلام کا نعرہ لگا کر بلند ہوتے ہیں اور دین
ہی کا لبادہ اوڑھ کر نمودار ہوتے ہیں۔ مثلاً خوارج نے سب سے پہلے حکومت الہیہ کا
نعرہ لگا کر صحابہؓ سے جدائی اختیار کی۔ عقیدہ کی گمراہی میں خود بھی مبتلا ہوتے اور عالم
اسلام میں بھی خطرناک فتنہ برپا کیا۔ اسی طرح ماضی قریب میں ترقی اسلام اور ترقی السیاح
کے نام سے یورپی علوم اور تہذیب کی ترویج و ترقی کے لئے جو تحریکیں چلیں ان کے نتیجہ
میں دینی تربیت سے عاری ہونے کی وجہ سے ایسے لوگ پیدا ہوئے جو خوارق اور
معجزات کا انکار کرنے لگے۔ اسی طرح مسلمانوں کو منہاف گمراہ تحریکوں میں پہلا اور پھینکا
کر اٹھا دیا اور ان کو علماء سے متنفر کرنے اور اسلاف سے کاٹ دینے کا فساد شروع کیا۔
اس قسم کی سب گمراہ کن تحریکوں کی آواز تو اسلام ہی تھی لیکن روج اور مقصد اسلام
سے عاری تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے نامحجہ اور نامعاقت اندیش لوگ دھڑبھڑ
اور ظاہری چمک دھماکے سے دھوکا کھا کر راہ راست سے دور ہو گئے اور سمجھ دار لوگ
حقیقت پہچان کر ایک طرف محفوظ رہے۔ دونوں طرف سے افراد کٹ کٹ کر ایک دوسرے
کے مد مقابل جمع ہونے لگے اور یوں اُمتِ مسلمہ جو مہ تفرقہ بازی اور فتنہ و فساد
کا شکار ہو گئی۔

وہ حضرات جن کے سامنے گمراہ افراد اور فرقوں کی تاریخ موجود ہے خوب جانتے
ہیں کہ سلف صالحین سے رابطہ کٹ جانے اور اعتماد اٹھ جانے کے بعد دین کو سمجھنے اور
دین کی تشریح کرنے کے لئے کوئی مدد و حصار یا اصول و قواعد باقی نہیں رہتے۔ قرآن
و سنت کی ایسی بے سرو پا اور لغو تفسیریں اور مضحکہ خیز تاویلیں سامنے آتی ہیں جو دین کی
دھجیاں اُڑانے کے مترادف ہوتی ہیں۔ یہی گمراہی کی بنیاد ہوتی ہے۔ پھر کہیں صحابہؓ پر
جھوٹے الزامات لگا کر اور انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا انکار کر کے اپنی طرف

سے دین کی تفصیلات گھڑائی جاتی ہیں اور نئے گمراہ فرقوں کی ابتداء ہوتی ہے۔ دو
 حاضر کے بعض نام بہاد مغربین اور مشہور نیکار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے کے
 ساتھ لگے ہوئے سلف جانیین (جو کہ انقلاب آفرین صلاحیتوں اور کارناموں کے
 عظیم الشان نمونے قائم کر چکے ہیں) پر ایک طویل المیاد فکری قحط اور ذہنی و عملی تعطل کا
 الزام عائد کرتے ہیں اور اپنے زہریلے خیالات کو انقلاب اسلام اور ترقی دین کے نام
 سے پیش کرتے ہیں۔ گویا جو دین چودہ سو سال تک قائم و دائم جاری و ساری رہا، اس
 کو اسلاف میں سے کوئی ٹھیک طرح سے سمجھا ہی نہ تھا اب اگر یہ حضرات اپنی صحیح دین
 سمجھا رہے ہیں۔ فی الحقیقت یہ لوگ صرف اپنی خواہشات نفس کا اتباع کرنے والے ہیں۔

ان حضرات کا طریقہ کار یہ ہے کہ پہلے سے ہی ایک راستے قائم کر لیتے ہیں پھر
 اس کو ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبوی کے عجیب و غریب
 مطالب بنا کر پیش کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ حضرات ایسی آیات اور احادیث بھی نظر انداز
 کر دیتے ہیں جن سے ان کی بے بنیاد راستے کی صریح نفی ہوتی ہے۔ تو یہ لوگ قرآن مجید کی
 اس آیت کے صدق بن کر خود پرستی اور شرک کے مرتکب ہوتے ہیں کہ۔

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ... کیا آپ نے اس شخص کو ملاحظہ فرمایا ہے جس نے
 اپنی خواہش نفسانی کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔

پس یہ لوگ اپنی خواہشات کو معبود بنا لیتے ہیں اور ان کا نفس ہی ان کے لئے
 قرآن بھی ہوتا ہے اور حدیث بھی۔ اور جو شخص حلال و حرام، جائز و ناجائز کی پرواہ نہ
 کرے، نفس کی پیروی میں اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال دے وہ گویا اپنے نفس
 کو اپنا خدا بنا لیتا ہے۔ ائمہ اربعہ اور تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ اتباع نبوی
 احکام دین میں قطعاً حرام ہے پس جو شخص اپنی نفسانی اغراض کو سامنے رکھ کر قرآن و
 حدیث میں اس کے لئے دلائل تلاش کرے وہ یقیناً متبع ہونی ہے۔ اگر اسے
 اتفاقاً کوئی سند مل بھی جائے لیکن یہ حال معاملہ تو عظیم و خسارت کے ساتھ ہی ہے کہ
 دلوں کے جسد اور نعیتوں سے بھی طبع وائف سے

اسلاف کی فضیلت | حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے کہ۔

خَيْرُ أُمَّتِي قُرْبِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ۔
میرھی امت کا بہترین دور میرا ہے پھر اس کے بعد وہ لوگ جو ان سے ملے ہیں پھر اس کے بعد ان لوگوں کا ہے جو ان سے ملے ہیں۔
رواہ الماریجہ

یعنی تین دور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ صحابہ کا دور اور میرے تابعین اور تبع تابعین کا دور بہترین ہیں۔ اب اگر یہ نام نہاد فلسفی اور انشائیہ پرداز پر راستے قائم کرتے ہیں کہ (نور بالہ) حضور کے صحابہ اور سلف صالحین دین کو منجیک طرح نہیں سمجھے تھے تو پھر ان کی تمام فکری اور علمی کاوشیں مشکوک ہو جاتی ہیں اور دین کا سارا علمی ورثہ بے فائدہ اور بے معنی نظر آنے لگتا ہے۔ سلف پر الزامات ایسی غیاری سے پیش کئے جاتے ہیں کہ بظاہر کچھ اہم اور سنگین نظر نہیں آتے۔ لیکن اس کے اثرات دل و دماغ اور طرز فکر و عمل پر بہت گہرے اور دور رس ہو سکتے ہیں۔ آدمی یوں سوچنے لگتا ہے کہ اگرچہ اسلاف نے ماضی میں کچھ نہیں کیا تو مستقبل کے بارے میں ان سے کس فائدے کی توقع کی جاسکتی ہے، ان کے کارنامے بے قیمت اور بزم تک پہنچایا جو دین مشتبہ ہو جاتا۔ دین کی اصل تعلیمات شک و شبہ سے بالاتر نہیں رہتیں، ان نام نہاد مفکرین کی نحوست سے مغزوہ پوست، ظاہر و باطن کے فلسفے وجود میں آتے ہیں اور حراف و سادہ، عملی دین ایک ناقابل فہم معمر اور گورکھ دھند بن جاتا ہے اور دشمنان دین اور گمراہ لوگ اس سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں اور تفرقہ بازی کے لئے فضا ساز کار ہو جاتی ہے۔

لیکن رحمۃ اللعالمین اور راوی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فتنوں کے بارے میں پہلے ہی سے بتا دیا ہے کہ علامات قیامت میں سے یہ بھی ہے کہ اس امت کے پچھلے لوگ انگوں کو بڑا کھینے لگیں (جامع ترمذی)، اور ابن ماجہ نے بروایت محمد بن النکدہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اس امت کے پچھلے لوگ انگوں پر لعنت کریں (اس وقت جس کسی نے کوئی حدیث چھپائی اور انگوں

کی نفیست و ظاہر کی، تو اس نے گویا اس پورے شریعت کو پھینک دیا جس کو اللہ جل شانہ نے آمارا ہے۔

گزشتہ صفحات میں محبت رسول اور محبت اسلاف کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا اس کا مقصد یہ نہیں کہ کسی کی محبت کے نام پر ایسے افعال و اعمال اختیار کئے جائیں جن میں شرک یا شرک کا شائبہ ہو۔ یا حسب رسول کے نام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی صفت الہی، علم یا قدرت وغیرہ میں اللہ جل شانہ کے برابر کر دیں۔ یا اسی طرح دوسری مشرکانہ حرکتیں اختیار کریں، حالانکہ ان ساری چیزوں سے اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود منع فرمایا ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَطْرُقُونِي كَمَا طَرَقَتِ النَّصَارَةُ
ابن ماریہ قالنا انا عبيدہ فقولوا
عبد الله ورسوله

مجھے صدمے سے زیادہ نہ بڑھاؤ جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کو صدمے سے بڑھا دیا کہ اللہ کا بیٹا اور جزو قرار دیا، میں صرف اللہ کا بندہ ہوں لہذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

یہیں اس سے منع کیا گیا ہے آپ کو اللہ کا جزو مانیں یا آپ کی صفات میں استفادہ مبالغہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے برابر سمجھنے لگیں۔ البتہ آپ اللہ تعالیٰ کے بعد تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر
جیسا کہ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔ میں پہلا شخص ہوں گا جس کی قبر پھٹے گی اور پہلا شخص ہوں گا جس کی شفاعت قبول ہوگی۔ اسی طرح حسب رسول کی آڑ میں بڑی بدعات کو اختیار کرنا بھی عشق کے جھوٹے دعویٰ کی دلیل ہے۔ یہ بالکل ناممکن ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بچی محبت ہو اور اس کی زندگی احکام الہی سے بغاوت اور مصیبت کا فوہ ہو نہایت

کے احکام کی خلاف ورزی کے باوجود اگر ہم خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا سمجھیں تو ہم زبردست خود فریبی اور شیطانی دھوکے میں مبتلا ہیں حضرت راجہ بصری نے ایسے ہی مدعیان محبت کے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

لخصی الاله وانت تزعمو حبه۔ اے محبت کے بھوٹے مدعی تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی
 هذا المحرمی فی الافعال بدیع کرتا ہے اور اس کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے عقل
 لو كان حبك صادقا لاطعت اور قیاس کے لحاظ سے یہ بات بہت ہی عجیب ہے
 ان المحب لمن یحب یطعم۔ اگر تو دعویٰ محبت میں سچا ہو تو اس کی فرمانبرداری
 کرتا کیونکہ ہر محب اپنے محبوب کی بات کو دل و جان سے قبول کرتا ہے۔

محبت کی علامات میں سب سے زیادہ اہم یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کا اتباع کیا جائے آپ کے احکامات کی پوری پوری تعمیل کی جائے اور جن کاموں سے منع فرمایا ہے ان سے بچا جائے اور ہر حالت میں خواہ خوشی ہو یا غم آپ کے طریقوں کی پیروی کریں جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوا لی یحبكم الله۔ آپ فرمائیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت
 رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت
 کرنے لگیں گے۔

آل عمران آیت ۱۶۱

یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اسلام میں اس چیز کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کہ امت مسلمہ کہیں مشرک میں مبتلا نہ ہو جائے اور نصاریٰ وغیرہ کی طرح کسی کو درج الوہیت تک پہنچا کر اپنی دنیا و آخرت کو تباہ و برباد نہ کر ڈالے اور اسی لئے ایسے حرام و ناجائز اسباب ختم کرنا بھی بہت ضروری ہے جس سے شرک کے لئے راہیں کھلتی ہیں۔

لیکن یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے صحابہ اور تابعین و تبع تابعین اور صلحائے امت سے محبت پر ایمان کا دار و مدار ہے اس لئے آپ اور آپ کے تابعین سلف صالحین کے ساتھ سچی محبت، ان کے ادب و احترام کو
 نہ کہ گناہ یا ان حضرات کے اتباع میں ماننا اور مدارج افعال کو شرک سمجھنا یا غیر اللہ کی

عبادت شمار کرنا، امت مسلمہ پر بہت بڑا ظلم ہے۔

محبت بڑھانے کے جائز اسباب سے منع کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے نائبین الیٰیہمناہذا کی محبت اور عظمت کے جذبہ کو کمزور اور ختم کرنا ہے اور امت مسلمہ میں انتشار و نفاق پیدا کر کے امت کو پارہ پارہ کرنا ہے۔

عصر حاضر کے نام نہاد توحید کے علمبرداروں کی توحید کو اگر دیکھا جائے تو ان کی توحید اسی میں منحصر ہو کر رہ گئی ہے کہ دست بوسی، توسل، سماع موتی وغیرہ کا شد و مد سے انکار کیا جاتے۔ اور ان مسائل کے قائل حضرات کو بدعتی یا مشرک قرار دیا جاتے (حالانکہ یہ اختلافی مسائل ایسے نہیں جن کے اقرار یا انکار پر کفر و ایمان کا دار و مدار ہو بلکہ دونوں طرف دلائل موجود ہیں جن میں سے بعض کا مفصل بیان پہلے گزر چکا) اس پر طرہ یہ کہ اسلاف کے آثار اور ان کی محبت کے جذبات کے شامے کو بڑے خوش توحید کا بول بالا کرنا سمجھتے ہیں اور مشرک کے ذرائع اور اسباب کو ختم کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور دوسری طرف یہی نام نہاد موحدین، کفار و مشرکین جیسے روس و امریکہ کے آگے جھکنا، شاہوں کی تہنیت میں اللہ تعالیٰ کی صفات کو مجسول جانا، عصبیت اور قوم پرستی میں آکر دوسرے مسلمانوں کی تحقیر کرنا، الغرض یہ موحد نفس پرستی، دولت پرستی، شاہ پرستی، قوم پرستی اور مادی قوت کے سامنے سرافکندی میں مشرکین اقوام سے بازی لے گئے ہیں۔

دوسری طرف سچی محبت کو بدنام کرنے والے محبت کے داعی ہیں جن کے ہاں محبت کا مفہوم صرف یہ ہے کہ دست بوسی، قیام توسل اور سماع موتی وغیرہ کا اقرار کرنا ہے اور جو یہ نہ مانے وہ گمراہ، کافر اور گستاخ ہے اس پر ظلم یہ کہ محبت و تعظیم کے پردے میں قبر پرستی، پیر پرستی اور ہر قسم کی بدعات اور فریادوں کے رواج دینے کو اپنے خیال میں محبت بڑھانے کے اسباب سمجھتے ہیں۔ زبانِ محبت کے یہ دعویدار، دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع، ان کے احکام کی اطاعت اور فرمانبرداری سے ایسے جی چراتے ہیں کہ منافقان و کفار کو بھی یہ بچے چھوڑ گئے۔

ہر درد مند دل کو رونا میرا نہ دے
بے ہوش جو چہرے ہیں شاید انہیں جگادے

آفریں محبت کی اہمیت پر حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کا یکساں
مضمون ملاحظہ فرمائیے۔

”جاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا تعلق ہے وہاں اس کی
پراور زیادہ زور دینے اور اس کا زیادہ اہتمام کرنے کی ضرورت ہے آپ کی ذات
گرامی کے ساتھ صرف ضابطے اور قانون کا تعلق کافی نہیں، روحانی اور جذباتی تعلق
اور ایسی گہری اور دائمی محبت مطلوب ہے جو جان و مال، اہل و عیال کی محبت پر فوقیت
لے جاتے۔“
آگے فرماتے ہیں:

”اس سلسلہ میں ان تمام مخالف اسباب و محرکات سے محفوظ اور محتاط رہنے کی
ضرورت ہے جو اس محبت کے متونوں کو خشک یا اس کو کمزور کرتے ہیں، جذبات
احساسات محبت میں افسردگی، سختی پر عمل کرنے کے جذبہ میں کمزوری اور آپ کو
وانائے سبل، فقر الرسل، مولائے کل سمجھنے میں تردد اور سیرت، حدیث کے مطابق
سے روگردانی اور بے توجہی کا سبب بنتے ہیں۔ سورۃ احزاب، سورۃ حجرات، سورۃ فتح
وغیرہ قرآنی سورتوں کے غائر مطالعہ اور تشہد و نماز جنازہ میں درود و صلوة کی شمولیت پر
غور و فکر قرآن میں درود کی ترغیب اور درود کی فضیلت میں بکثرت وارد ہونے والی
احادیث کا راز سمجھنے کا یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں
ایک مسلمان سے اس سے کچھ زیادہ مطلوب ہے جس کو صرف قانونی اور ضابطہ کا تعلق
کہا جاتا ہے جو محض ظاہری اطاعت سے پورا ہو جاتا ہے، بلکہ وہ پاس ادب محبت
اور تشکر و امتنان کا جذبہ بھی مطلوب ہے جس کے سرچشمے دل کی گہرائیوں سے چھوٹتے
ہوں، جو رنگ و ریشہ میں سہرا بیت کر گیا ہو اس پر محبت احترام اور احترام آمیز محبت کو
قرآن نے تعزیر و توقیر کے لفظ سے ادا کیا ہے۔“

صحابہ کے چند واقعات کی طرف رہنمائی کر کے آگے فرماتے ہیں:-

”اس عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ان علمائے راسخین، مصلحین، محدثین، رؤفہ قائمین کو وافر ملا جملوں نے دین کی حقیقی روح کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا اور جن کے مقدر میں دین و ملت کے احیاء و تجدید کا اہم کارنامہ انجام دینا تھا اس پاک محبت کے بغیر جو شہنشاہی احکام و آداب کے تابع و اسوۂ صحابہ کے اتباع و تقلید کے ساتھ ہو اسوۂ رسول کی کامل پیروی و اتباع رجاۃ شریعت پر استواری، نفس کا دواستدار، محاسبہ اور عشر و نسر اور طبیعت کی آمادگی و گرائی (غشط و مکر) میں خدو رسول کی قربانیاں ممکن نہیں یہی (کثیر النوع) انفسیاتی امراض کا علاج تزکیہ نفس اور اصلاح اخلاق کا موثر ذریعہ ہے۔ محبت کی ایک لہر غم و فاشاک کو بہا لے جاتی ہے اور رگ و ریشہ، جسم و جان میں اس طرح دوڑ جاتی اور جذب ہو جاتی ہے۔“

شاخ گل میں جس طرح بادِ سحر کا ہی کاغذ

مسلمان ہو کبھی خدا اور رسول کے عشق کی بدولت شعلہ جوالہ بنے اس کے بغیر چوب خشک اور سرد خاک تر بنے ہوتے ہیں۔ (البلاغ صفر المنظر ۱۴۰۵ھ)

باب هشتم

توحید

باب ہشتم

توحید

توحید کی امانت سیوں میں ہے ہمارے

آسان نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا

فطرتی عقیدہ اللہ رب العزت کی توحید انسانی فطرت کا تقاضا ہے، ہر انسان پیدا ہونے کے وقت پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور توحید کا قائل ہوتا ہے اور یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مالک و متصرف نہیں۔ اس سے تقاضائے فطرت اور جبلت سے مجبور ہو کر بے شمار بتوں اور دیوتاؤں کو مسبود و معبود ماننے والے بھی سخت مشکلات اور مصائب میں اپنے آپ کو بے سہارا پا کر دل کی گہرائیوں سے صرف ایک خدا ہی کو پکارتے ہیں۔ لیکن تکالیف اور حوادث سے نجات پا کر پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔

تاریخ کے ہر دور میں مشرکین بھی کسی نہ کسی نوعیت سے توحید کی شان و عظمت کو تسلیم کرتے رہے ہیں۔ اعتقادی اور عملی طور پر متعدد خداؤں کو ماننے کے باوجود فطرتی طور پر خالق کائنات اور بڑے خدا کو ایک ہی مانتے تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ یہ چھوٹے خدا اس کے قائم مقام ہیں یا اس کی صفات کے نمائندے ہیں۔ یا دنیا کے کاروبار کو انہوں میں تقسیم کر کے بڑا خدا آرام کرتا ہے یا پھر چھوٹے خداؤں کو بڑے خدا کے اجزا قرار دیتے تھے۔ اس لئے وہ عبادات میں اللہ تعالیٰ و تبارک کے ساتھ مخلوق کو بھی شریک کرتے تھے جس کی وجہ سے توحید خالص سے محروم ہو کر دنیا اور آخرت کی تباہی و بربادی کا لگ گئے۔

دین اسلام نے توحید فی الذات، توحید فی الصفات، توحید فی العبادات، الغرض توحید کو ایسے مکمل واضح اور صاف ترین انداز میں پیش کیا ہے کہ عقول انسانی کو ہر قسم کی خرافات اور اوامام کے رنگ سے محفوظ اور پاک رکھتا ہے۔ اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ شانہ کو کائنات کے ایک ایک ذرے کا علم ہے اسی طرح اس پر قدرت

بھی ہے اور کائنات کی کوئی چیز چھوٹی ہو یا بڑی، اس کے علم سے باہر ہے اور نہ
 اس کے علم، قضا و قدر سے آزاد۔ اللہ جل شانہ کا علم اس کا ارادہ، اس کی مشیت اس
 کی قدرت اور اس کی مخلوق آسمان و زمین کی ایک ایک چیز پر حاوی اور کائنات کے
 ایک ایک ذرہ کو محیط ہے۔ ساری کائنات اس کے قید و بند میں ہیں اگر کہیں کبھی
 ایک پتہ بھی ہل جاتا ہے تو وہ اس کے علم و ارادہ اور علم کے بغیر نہ کر سکتا ہے اور نہ ہل
 سکتا ہے۔ وہ کائنات کے چلانے میں کسی کی معاونت کا محتاج نہیں اور نہ اس کے نظام
 و تدبیر میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ نہ اس نے کائنات میں تصرف
 کا اختیار کسی کو دیا ہے اور نہ وہ کسی کو خدائی اختیارات دیتے ہیں۔ اس لئے قرآن مجید
 میں بتانا ہے کہ مخلوق چاہے زمینی ہو یا آسمانی، جامد ہو یا مانع، الغرض جیسی بھی ہو کسی کو
 بھی تصرف، عزت، ذلت، دیئے والا، مارنے اور چلانے والا صحت و قوت دینے والا
 نہ تسلیم کریں۔ اور تمام صفات کمال سے صرف خدا کے واحد و لا شریک ہی متصف ہے
 اس کی حکمرانی نہ صرف کائنات کے ذرے ذرے پر ہے بلکہ تمام مخلوقات اور انسانوں
 کے دلوں، ان کے جذبات و احساسات، روح و شعور اور لطیف ترین عناصر سب اس کے
 کامل و مکمل قبضہ قدرت میں ہیں۔ اور قرآن میں یہ بھی بتانا ہے کہ ان نسبتوں کا قطعی
 انکار کریں جو توحید خالص کے منافی ہوں۔ نہ اللہ تعالیٰ کو کسی سے زوجیت کا رشتہ ہے
 نہ جنسیت نہ ولایت اور نہ ہی اخوت کا تعلق ہے۔ غرض جس طرح دین اسلام نے توحید
 کے مسئلہ کو ہر قسم کی کمزوریوں اور نقائص سے پاک و صاف کر کے اللہ تعالیٰ کو جو ہم سے
 وراہ الوراہ بتلا کر توحید کامل کی طرف دعوت دی ہے۔ اسی طرح اس نے توحید کے فلسفیانہ
 عقیدے کو جو اس بحث میں حد سے بڑھ کر صفات الہی کا بھی منکر ہو گیا اور کہنے لگا کہ وہ
 قادر ہے بغیر قدرت کے، خالق ہے بغیر خلق کے، بصیر ہے بغیر بصیرت کے، سمیع
 ہے بغیر سمع وغیرہ وغیرہ، کو بھی باطل ثابت کیا ہے۔ فلسفیانہ عقیدہ کا لازمی نتیجہ یہ ہے
 کہ خدا ایک ایسی جہتی ہے جس کے لئے تعطل لازم و ضروری بن جاتا ہے۔ قرآن میں
 بتانا ہے کہ وہ سمیع اور بصیر ہے۔ سنا ہے دیکھا ہے۔ بلاشبہ وہ قدرت کاملہ کے

سائنہ قادر ہے اور صفات رحم و کرم کے ساتھ رحیم و کریم ہے البتہ اس کی صفات جیسے سمع و بصر کے ساتھ مخلوق کے دیکھنے اور سننے کا اور کائنات کا تعلق یا مشابہت بھی نہیں جس طرح وہ اپنی ذات میں ہوتا اور دیکھتا ہے اسی طرح صفات میں بھی ہے۔
 لیس کثید شخ و هو نہیں ہے اس کی طرح کا سا کوئی اور وہ سنا
 السمعین البصیر بھی ہے اور دیکھتا بھی۔

مومن کا حال مومن کی نگاہ ہر حال میں ذات باری تعالیٰ پر ہوتی ہے تکلیف ہو یا راحت، اسی پر توکل کرتا ہے یہ دنیا عالم اسباب ہے اور اللہ جل شانہ مسبب الاسباب ہیں انہوں نے ساری اشیاء میں اسباب و اثرات خود رکھ دیے ہیں۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ان اسباب پر تکیہ و اتکا نہ کر کے موثر حقیقی سے نگاہ ہرگز نہ ہٹائیں کیونکہ ہر قسم کے حوادث اور مصائب میں کام نہانے والا وہی اللہ رب العزت ہے۔ پس ہر وہ درد اور تکلیف میں اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے حدیث شریف میں آتا ہے۔

یَسْتَلِ احَدُكُمْ رُبَّ حَاجَةٍ حَتَّى
 يَسْمَعَ قَوْلَهُ اِذَا انْقَطَعَ فَانْصَبْ
 چاہیے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی حاجت خدا ہی سے مانگے یہاں تک کہ جوئے کا قسم بھی جب وہ ٹوٹ جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اگر آسانی نہ فرمائی تو جوئے کا قسم میسر نہیں آسکتا۔

اسی پر پس نہیں۔ دین اسلام میں معاملات میں بھی بنیادی طور پر اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ تمام انسانی اعمال و اقوال کا مقصد حکم الہی کی بجا آوری ہے اگر ایک باپ اپنے بیٹے پر خرچ کرتا ہے یا ایک بیٹا اپنے باپ کی تعظیم و تکریم کرتا ہے تو نیت یہ ہونی چاہیے کہ اللہ کا حکم پورا کرنے کے لئے یہ کام کیا جا رہا ہے اور یہی نیت سب دوسرے لوگوں کے ساتھ تعلق یا محبت اور تعظیم اور زندگی کے دوسرے معاملات میں جاری و ساری رکھنی چاہیے اگر ایسے اعمال سے اپنے نفس کو بھی کچھ حصہ ضرور ملے گا لیکن ذاتی حظ نفس کا حصول ہرگز مراد و مقصود نہیں ہونا چاہیے۔

بلاشبہ ہیں یہ حکم دیا گیا کہ اللہ کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگوں انبیاء علیہم السلام اصحاب رسول اور صلحاءِ اہل بیت سے محبت کیا کریں اور اللہ تعالیٰ کے سب شفاعت کی تعظیم و تحکیم کریں اور ان کی ادنیٰ گستاخی اور بے ادبی سے بچیں، لیکن ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ کسی بھی مخلوق کی بندگی نہ کریں، اور نہ اللہ تعالیٰ و تبارک کی صفات میں کبھی کو شرک کریں، اور نہ کسی بزرگ، عالم یہاں تک کہ پیغمبر کے ساتھ وہ رویہ اور معاملہ اختیار نہ کریں جو صرف اور صرف اللہ رب العزت کا حق ہے اور اسی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

صحابہ کی توحید اور جذبہ جہاد | ایسی توحید دین اسلام کی اصل اور اساس ہے جس پر چارے دونوں جہانوں کی نجات و نجات کا دار و مدار

ہے، یہی ہماری آخرت کی کامیابی کی ضامن ہے، اس کے بغیر انسان عذابِ جہنم سے نہیں بچ سکتا، اور نہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا مستحق ہو سکتا ہے، یہی وہ ایمان تھا جس نے صحابہؓ کے قلوب کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور عظمت سے معمور کر رکھا تھا۔ مخلوق کا کمال و جمال دنیا کی ظاہری چمک دمک اور شان و شوکت ان کی نظروں میں ہیچ تھی، بادشاہوں کا جاہ و حشم اور ان کے درباروں کی زرب و زینت ان کی نگاہوں میں مٹی کے بے جان مجسموں اور ان کے رنگ و روغن سے زیادہ نہ تھے ایک صحابی کفار کے ساتھ ہزار شکر کے ساتھ لڑنے کے لئے تیار ہوتا تھا اسے معلوم تھا کہ کفار کے دل محبت اور یادِ الہی سے خالی ہیں اور یہ یقین تھا کہ جس دل میں ذکرِ الہی نہ ہو وہ تو مردہ ہے، ان کی اولاد کفار کے مقابلے میں خون میں لت پت، تڑپتے ہوئے شہید ہوتے تو وہ خوش ہوتے اور اس پر فخر کرتے، اور جب کفار کے ساتھ لڑنے میں ان کی روح نکلتی تو چیخ مار کر پکارتے کہ ہم کامیاب ہو گئے۔

صحابہ کرامؓ اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں ایک دوسرے کی تعظیم و تحکیم اور محبت کرنے والے، اپنے دوسرے بھائیوں کو اپنی ذات پر مقدم رکھنے والے، ایک بھائی کی تکلیف پر سب بے آرام ہونے والے تھے، اس کے برعکس اللہ ہی کے لئے اس کے

دشمنوں کفار و مشرکین سے شدید بغض اور نفرت رکھنے والے تھے۔ ان کی تمام تر نفرت دشمنانِ دین اور اغیار کے خلاف استعمال ہوتی تھی جب کہ خود آپس میں شیعہ و سنی تھے۔ اللہ تعالیٰ و تبارک کی حاکمیت اعلیٰ اور اقتدار مطلق کے تقاضے اور مطالبے صرف بچے دل اور بچی زبان سے قبول کرنے والے تھے بلکہ عملی زندگی سے انہیں ثابت کرنے والے اور یقین کامل و صادق کا نمونہ پیش کرنے والے تھے۔

توحید کے ثمرات | بلاشبہ اگر کوئی توحید اسلام کو بچے دل سے اپنائے اور اپنی تمام اغراض، نفع و نقصان کا مرکز صرف ایک ذات رب العالیٰ کو قرار دے اور عملاً بھی اپنے آپ کو صرف اللہ وحدہ لا شریک کے سپرد کر دے اور اللہ رسول کے احکام کے سوا کسی اور کے احکام پر اپنی زندگی کا دار و مدار نہ رکھے تو اس کے دل پر اخبات و غشوعہ استتعالیٰ، توکل اور انحصار کی وہ انتہائی قوت آجاتی گی اور وہ ہر مخلوق سے بے نیاز ایک نڈر مجاہد بن جاتے گا۔ اور وہ کسی دجال و مکار اور غیر اللہ کے سامنے جھکنے اور اس کے سامنے ذلیل ہونے سے محفوظ رہے گا۔ اور دنیاوی مصائب و تکالیف سے اس پر گہرا ہٹ اور بے چینی طاری نہیں ہوگی بلکہ اس سے وہ دل میں ایک سرور محسوس کرے گا۔ کیونکہ جس شخص کو اس بات پر یقین ہو کہ اس کا خالق و مالک ایک قادر مطلق ذات ہے جو انتہائی مہربان اور رحم کرنے والا ہے اور جس قسم کی خیر و رحمت بھی اس کو پہنچتی ہے محض اللہ جل شانہ کے فضل سے پہنچتی ہے۔ کوئی دوسرا نہ اس کے عطا کرنے پر قادر ہے اور نہ روک دینے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور اس کی قیمت کا ہونا اور بگڑنا سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی دوسرے کے اختیار میں نہیں۔ اور وہی اسے ہر قسم کے ضرر سے بچائے والا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو بغیر اللہ چاہے کوئی بھی ہو اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا اور مخلوق کیسے ہی کیوں نہ ہو اسے کوئی چین اور سکون نہیں دے سکتا ہے۔ اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اسے راحت وطمینان دے سکتی ہے۔ اور یہ عقیدہ اس کے دل و دماغ پر چھپا کر اس کا مال بن جاتے تو وہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اسی کا محتاج رہے گا۔ درود کی بھیک مانگنے اور مخلوق کی عملی و فکری ہر قسم کی پرستش

سے بچ جائے گا۔ دنیا ہی میں اسے جنت کا مزہ ملے گا۔ اور وہ ساری دنیا سے بے نیاز خوف و خطر سے بالاتر زندگی گزارے گا۔ اس کا دل دنیا کی کسی قوت سے نہیں گہراتے گا یہی عقیدہ اس کو وطنیت، رنگ و نسل کی برتری، جسمانی طاقت اور دولت کے عذوبہ خود غرضی، نفس پرستی، تن پروری، حسد و بغض اور دیگر رذائل، خرافات و اذہام سے بالکل پاک و صاف کر دے گا۔ دنیاوی مال و متاع سے اگرچہ اس کا گہر خالی ہوگا۔ لیکن اس کی آنکھوں سے اطمینان و استغناء کا نور چمکتا ہوگا۔ اور پیشانی میں فصاحت اور سکون کی چمک ہوگی۔ یہ خدا کا ہوگا اور خدا اس کا ہوگا۔

افسوس کہ آج اغیار تو رہنے دیں، اپنے بھی اس توحید مطلوب سے روز بروز دور ہوتے جا رہے ہیں۔ ایک طرف تو بعض اہل توحید ہوتے ہوتے ادب و احترام کی حدود سے تجاوز کر کے مخلوق کی عبادت اور ان کو سجدہ، رکوع کرنے لگے ہیں۔ دوسری طرف توحید کے دعوے دار اسلاف کی عظمت و شان گھٹانے اور ان کی بے ادبی اور گستاخی اور ان پر سے اعتماد ختم کرنے ہی کو توحید سمجھ کر امت میں نفاق اور افتراق کے تخم بو رہے ہیں۔

کاش ہر دو فریق افریقہ و افریقہ سے ہٹ کر صحابہ کرامؓ اور اپنے اسلاف کی طرح ایک اللہ پر ہر حال میں دل کی نگاہ جمائے قولی محبت اور قولی توحید کی بجائے محبت میں رنگی ہوتی عملی توحید کو اپناتے تو پھر دیکھتے کہ وہ کون سی طاقت ہے جو کسی ایک مسلمان کو بھی ترہیجی نگاہ سے دیکھے۔

ہمیں جانا چاہیے کہ ہمارے اسلاف کی عظیم فتوحات اور کامیابیاں صرف توحید اور دین اسلام کو پوری طرح اپنانے میں مضمر تھیں، وہ ہماری طرح صرف محبت یا توحید کے نام پر شیریں اور دلچسپ تقریروں پر اکتفا کرنے والے نہیں تھے، اللہ نہ کرے

لہ قولی توحید اور قولی محبت سے غرض یہاں توحید اور محبت کا صرف زبانی جمع فریج مراد ہے جو کہ صرف بلند دعوؤں کی حد سے متجاوز نہ ہو۔

کہ ہم کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی یفتح القول وتحکم العمل
(ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں تقریری اور باتیں تو کھل جائیں گی اور عمل بند ہو جائے
گا) کے مصداق بن جائیں؟

اللَّهُمَّ ارِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا إِتِبَاعَهُ وَارِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا
اجْتِنَابَهُ رَبَّنَا تَقْبَلُ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ النَّبِيِّينَ
وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

منہار الدین
کرپورہ شریف

شعبان ۱۴۲۶ھ
۲۳ اپریل ۱۹۸۶ء
پھر بوقت گیارہ بجے